شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک

حزبِ امام ولی اللہ دہلویؒ

کی

اجمالی تاریخ کا مقدمہ

از

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

مطبوعہ

دین محمدی پریس لاہور

ناشر:

کتاب خانہ پنجاب لاہور

بار اوّل　　　　سنہ ۱۹۴۲ء　　　　قیمت عہ قسم اوّل عہ

فہرستِ مضامین

حزبِ ولی اللہ کا پہلا دور

ب

حزبِ ولی اللہ کا دُوسرا دَور

(الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق سے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی تک)

ی

تم الکتاب بحمدہ تعالیٰ

عرضِ حال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد۔ ۱۹۱۵ء میں ہم کابل پہنچے چونکہ یہ سفر ہم نے حضرت مولینا شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز کے فیصلے کی تعمیل میں اختیار کیا تھا۔ اس لئے وہ تاریخ ہند کا ایک اہم تاریخی واقعہ بن گیا۔ غالباً ڈاکٹر سر اقبال رحؒ نے "خضر راہ" میں ہمارے ہی حضر و سفر کا ذکر کیا ہے۔ مصرع،۔

وہ حضر بے برگ و ساماں، وہ سفر بے سنگ و میل

کابل میں سات برس رہ کر ہم نے اس مسئلے کے سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔ کہ ہندوستان کی تاریخ کا آج کی دنیا سے کیا تعلق ہے؟ ہمیں آہستہ آہستہ محسوس ہونے لگا کہ ہمارے ملک میں چند نفوس عالیہ حقیقت شناس تو ضرور موجود ہیں جنہوں نے فراستِ خداداد سے تاریخ کو صحیح طور پر سمجھ لیا ہے۔ یا جنہوں نے یورپ میں رہ کر دنیا کے انقلاب کا مطالعہ کیا ہے۔ ورنہ عام طور پر مفکرین۔

ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں

کے مصداق ہیں۔

اس کے بعد جب ہم نے یورپ پہنچ کر انقلاب فرانس اور اُسکے نتائج کا عمیق مطالعہ شروع کیا، تو ہمیں اضطراب کے اُس سمندر میں، جو عالمگیر کے بعد تاریخ ہند میں موجیں مار رہا تھا، روشنی کا ایک مینار نظر آیا۔ وہ امام ولی اللہ کی اجتماعی تحریک تھی جس کے انقلابی اصول ہم نے مکہ معظمہ میں بیٹھ کر متعین کر لئے۔

بفضلہ تعالیٰ اس قدر وسعتِ فہم پیدا ہونے کے بعد ہم امام ولی اللہ کی تحریک کو کارل مارکس (KARL MARX) کے نظریات (THEORIES) کے مقابلے میں دنیا کے لئے زیادہ مفید ثابت کر سکتے ہیں۔ اسکے نتیجہ کے طور پر جو انقلاب ہمارے دماغ میں پیدا ہوا، اس کا لازمی اثر ہے کہ واقعہ بالاکوٹ کے بعد جس قدر نئی تحریکیں ہندوستان میں پیدا ہوتی رہیں، اُن میں سے کسی ایک کو بھی ہم صحیح نہیں مانتے۔

اس وقت ہم اس اجتماعی تاریخ کے ایک مختصر مقدمہ کا تعارف کرانا چاہتے ہیں، جس میں امام ولی اللہ سے شیخ الہند تک اہم واقعات کا اشارۃً ذکر کر دیا ہے اِسے مقدمۂ تاریخ حزب ولی اللہ (حزب ولی اللہ کی تاریخ کا مقدمہ) کہا جائے گا امام ولی اللہ کی فلاسفی کی حقیقت جس طرح ہم سمجھتے ہیں۔ اُسے ہم ہرگز سمجھا نہیں سکتے جب تک اس تحریک کی تاریخ نہ پڑھا لیں۔ ہمارا یہ مقدمہ اس تاریخ کے لئے تمہید کا

کام دے گا۔ اصل میں یہ کام (یعنی وطنی تاریخ کی تحقیق) ہمارے ذہین نوجوانوں کا ہے اگر وہ ادھر متوجہ ہوئے۔ تو ہمارے اس فکر کی بنیاد پر ایک ہسٹاریکل محل کھڑی کردینگے۔

مقدمہ تاریخ حزب ولی اللہ کی

اجمالی فہرست

حکیم الہند امام ولی اللہ نے ۱۲ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ (۵ رمئی ۱۷۳۱ء) سے دہلی کے مفاسد کو ختم کرنے کے لئے توکلاً علی اللہ اپنی ذمہ داری پر ایک مستقل انقلابی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ غالباً اس سے پانچ سال پہلے وہ اس مطلب کے لئے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ۱۱۳۹ھ میں شروع کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

تاریخ ہند کا یہ عظیم الشان واقعہ انقلاب فرانس سے (۵۸) سال پہلے ہو گذرا ہے۔

حکیم الہند نے اپنا نصب العین معین کیا اپنے پروگرام کی تدوین کی۔ جمعیتہ مرکزیہ بنائی اور اسکی شاخیں ملک میں پھیلیں۔ اس طرح حزب ولی اللہ ایک منظم پارٹی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس نے "حکومت موقتہ" (Provisional Government) بنائی۔ لیکن ۲۷ رذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ رمئی ۱۸۳۱ء) (بروز جمعہ) کو بالاکوٹ کے معرکہ شہادت میں اُس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس صدی میں اس تحریک کے لئے تین امام ظاہر ہوئے اور ایک امارت منعقد ہوئی

(الف) امام ولی اللہ ۱۷۳۱ء تا ۱۷۶۳ء
(ب) امام عبدالعزیز ۱۷۶۳ء تا ۱۸۲۴ء
(ج) امام محمد اسحاق ۱۸۲۴ء تا ۱۸۴۶ء
(د) حکومت موقتہ کے امیر شہید سید احمد ۱۸۲۶ء تا ۱۸۳۱ء۔
اس سال اس تحریک کا پہلا دور پورا ہوا۔

اس دور میں حزب ولی اللہ میں ایک ایسا انسان بھی پیدا ہوا۔ جو نہ امیر تھا نہ امام لیکن اپنی مبارک زندگی اور شہادت سے اپنے جد امجد کی تحریک کو زندہ کر گیا۔ وہ مولانا محمد اسمٰعیل شہید بن عبدالغنی بن ولی اللہ ہے۔
اس تحریک کا دوسرا دور امام محمد اسحاق نے ۱۸۳۱ء سے شروع کیا۔ آپ ۱۸۴۱ء تک دہلی میں رہے۔ اور ۱۸۴۶ء تک مکہ معظمہ میں۔ دہلی میں اُنکا نائب مولانا مملوک علی، اُنکے بعد الامیر امداد اللہ بارہ برس دہلی میں رہے یعنی ۱۸۵۸ء تک ۔ اسکے بعد مکہ معظمہ میں۔
اُن کا پہلا نائب یعنی مولانا محمد قاسم ۱۸۷۹ء تک، پھر مولانا رشید احمد ۱۹۰۵ء تک شیخ الہند مولانا محمود الحسن ۱۹۲۰ء تک۔
اس سال تحریک مذکور کا دوسرا دور ختم ہوا۔
تیسرے دور کو مولانا شیخ الہند نے ۱۹۲۰ء سے تھوڑا عرصہ پہلے شروع کیا تھا

۲۵، اکتوبر ۱۹۴۱ء ھندی بیت الحکمۃ۔ دہلی
عبیداللہ سندھی
"متی اضع العمامۃ تعرفونی"

عرضِ مرتّب[حاشیہ]

كَمُسْتَبْضِعِ تَمْرٍ إِلَى أَرْضِ خَيْبَرَ

زیرِ نظر مقالہ، حضرت مولانا عم فیضہم نے خود اپنے قلم سے ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کو شروع کر کے ۲۵ر اکتوبر کو ختم کیا۔ مقالہ جدید حقائق کا مرقع ہونے کے علاوہ بھولی ہوئی تاریخ کا تذکرہ، اور محرف کردہ واقعات کی اصلی تصویر ہے۔ اس سے اس میں اغلاق کا پیدا ہونا ضروری امر تھا۔ ساتھ ہی حضرت نے مقالے کو مختلف قطعات کی صورت میں قلم بند فرمایا۔ بنا بریں میں نے محسوس کیا کہ خود حضرت مولانا سے سبقاً پڑھ کر ہی اسکو حل کیا جا سکتا ہے چنانچہ حضرت نے کمال شفقت سے مقالہ مذکورہ مجھے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۱ء سے پڑھانا شروع کیا جو تین مجلسوں میں ۲۶ر اکتوبر کو ختم ہوا۔ مشکل و مغلق مقامات پر جو کچھ آپ ارشاد فرماتے گئے ساتھ ساتھ قلمبند کرتا جاتا یا بعد ازاں حافظے سے کام لیکر صفحہ قرطاس پر لے آیا۔ ایسے تمام مقامات پر میں نے حضرت کا حوالہ ضروری سمجھا۔ اسکے علاوہ حضرت کی کتاب التمہید لتمۃ التجدید سے میں نے ضروری اقتباسات جا بجا نقل کر کے اشکال کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسکے ماسوا تاریخی مستندات سے بھی مناسب مقامات پر حوالے نقل کر کے واقعات کی توضیح کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر تکرار محسوس ہوگا

گمر جو اتنی میں ہونے کے علاوہ اس قسم کے فراموش شدہ حقائق و واقعات، اور محرف کردہ تاریخ میں تکرار گوارا کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ تحریف کا پرانا داغ کسی صورت سے مٹ سکے۔

اس اہم کام میں جس قدر عجلت اور روا روی برتی گئی ہے۔ وہ اس سے ظاہر ہے کہ اتنا بڑا تاریخی، علمی، اور حکمت کا خزانہ ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کو شروع ہو کر ۱۱ر نومبر کی سحر کو ختم ہوتا ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مجھے اپنے ذاتی اور منصبی فرائض کے ادا کرنے سے بھی چارہ نہ تھا۔ زیادہ وقت اُدھر صرف کرنا پڑتا تھا۔ ان حالات میں ان تمام کوتاہیوں کو میں اپنے ذمہ لیتا ہوں جو ناظرین کرام کو مقالے کی ترتیب و تالیف میں نظر آئیں گی ؂

نہ گلم، نہ برگ سبزم، نہ درخت سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت ما را؟

ھذا ما لزم

محمد نور الحق العلوی
تاج پورہ لاہور



حزبِ ولی اللہ کا پہلا دور

حکیم الہند امام ولی اللہ

۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ

جس سال عالمگیر کے تخت پر سلطان محمد شاہ[1] متمکن ہوا۔ اُسی سال دہلی کے

---

[1] شاہ ولی اللہ کا زمانہ | بتاریخ ۱۵ ذیقعد ۱۱۳۱ھ بروز شنبہ سریر آرائے دارائی ہند گردید۔ تا ۱۱۶۱ھ۔ بہ لقب ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ ملقب گشت۔ واز میامن نام مبارکش نرخ غلّہ ارزانی گرفت۔ ومقرر شد کہ ابتدائے سال سلطنت محمد شاہ بعد از عزل فرخ سیر (کہ بروز چہار شنبہ ۹ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ وقوع پذیرفت) نویسند۔ وایام فترت کہ ہفت ہشت ماہ۔ از زمان سلطنت رفیع الدرجات ورفیع الدولہ وخروج نیکو سیر بود۔ اعتبار نہ نمایند۔ سیر المتاخرین ص ۴۲۲

یہ عجیب اتفاق ہے کہ امام ولی اللہؒ اور سلطان کی ولادت کا سال ایک ہے۔ صرف مہینے کا فرق ہے۔ شاہ صاحب کی ولادت ماہ شوال میں ہے اور سلطان غالباً ماہ ذیقعد میں پیدا ہوئے۔ دیکھو تاریخ ذکاء اللہ دہلوی۔

امام ولی اللہ کی ولادت بروز چہارشنبہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ اور وفات ۱۱۷۶ھ ہوئی۔ اور سلطان مجدد عالمگیر کی وفات بروز جمعہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ کو ہوئی - اس حساب سے شاہ صاحب کی ولادت سلطان مجدد کی وفات سے چار سال پہلے ہوئی۔ اور شاہ عالم ثانی نابینا مکحول بادشاہ (جو ۱۱۷۳ھ سے ۱۲۲۱ھ تک تخت دہلی پر متمکن رہا) کے عہد میں آپ کا انتقال ہوا۔

بنابریں شاہ صاحب کو دس سلاطین دہلی کی سلطنت دیکھنے کا اتفاق ہوا یعنی۔ ۱۔ عالمگیر اعظم ۔۲۔ بہادر شاہ اوّل ۔۳۔ معز الدین جہاندار شاہ ۔۴۔ فرخ سیر ۔۵۔ رفیع الدرجات۔ ۶۔ رفیع الدولہ۔ ۷۔ محمد شاہ ۔۸۔ احمد شاہ ۔۹۔ عالمگیر ثانی ۔۱۰۔ شاہ عالم ثانی۔ آخر الذکر نابینا سلطان کے عہد میں۔ شاہ صاحب کی وفات سے تقریباً دو سال بعد کلائیو نے بمقام الہ آباد بنگال و بہار اڑیسہ کی دیوانی بادشاہ سے لے کر کمپنی بہادر کے حوالے کی۔ سیر المتاخرین میں ہے "فرمان اسناد دیوانی ہر سہ صوبہ بنگال و بہار اڑیسہ بنام کمپنی بہادر از وزیر شجاع الدولہ بادشاہ (شاہ عالم) درخواست نمود چار ناچار قبول نمودہ بہ وفق خواہش او فرامین اسناد نوشتہ دادند۔" نیز دیکھو تاریخ ذکاء اللہ صفحہ ۲۶۴۔

دہلی میں محمد شاہ کی سلطنت جس اضطراب سے گذر رہی تھی۔ شاہ ولی اللہ اس کو اچھی طرح جانتے تھے۔ حجاز میں رہ کر سلطنت عثمانیہ اور دوسری اسلامی حکومتوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ آپ ایک خط میں لکھتے ہیں: "احوال ہند برما مخفی نیست۔ کہ خود مولد منشاء فقیر است۔ بلاد عرب نیز دیدیم۔ واحوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدم۔" کتاب "التمہید لائمۃ التجدید" از مولانا غلام مصطفیٰ۔

تاریخ ہند کا عالم جانتا ہے کہ مذکورہ بالا سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو کن کن لرزہ خیز واقعات و حوادث سے گذرنا پڑا۔ سادات بارہ کا تسلط۔ فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں بے بسی کی قید میں مرنا۔ پھر تورانی امراء کے ہاتھوں سادات بارہ کا زوال۔ مرہٹوں کی بغاوت اور ان کا عروج۔ سکھوں کی بغاوت۔ نادر شاہ کی یلغار۔ اور دہلی میں قتل عام۔ احمد شاہ ابدالی اور معرکۂ پانی پت میں حق کا باطل پر غلبہ۔ سیاست ہند میں روہیلوں کی شرکت و مساہمت۔ ایرانی و تورانی امراء کی رقیبانہ چپقلش۔ ہندوستان میں یورپین

مرتاض صوفی، عالم، مولانا عبدالرحیم بن وجیہ الدین العمری (متوفی ۱۱۳۱ھ) کے مدرسے میں حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی اپنے باپ کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے یہ ۱۷۱۹ء بمطابق ۱۱۳۱ھ کا واقعہ ہے۔

۲- حکیم الہند نے بارہ برس پڑھانے میں صرف کئے جو کچھ اپنے والد اور اُن کے رفقاء

اقوام کی للچائی ہوئی نگاہیں، پھر انگریزوں کا بنگال و بہار وغیرہ میں عمل و دخل، اور اس قسم کے دوسرے انقلابات شاہ صاحب نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

ظاہر ہے کہ ان لرزہ خیز حوادث کا اثر دہلی پر پڑا۔ جو شاہ صاحب کا مستقر تھی۔ اس سے اُنکا متاثر ہونا لازمی امر ہے۔ انہی واقعات و حوادث کے پیش نظر انہوں نے اپنا انقلابی نظام نامۂ حکومت مرتب کیا۔ اسی انقلابی دستورِ عمل کی تشریح مقالہ زیر بحث میں کی گئی ہے و باللہ التقۃ۔

ے۱ قلت وقد تحقق عندی ان الشیخ الاجل عبد الرحیم هو الذی بذر بذر التحقیق والتجدید الذی یدعو الیه الامام ولی الله ه التمهید فی ائمة التجدید ص ۳۹

ے۲ چوں سال پنجم درآمد فقیر بمکتب نشست۔ و در سال ہفتم والد بزرگوار بنماز ایستادہ کردند۔ و بروزہ داشتن فرمودند۔ و تطہیر نیز دریں سال واقع شد۔ و خیال در خاطر ماندہ است۔ کہ آخر ہمیں سال قرآن عظیم ختم کردم۔ و در سال دہم شرح ملا جامی مے خواندم۔ و راہ مطالعہ فی الجملہ کشاد۔ و سال چہاردہم تزوج صورت گرفت۔ و دریں معنے والد بزرگوار غایت استعجال کردند۔ و پانزدہم سال بود کہ با والد بزرگوار بیعت کردم۔ و باشغال صوفیہ خصوصاً نقشبندیہ مشائخ مشغول شدم۔ و ہماں سال طرفے از بیضاوی خواندم و حضرت والد بزرگوار طعام وافر مہیا ساختند و خواص و عوام را دعوت فرمودند۔ و فاتحہ اجازت درس خواندند۔ و بالجملہ از فنون متعارفہ بحسب رسم ایں دیار در سال پانزدہم فراغ حاصل شد۔ و در سال ہفدہم از عمر فقیر حضرت ایشاں برحمت حق پیوستند (جزء لطیف)

ے۳ بعد از وفات حضرت ایشاں، فقیر۔ دوازدہ سال کما بیش بدرس کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود و در ہر علمی خوض واقع شدہ (جزء لطیف)

سے سیکھا تھا۔ اسی میں سے قرآنِ عظیم[ض۲] کا ترجمہ۔ اور حکمتِ عملیہ[ض۳]۔ اور اشراقِ قلبی سے علمی
حقائق کا انکشاف انکی توجہ کا خاص مرکز بنے رہے۔ اس فکرِ عمیق سے وہ دہلی کی سوسائٹی
کا مطالعہ کرتے رہے۔ اُس زمانے کی دہلی میں ایک طرف خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ تو اِس

فتح الرحمٰن[۱] از منن عظمی برین فقیر آں بود کہ چند بار در مدرسہ قرآن مجید با تدبر معانی
وشان نزول ورجوع بہ تفاسیر بخدمت ایشاں حاضر شدم۔ و ایں معنی سبب
فتح عظیم افتادہ "جزء لطیف"
والد بزرگوار غالباً در حلقۂ یاراں۔ دوں از تلاوت ہر روز در سہ رکوع بہ تدبیر و بیان معانی
آں می خواندند (انفاس العارفین)
تسوید ترجمۂ زہراوین در ۱۱۴۲ھ۔ و شروع ترجمہ قرآن در ۱۱۵۰ھ و اختتام فتح الرحمان در ۱۱۵۱ھ
و افتتاح تدریس فتح الرحمان در ۱۱۵۶ھ۔ شاہ صاحب نے فتح الرحمان کے شروع میں لکھا ہے کہ حج سے
واپس آکر [اور سال اُن ۱۱۴۵ھ جزء لطیف] پانچ سال بعد ترجمہ لکھا گیا۔ اور گیارہ سال بعد
پہلی بار اس کی تعلیم شروع ہوئی اس سے مرزا حیرت دہلوی کی ایک غلطی نمایاں ہو جاتی ہے وہ
لکھتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے ترجمہ قرآن لکھا۔ اس سے دہلی میں اس قدر شورش برپا ہوئی کہ وہ
حج کے لئے مجبور ہو گئے دیکھو کتاب التمہید از مولینا عم فیضہم۔
[فائدہ] شاہ ولی اللہ اور تفہیمات الٰہیہ ص ۸۲ میں اپنے زمانے کی تین چیزوں کو خصوصیت سے
ذکر کرتے ہیں۔ (الف) البرہان [عقل۔ حکمت عملی اسکا ایک شعبہ ہے] وذالک لاختلاط
علوم الیونانیین واشتغال القوم بالکلام (ب) الوجدان [اشراق قلبی۔ کشف]
اس زمانے کے لئے یہ عنوان اس طرح بنا کہ ہمارے زمانے کے لوگ شرقاً و غرباً صوفیہ کے علوم قبول
کرنے پر مجتمع ہو چکے ہیں یہاں تک کہ اُن کے اقوال اور حالات کتاب اور سنت کی نسبت لوگوں کے
قلوب سے زیادہ چسپاں ہوتے ہیں۔ بلکہ عامۃ الناس کوئی چیز اُن کے رموز و اشارات کے بغیر قبول کرنے
بقیہ بر صفحہ ۱۷۔ (ض۳) بر صفحہ ۱۷، ۱۸ دیکھو۔

کو تیار نہیں ہیں۔ فمن انکر موہ ھم و نشار ناتھم و کان منہم علی جانب فانہ لا یقبل ولا یبعد من الصالحین۔ (ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول علوم [نقل قرآن عظیم علی الخصوص] جن کا عنوان ہے "السمع" وذالک لدخولہم فی الملۃ الاسلامیۃ۔ ان تین امور کے ماسوا اس زمانے میں "اتبع کل ذی رای رایہ" کا مرض بھی پیدا ہو چکا تھا۔ حالت یہ تھی کہ کوئی شخص مشکلات کو حل کرنے کے لئے کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔ ہر کہ ومہ اپنی سمجھ کے مطابق احکام شرعیہ کے معانی اور اسرار پر بحث کر لیتا ہے اور عقلیت کو اس تمام معاملہ میں اصل قرار دیتا ہے۔ ولن ترفیہ احدا یقف علی المتشابہات وما اشکل علیہ من العلم ولن ترا احدا الا و یخوض فی فہم معانی الاحکام واسرارہا و یمیل فی ذالک الی المعقول وصار لکل رجل مذہب حسب ما فہمہ اسی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ اہل عصر فقہ کے مختلف اصناف میں اختلاف کر رہے ہیں خصوصاً حنفیہ اور شافعیہ۔ اور ہر فرقہ اپنے اساتذہ کے لئے تعصب برتتا ہے۔ اس سے ہر مذہب میں تخریجات بڑھ گئیں اور حق مستور ہو گیا۔

یہ اس زمانے کا اچھا خاصہ نقشہ ہے۔ شاہ صاحب اپنی تجدید کو انہی امور کی اصلاح سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ کما قال۔ فکان من جود اللہ و رحمتہ و لطفہ و حکمۃ ان جعل تفسیر ھذا الوصی للشریعۃ بوجہ لو امعنوا فیہ لاضمحل الخلاف ھ

حکمت عملی | مولینا الشیخ مدظلہم العالی نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو اسکی تشریح میں مجھے فرمایا۔ کہ حکمت عملی سے مراد مطلق حکمت عملی ہے۔ قرآن عظیم کی حکمت عملی یہ شاہ صاحب کا اپنا استخراج اور فیصلہ ہے۔ بالفاظ دیگر اس حکمت عملی کو قرآن کے تعارف کا ذریعہ بنانا یہ انکا اپنا ذاتی اساسی فکر ہے کیونکہ بلاغت کے ذریعے قرآن کا تعارف کرانے سے یہ سوسائٹی دور ہو چکی ہے بلاغت کے علوم پڑھتے پڑھتے انکی عمریں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور قرآن حکیم کو ہاتھ تک لگانا نصیب نہیں ہوتا۔

اکبر کے دور سے ہندوستانی سوسائٹی حکمت عملی کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوئی۔ ابوالفضل

کے ساتھ ابھی تک ایک خوبی بھی یقیناً باقی تھی۔ طبقۂ امراء میں آصف جاہ[1] جیسا فرزانہ اور طبقۂ صوفیہ میں مرزا محمد مظہر جانجاناںؒ اسی زمانے کی یادگار ہیں شہر میں مختلف کے نغمانے اور باکمال اساتذہ موجود تھے۔ گویا ایک مفکر کے لئے کافی وسیع میدان موجود تھا۔

نے اکبری دربار میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ دربار اکبری کی، اور ہندوستان کی ہیئت اجتماعیہ کی تاریخ لکھتا ہے۔ اس تاریخ کی اساس حکمت عملی ہے۔ وہ اکبر کے سوا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں کیونکہ وہ اسی نقطہ نظر سے اپنی فرمانروا کو دنیا میں اپنے عہد کا بہترین انسان ثابت کرنا چاہتا ہے یہی فکر سلطان محمد شاہ تک دربار شاہی میں غالب رہا۔

بنابریں شاہ صاحب نے اپنے شہر کی اعلیٰ سوسائٹی کو قرآن کی طرف متوجہ کرنے کے لئے جو راستہ بنایا ہے اسمیں بہت زیادہ کامیابی کی توقع ہے۔ اکبر کے عہد سے حکمت عملی میدان میں آچکی تھی شاہ صاحب اسی کے پیش نظر قرآن کو سامنے لے آتے ہیں۔

ذہنیتوں کی تبدیلی صدیوں کو دنوں کی طرح طے کرتی ہے۔ جو کام ایک انسان ایک دن میں کر سکتا ہے اگر اسی کی جماعت کی ذہنیت کو بدلکر ہم وہی کام کرانا چاہیں تو اسمیں سو برس ختم ہو جائیں گے۔

ہمارے خیال میں ہندوستانی مسلمانوں میں آجتک دوسری مسلم اقوام کی نسبت قرآن عظیم کی طرف جس قدر زیادہ توجہ پائی جاتی ہے، ان صدہا سال کی پیہم محنتوں کا نتیجہ ہے۔

محمد نور الحق عفی عنہ ۔ ۲۶ ر اکتوبر ۱۹۴۱ء

[1] آصف جاہ اوّل حضور نظام کا جدامجد ہے سلطان عالمگیر کے دربار کا پروردہ اور سربرآوردہ ہے عالمگیر کی سلطنت ختم ہو گئی مگر آصف جاہ کی اولاد اب تک حکمران ہے آصف جاہ نے دہلی کی سلطنت کو تقویت دینے کے لئے سکیم تیار کی وہ اپنی عقل اور دانش کو دربار محمد شاہ کی تقویت کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا، لیکن ناکام رہا اس پر اس نے اپنی عقل کو خود اپنی شخصی ترقی و ترفع

بقیہ بر صفحہ ۱۹۔ ۲ بر صفحہ ۱۹۔

کے لئے لگا دیا جس میں وہ کامیاب ہوا۔ محمد شاہ ابتدا میں اسکا طرفدار تھا، مگر بداندیش
درباریوں نے بادشاہ کو آصف جاہ سے بدظن کر دیا۔ بعد ازاں اس نے خود اپنے لئے جو کچھ
کرنا تھا کیا۔ پہلے وہ اپنی تمام قوتیں دربار کے لئے صرف کرنا چاہتا تھا۔ مولینا
سید سلیمان ندوی مقدمہ سیرت سید احمد شہید ص۱۱ میں لکھتے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم کے مکاتیب
کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتب خانہ میں میری نظر سے گذرا، اس میں آپ کا ایک خط
نظام الملک آصف جاہ اول کے نام ہے جس میں انہوں نے نواب مرحوم کو مرہٹوں سے جہاد
کرنے کی ترغیب دی ہے۔" آصف جاہ کے حالات اور اسکے کارناموں کے لئے سیر المتاخرین
اور تاریخ ہند از ذکاء اللہ جلد نہم کافی ہے۔ وفات ۱۱۶۱ھ۔

۲ھ - مرزا مظہر جانجاناں شہید شمس الدین حبیب اللہ مجددی قدس سرہ - از سادات
عظام علوی است۔ آباؤ اجداد وے از امرائے نامدار شاہی بودند۔ و قرابت بہ سلسلہ تیموریہ
داشتند۔ از ہر فن و علوم ظاہری بہرۂ کامل حاصل نمود۔ بہ شب چہارشنبہ، محرم الحرام ۱۱۹۵ھ
پاسے از شب گذشتہ بود کہ چند کس بر دروازہ خانقاہ دستک زدند۔ خادم عرض نمود کہ بعضی
مردم برائے زیارت حاضر آمدہ اند۔ فرمود بیایند۔ این سہ کس اندرون آمدند۔ از ایشان یکے
مغل زادہ بود حضرت مرزا را زخم قریب دل رسانیدہ فرار نمودند۔ تا سہ روز بقید حیات بود، بروز
جمعہ بوقت شام جان حق تسلیم کرد۔ آں شب شنبہ بود و بگاہ آں دہم محرم الحرام ۱۱۹۵ھ
خزینۃ الاصفیاء

قال مولینا الشیخ رحیم فیضہم فی کتاب التمہید النوع الخامس فی تذکرۃ اصحاب
الامام عبد العزیز دہلوی من المظہریین۔ فصل فی تذکرۃ قیم الطریقۃ
الاحمدیۃ المجددیۃ الامام شمس الدین حبیب اللہ محمد مظہر جانجانان
من القران الامام ولی اللہ الدہلوی "قال الشیخ محسن فی الیانع
الجنی بعد ذکر الامام الربانی الشیخ احمد السرہندی ومن اجلۃ اصحابہ

المتأخرين قيم الطريقة الشيخ شمس الدين المظهر المعروف بمرزا جانجاناں الشهيد
الدهلوي من ذرية محمد بن الحنفية۔ كان ذا فضائل كثيرة۔ قرء الحديث على الحاج
محمد افضل السيالكوتي۔ واخذ الطريقة المجددية من اكابر اهلها۔ وكان له
في اتباع السنة والقوة الكشفية شان عظيم۔ شهد ائمة الصوفية والمحدثون
بفضله وجلالته كشيخه السيالكوتي وابي عبد العزيز والحاج فاخر الاله آبادي
وله شعر بديع ومكاتيب نافعة ۔ وامره المحدث محمد حيات السندي المدني على
قوله بوجوب العمل بالحديث بشرطه وان خالف المذهب۔ توفي ليلة عاشوراء
وقد ارخ بعضهم عام وفاته بما ورد في بعض الاحاديث عاش حميداً ومات شهيداً
ومن اجلة اصحابه القاضي ثناء الله الاموي ثم العثماني من علماء فاني فت بلدة
بقرب دهلي۔ كان فقيهاً اصولياً زاهداً مجتهداً له اختيارات في المذهب وتصنيفات
غايته في الفقه والتفسير والزهد وكان شيخه المظهر يفتخر به انتهى۔ قلت
لصاحب الامام حبيب الله محمد مظهر والامام ولي الله احمد كالاخوين المتراضعين
المتناصرين۔ ولا يزال الدهلي يفتخر بهما على البلاد۔ توفي الامام محمد مظهر في سنة ۱۱۹۵ھ
شهيداً باغتيال خدام بعض الشيعة من امراء دهلي۔

قال رضي الله عنه ؎

بر لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

۱ میرالروایات میں ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی قتل میں نجف علیخاں حاکم
دہلی کا ہاتھ تھا۔ جو مذہباً رافضی تھا۔

بحوالہ ش۔م۔ صفحہ ۲۴۴

۳- امام ولی اللہ نے اپنے اس بارہ برس کے مطالعے میں اصلاحی پروگرام کے دو اصول معین کر لئے:-

(الف) علمی اصلاح کے لئے قرآن عظیم کی حکمت عملی کو اسکے معجزہ ثابت کرنے کا عنوان بنانا۔

(ب) دولت و ملت کے تمام اخلاقی اور عملی مفاسد کا مرجع اور مدار، اقتصادی عدم توازن کو قرار دینا۔

۴- وہ اپنے فکر کو مدلل کر کے، اُسے قوم میں شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے جس قدر علم حدیث کی ضرورت انہیں محسوس ہوئی وہ دہلی میں حاصل نہیں

نظریہ اعجاز قرآن[۱] قرآن حکیم کا ترجمہ انہوں نے سفر حج سے پیشتر شروع کر دیا تھا۔ تسوید ترجمۂ زہراوین ۱۱۴۲ھ میں ہوئی دہ کتاب تمہید۔ لیکن آیندہ اسی مقالہ میں تصریح فرمائیں گے کہ شاہ صاحب نے ترجمہ کا کام غالباً ۱۱۳۹ھ میں شروع کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

فلسفی مزاج مدعیان اسلام نے بہت پہلے اس اعجاز قرآن کو۔ جو عربی بلاغت سے وابستہ ہے۔ چنداں اہمیت نہیں دی۔ اس پر اُن کے مخالفین نے بہت کچھ لے دے کی ہے لیکن اگر اُن اقوال کی یہ توجیہ کی جائے کہ عجمی اقوام چونکہ عربی بلاغت کے سمجھنے سے قاصر تھیں، اس لئے اُنکے سامنے اعجاز قرآن کا معیار عربی بلاغت نہیں ہونا چاہئیے۔ بلکہ ان اقوام کے لئے اعجاز کا معیار کوئی دوسری چیز بنانا ضروری ہے۔ تو یہ قول قابل قبول ہو سکتا ہے عبدالرحیم خیاط معتزلی عالم کتاب "الانتصار" میں نقل ہے۔ وکان النظام (ابراہیم بن سیار) یزعم ان نظم القرآن وتالیفہ لیسا بحجۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم، وان الخلق یقدرون علی مثلہ ابو العلاء احمد معرّی نے ایک کتاب اسی باب میں لکھی ہے جس کا نام "الصرفہ" ہے یعنی خدا تعالیٰ نے از جانب خود قوائے بشریہ کو معارضہ قرآن سے روکا ہوا ہے ورنہ انسان

بقیہ برصفحہ ۲۲ دیکھو۔

ایسا قرآن بنا سکے۔ وقال فی ذالک ان القرآن لم یخرق العادۃ بالفصاحۃ حتی صار معجزۃ
للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لان کل فصیح وبلیغ قادر علی الاتیان بمثلہ الا انہم
صرفوا من ذلک لا ان یکون القرآن فی نفسہ معجزاً لفصاحتہ۔ وھو مذھب
لجماعۃ من المتکلمین والرافضۃ منھم البشر المریسی والمرتضی ابو القاسم ۔
معجم الادباء لیاقوت الحموی ص ۱۳۹/۳ ۱۲ محمد نور الحق علوی۔

۲ اقتصادی توازن

عام طور پر تصوف فلسفہ اخلاق سے شروع کیا جاتا ہے۔ اقتصادی
ضروریات حیوانی زندگی کے لئے بیشک ضروری مانی جاتی ہیں لیکن
انسانیت سے براہ راست انکا تعلق نہیں مانا جاتا۔ اس نے ہماری سیاست کو کھوکھلا کر دیا ہے
ہمارے بڑے عقلمند اور زیادہ با اخلاق صوفیہ سب کے سب اجتماعی سیاست سے دور رہنا اپنا
کمال سمجھتے ہیں اور یہ کتب تصوف کی سب سے بڑی کوتاہی ہے۔ مگر شاہ ولی اللہ اس اصول کو حجۃ اللہ
میں متعدد مواقع پر نہایت وضاحت سے سمجھاتے ہیں۔ چنانچہ حجۃ اللہ ص میں فرماتے ہیں: "اگر
کسی قوم میں تمدن کی مسلسل ترقی جاری ہے تو اسکی صنعت وحرفت اعلےٰ کمال پر پہنچ جاتی ہے
اسکے بعد اگر حکمران جماعت، آرام و آسائش، اور زینت و تفاخر کی زندگی اپنا شعار بنالے
تو اسکا بوجھ قوم کے کاریگر طبقات پر اتنا بڑھ جائے گا کہ سوسائٹی کا اکثر حصہ حیوانوں جیسی زندگی
بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ انسانیت کے اجتماعی اخلاق اسوقت برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے انکو
اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اسوقت وہ گدھوں اور بیلوں کی طرح صرف روٹی کمانے
کے لئے کام کریں گے۔ جب انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہوتی ہے تو خدائے تعالےٰ انسانیت
کو اس سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ ضرور الہام کرتا ہے یعنی ضروری ہے کہ قدرت
الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کرکے قوم کے سر سے اس ناجائز حکومت کا بوجھ اتار دے چنانچہ
کسریٰ وقیصر کی حکومت نے یہی وتیرہ (آرام و آسائش برفاہیۃ بالغۃ) اختیار کر رکھا تھا
اس مرض کے ازالے کے لئے امیین میں رسول اللہ صلی اللہ کو پیدا کیا گیا۔ فرعون کی ہلاکت

ہوسکتا تھا۔ اس کی تحصیل و تکمیل کے لئے انہوں نے سفرِ حجاز[1] اختیار کیا۔ کامل اساتذہ کی صحبت، اور اعلیٰ علمی کتابوں کے مطالعے سے دو سال میں انہوں نے حدیث

اور قیصر و کسریٰ کی تباہی اسی اصول پر لوازم نبوت سے شمار ہوتی ہے

یہاں ضمنی طور پر مثالوں کے ذیل میں کہ دہلی کے بادشاہوں اور امیروں کی حالت بھی کسریٰ و قیصر کے لگ بھگ جا پہنچی ہے فرماتے ہیں۔ وما تراہ من ملوک بلادک یغنیک عن حکایاتھم

دوسرے موقع پر جہاں ربوٰ سے بحث کی ہے (دیکھو حجۃ اللہ البالغہ ص۳) کہ اسلام نے ربوٰ کو قطعی طور پر بند کر دیا ہے وہاں تفصیل سے بتایا کہ رفاہیت بالغہ کے مرض سے سوسائٹی کو محفوظ کر دینا ضروری ہے۔"

اس طرح پورا فلسفہ نہایت اعلےٰ طریق پر مرتب ہو جائے گا انسانی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی نظام ایسا ہونا ضروری ہے جو اُنکا ضروریات کو پورا کرے اور اسکے بعد اُن کے پاس کچھ وقت بچ جائے تاکہ وہ اپنے لطائف کی تکمیل کر سکیں۔ اقتصادی نظام کی درستی کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ انسانی اجتماعیت کے اخلاق مکمل ہونگے۔ اور ان اخلاق کی تکمیل ہی قبر اور حشر کی مصیبتوں سے نجاست دلائے گی۔ پھر ان اخلاق کی تکمیل دوسرے درجہ پر جنت کی نعمتوں سے مستفید کرے گی۔ اور تیسرے درجے پر جا کر اس کو رؤیتِ رب العالمین کے لئے تیار کرے گی۔ اگر اسے نبوت کا مقصد ٹھہرایا جائے اور جہاں نبوت نہ ہو وہاں انبیاء کے اتباع (صدیق و حکیم) اُن کا کام کریں تو نبوت انسانیت کے لئے ایک فطری چیز بن جائے گی، اور یہی شاہ ولی اللہ کی فلاسفی کی روح ہے۔ مولانا محمد نور الحق علوی۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۱ء

[1] سفرِ حجاز۔ بعد ازاں، دوازدہ سال، شوق زیارت حرمین محترمین در سر افتاد۔ و در آخر ۱۱۴۳ھ (فقیر) بحج مشرف شد و بسال ۱۱۴۴ھ بہ مجاورت مکہ معظمہ و مدینہ منورہ مورد عنایت

وفقہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کر لیا۔ جو تجدید انقلاب کے لئے ایک ضروری امر ہے
اس کے ساتھ اُن کی قوت اشراق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت
سے استفادہ کا موقع بہم پہنچایا۔ فیوض الحرمین میں انہوں نے وہ فلسفی سیاسی
اجتماعی فوائد جمع کر دیئے ہیں جو اس طرح حاصل کئے۔

(بقیہ صفحہ ۲۳) از شیخ ابوطاہر قدس سرہٗ۔ وغیرہ از مشائخ حرمین محترمین موفق گشت۔ ودراں
میان بروضۂ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ شدہ فیض ہا یافت وبا متوطنان حرمین۔ از
علماء وغیر ایشاں صحبت ہائے رنگین افتاد۔ وخرقۂ جامعۂ شیخ ابوطاہر کہ حاوی جمیع خرق صوفیہ
تواں گفت۔ پوشید۔ وآخر ایں سال حج گذاردہ سال ۱۱۴۴ھ متوجہ وطن مالوف شد۔ وروز
جمعہ چہاردہم رجب درکنف صحت وسلامت بہ وطن رسید۔ واما بنعمۃ ربک فحدث جزء لطیف

اجتہاد [۵] مقدمہ مصفی میں ہے "اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است۔ ومراد از اجتہاد
درایں جا نہ اجتہاد مستقل است مثل اجتہاد شافعی۔ کہ در معرفت تعدیل
وجرح رجال، ومعرفت لغت ومثل آں محتاج بہ شخصی دیگر نبود۔ وہم چنیں در در آمد مجتہدانہ
مسبوق بارشاد کسے نہ۔ بل معرفت احکام شرعیہ از ادلہ تفصیلیہ وتفریع وترتیب مجتہدانہ اگرچہ
بارشاد صاحب مذہبے بودہ باشد۔ وآنکہ گفتیم کہ اجتہاد در ہر عصر فرض است بجہت آں
است کہ مسائل کثیر الوقوع غیر محصور اند۔ ومعرفت احکام الٰہی دراں ہا واجب، وآنچہ
مسطور ومدون شدہ است غیر کافی۔ ودراں ہا اختلاف بسیار۔ کہ بدون رجوع بادلہ حل
اختلاف آں نتواں کرد۔ وطرق آں تا مجتہدین غالباً منقطع۔ پس بہ غیر عرض بر قواعد اجتہاد
راست نیاید" صہ۱۲ طبع قدیم۔

حضرت مولانا نے ۵ ہر اکتوبر ۱۹۴۱ء کو مجھ سے فرمایا، جب تک کوئی انسان اپنے
فکر مستقل اعتماد نہ رکھتا ہو وہ کوئی انقلاب پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ استقرار فکر کے

تین درجے ہیں (اول) شرعیات میں خلافت راشدہ کو امام بنانا ضروری ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو اس سے بھی مستثنیٰ بنالے اور قرآن عظیم کو اپنے مستقل فکر سے حل کرنا چاہے اُسے ہم مجتہدین میں شمار نہیں کرتے وہ در اصل اپنی موروثی ذہنیت کو قرآن کا لباس پہنا دیتا ہے۔ خلافت راشدہ کا اتباع کرنے والا ایک حکیم اگر اپنا مستقل فکر رکھتا ہے اور اس کے فکر میں اور خلافت راشدہ میں کوئی واسطہ نہیں آتا۔ اور وہ خلافت راشدہ کے دستور العمل کو پڑھ کر اپنے فکر سے تطبیق دے لیتا ہے تو یہ ہے مجتہد مطلق مستقل، اس کی مثال ائمہ ثلثہ ہیں۔ کیونکہ امام احمد کو ہم امام شافعی کے اتباع میں شمار کرتے ہیں۔ اگر امام شافعی کے مذہب کے ساتھ امام احمد کا مذہب ملا کر مدون کیا جائے تو یہ ایک بڑی چیز ثابت ہوگا۔ جیسے صاحبین کا مذہب امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ملکر بہت بڑی چیز بن گیا ہے جس نے چار دانگ عالم کو مسخر کر رکھا ہے۔ قلت قال الشیخ فی کتاب التمہید ونحن نحسب ان مذہب الامام احمد تتمۃ المذہب الشافعی۔ قال الامام ولی اللہ فی کتب "الانصاف" ومنزلۃ مذہب احمد من مذہب الشافعی بمنزلۃ مذہب ابی یوسف ومحمد من مذہب ابی حنیفۃ الا ان مذہبہ لم یجمع فی التدوین مع مذہب الشافعی کما دون مذہبہما مع مذہب ابی حنیفۃ فلذلک لم یعد مذہبًا واحدًا فیما ارٰی۔ ولیس تدوینہ مع مذہبہ عسیرًا علی من تلقاہا علی وجہہما فنحن نرجو من الفقہاء الحنابلۃ ان یکونوا متبحرین فی مذہب الامام الشافعی وکذلک نرجوا من الشوافع ان یتبحروا فی الفقہ الحنبلی۔ فان اصطلح الحنیفۃ والمالکیۃ علی مثل ذالک یکن خیرًا للمسلمین مدلول[؟]

(دوم) دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک مجتہد مستقل کو استاد مان کر یہ فن اُس سے سیکھ لیا جائے مگر استاد کی طرح اس عالم کا اعتماد بھی براہِ راست خلافت راشدہ پر ہو جیسے صاحبین ایسے ائمہ کو مجتہد منتسب کہا جاتا ہے یہ دوسرا درجہ ہے اجتہاد کا اور انقلاب کے لئے کم از کم

۵ - اب ان کی انقلابی قوت علمی اپنے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی جو کچھ انہیں مستقبل میں پیش آنے والا ہے اُسے اُنہوں نے خواب میں دیکھ لیا چنانچہ انہوں نے شب جمعہ ۲۱ر ذیقعدہ ۱۱۴۴ھ ہجری ۱۷۳۱ء کو مکہ معظمہ میں ایک الہامی خواب دیکھا۔ اس کا حاصل ہم اپنی زبان میں تحریر کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۵) اس درجہ کا مجتہد ہونا از بس ضروری ہے۔

(دسوئم ۳) اسکے بعد ایک تیسرا درجہ تجویز کیا گیا ہے جسے مجتہد فی المذھب کہتے ہیں۔ اس کا تعلق خلافت راشدہ سے نہیں ہوتا۔ مجتہد مستقل اور اسکے اتباع میں جتنے مجتہد منتسب پیدا ہوئے انکے اختلافات کو یہ ایک اصول کے اندر حل کر دیتا ہے۔ اس لئے ایک مذہب کی کتابیں پڑھانے کا یہ استاذ کامل ہوتا ہے۔ نیز یہ شخص داخلی انتظام کے لئے (قاضی بمفتی بننے کے لئے) بہت کار آمد ہے۔ یہی نظام داخلی کو مستحکم بنا دیتا ہے جیسے حنفیہ میں شمس الائمہ سرخسی وغیرہ ائمہ حنفی فقہ میں جس قدر مجتہد گزرے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خراسان کے ایک ایک گاؤں میں دس دس مجتہد فی المذہب گذرے ہیں۔ مذہب حنفی کے بقا اور استحکام کی یہی وجہ ہے سلطنتیں مٹ گئیں۔ مگر عوام میں مذہب حنفی موجود و محفوظ ہے۔ اور اس کی مخالفت ترک اسلام کے مترادف سمجھی جاتی ہے ۱۲ محمد نور الحق شب ۲۷

شاہ صاحبؒ کا الہامی خواب

اصل خواب "فیوض الحرمین" ص۹۰ میں مذکور ہے حضرت مولانا حاکم فیضہم کتاب التمہید (حصہ اردو) ص۲ میں فرماتے ہیں "استبدادی حکومتوں کا خاصہ ہے کہ حکمران کے ماسوا کوئی شخص سیاسیات پر رائے زنی نہیں کر سکتا۔ اس لئے حکماء اسلام کا ایک طبقہ جو شعر و شاعری کا مذاق رکھتا ہے اپنی منظوم تصانیف میں قصص و حکایات، یا مدائح و نصائح کی صورت میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہے۔ اور جنہیں اس طرح اظہار خیالات کا موقعہ نہیں ملتا۔ ان کے افکار صادقہ کا سلسلہ واقعات مستقبلہ کی صورت اختیار کرکے خواب میں نظر آتا ہے۔ ان کے معتقد اس بشارت کو سنتے ہیں! اور اس کی تعبیر میں غور کرتے ہیں! اور حقیقت واقعہ عریاں ہوکر نظر آنے لگتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶) شاہ صاحب نے اپنا انقلابی نظریہ حجاز میں مکمل کر لیا تھا۔ جسے آپ نے فیوض الحرمین میں ایک خواب کی شکل میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں شب جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ کو میں نے مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ خدا تعالٰی نے مجھے اس زمانے کا نظام قائم کر رکھنے میں ایک واسطہ بنایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کفار کا سردار مسلمانوں کے شہروں پر غالب آگیا ہے۔ اس نے ان کے اموال لوٹ لئے۔ اور انہیں قید کر لیا۔ اور اجمیر جیسے شہر میں کفر کے خصوصی احکام جاری کر دئے۔ اور اسلامی قانون کے خاص کام ممنوع قرار دئے۔ اللہ تعالٰی کی ناراضگی سے متاثر ہو کر میں غضب سے بھر گیا۔ اور میرے غضب کا اثر اس ہجوم میں بھی پھیل گیا جو میرے گرد جمع ہو رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اس وقت خدا تعالٰی کی رضا کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ میں نے جواباً کہا فَکُّ کُلِّ نِظَامٍ (تمام بوسیدہ نظاموں کو توڑ دو) اس کے بعد وہ ہجوم آپس میں جنگ شروع کر دیتا ہے۔ پھر میں ایک شہر کے قریب پہنچا تا کہ اس کو برباد کر دوں۔ ادھر وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے چلے آئے! وہ تمام شہروں کو برباد کرتے ہوئے اجمیر پہنچ گئے۔ یہاں میں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے کفار کے سردار کو ذبح کر ڈالا۔ اور اس کی رگ ہائی گردن سے خون بڑے زور سے بہ رہا ہے۔

اس خواب کی تعبیر میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مرہٹوں کی بڑھی ہوئی قوت کی شکست کا اشارہ ہے۔ اور شاہ ولی اللہ ایک طرح پر اس کے سر انجام دینے کا واسطہ ہیں۔ اجمیر کا ذکر اس لئے آتا ہے کہ دہلی کا روحانی مرکز اجمیر تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ اجمیر میں تشریف لائے! اور یہیں سے اشاعت اسلام کا کام شروع کیا جس کے نتیجے میں دہلی فتح ہوئی۔

اس خواب کے دو سال بعد ۱۱۴۶ھ میں باجی راؤ شمالی ہند پر حملہ آور ہوا۔ ادھر ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ کی یلغار سے تمام سابقہ انتظامات کمزور ہونا شروع ہو گئے۔ نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اس سلسلہ کو جاری رکھا جس میں مسلمانوں کی خانہ جنگی اور ان کے نظام سلطنت کی بوسیدگی ظاہر کرنے کے ماسوا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ مگر اسی احمد شاہ نے ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۷۴ھ میں پانی پت پر مرہٹوں کا خاتمہ کر دیا۔

ہندوستان کے جن مسلمان امیروں نے احمد شاہ کو اس حملے کی دعوت دی تھی۔ ان میں نواب نجیب اللہ پیش پیش تھے۔ یہ تاریخی حقیقت معلوم ہے۔ کہ نواب نجیب اللہ شاہ ولی اللہ کے خاص

الف انہیں یقین دلایا گیا۔ کہ وہ ان مفاسد کے علاج میں ایک مستقل ذمہ دار حیثیت کے مالک ہیں یعنی ان کا انقلابی کمال اپنی مستقل حکومت[1] کا مقتضی ہے۔

ب۔ انہیں بتایا گیا۔ کہ پہلا نظام توڑ کر اس کے عوض وہ نیا نظام قائم کرنے کا ذریعہ بنیں گے یعنی وہ ہندوستانی مسلمان کے تمام دینی علوم اور سیاسی و اجتماعی تحریکات میں مستقل امام ہوں گے۔

(بقیہ صفحہ ۲۷) مسترشدین میں سے تھے۔ اُسے ہماری تعبیر قبول کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ (قلت وسیجیئ بعض ما یتعلق بذالک۔ نور)

اس واقعہ کے قاعدے "فَكُّ كُلِّ نِظَامٍ" کو شاہ ولی اللہ نے اپنے انقلابی نظریہ کا عنوان قرار دیا اور تفسیر و حدیث و فقہ و تصوف کی تمام کتابوں میں جو بچاس[2] کے قریب ہیں۔ مناسب مواقع پر اجتماع کے فساد کی تفصیل، اور انقلاب کی ضرورت پر کافی بسط سے بحث کی ہے۔ محمد نور الحق علوی

[1] مستقل حکومت الخ مجتہد جس طرح کبھی منتسب ہوتا ہے اسی طرح بعض حکومتیں بھی پہلے خاندان حکومت کے تابع ہو کر منتسب کا درجہ پیدا کر لیتی ہیں اس کے بالمقابل مجتہد مستقل کی طرح اصل انسانیت پر غور کر کے نئے اصول و ضوابط پر ایک حکومت پیدا ہوتی ہے اسی کو حقیقی مستقل حکومت کہنا چاہئے۔ شاہ صاحب کے علوم کا تقاضا ہے کہ ایسی حکومت پیدا کی جائے جس کو خلافت راشدہ کے سوا کسی اور سے انتساب نہ ہو۔

[2] اگر شاہ صاحب کے اصول کو چھوڑ کر کوئی شخص اسلام کی علمی طاقت کو محفوظ رکھنا چاہے تو کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ نیز اگر ان کے سیاسی اصول ترک کر کے حکومت بنانا چاہے گا تو یقیناً ناکام رہے گا تفہیمات الٰہیہ ص۱۵۲ میں ہے کہ مجھے تقرب الی اللہ کا ایک نیا طریقہ عطا کیا گیا ہے۔ جس سے تمام پرانے طریقے منسوخ ہوگئے ہیں۔ لوگوں کو پرانے طریقوں سے محبت ہے جس سے ان کو ایک قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے مگر تقرب الی اللہ ان طریقوں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

(بقیہ صفحہ ۲۸ تنبیہ) یہاں پر اس قدر تنبیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ امام ولی اللہ اپنے طریقے میں خدا یاد کرنے کے اشغال اور حکومت بنانے کے قوانین ہر دو چیزوں کو ایک مرتبہ پر جمع کر دیتے ہیں۔ انہوں نے حکومت کا نام خلافت ظاہرہ رکھا ہے۔ اور حکومت پیدا کرنے والی جماعت کا نام خلافت باطنہ تجویز کیا ہے۔ آج کی اصطلاح میں اگر اس کا ترجمہ کیا جائے۔ تو پہلے درجے کو گورنمنٹ کہا جائے گا۔ اور دوسرے درجے کو وہ پولیٹیکل پارٹی جو اس گورنمنٹ کو پیدا کرتی ہے۔ قلت راجع فیوض الحرمین ص۔ نور الحق۔

یہ دونوں چیزیں سیاست میں آگے پیچھے نہیں کی جا سکتیں، بلکہ مساوی عزت کی مستحق ہیں شاہ صاحب ان کے لئے سیاست کا وہ خصوصی لفظ جو اسلام میں مستعمل تھا۔ یعنی خلافت۔ اس کو دو حصے بنا کر دونوں جماعتوں کو ایک نقطے پر جمع کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی پولیٹیکل پارٹی کے لئے ذکر و فکر ضروری ہے۔ ورنہ وہ دینی حکومت کبھی پیدا نہیں کر سکے گی۔

اب وہ جس وقت "اپنا طریقہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تو اس میں ان کی ساری تحریک علمی ہو یا اخلاقی وجدانی یا سیاسی سب کے سب یکساں داخل ہیں۔

اس تنبیہ کے بعد ہمارا یہ کہنا صحیح ہوگا۔ کہ شاہ صاحب کے خلاف کوئی طریقہ ذکر و فکر کا مقرب الی اللہ نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح شاہ صاحب کے اصول چھوڑ کر کوئی سیاسی تحریک حکومت ہو یا حکومت پیدا کرنے والی جماعت، وہ دینی حکومت پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوگی۔ شاہ صاحب کے مذکورہ ذیل جملوں کا مطلب ہم یہی سمجھتے ہیں۔ کہ طریقت و اشغال۔ اور مذہب و سیاست۔ سب چیزیں ان ہی کے اتباع میں تقرب الی اللہ کا باعث بن سکتی ہیں۔ فلن تری مذهبا بعد مذهبه۔ ولا طریقا فی السلوک بعد طریقته یشتمل علی روح الجذب به۔ نعم تری اهل الطرق والمذاهب یتمسکون برسوم المذاهب والطرق ویشتغلون بالاشغال المفیدة لنوع من السلوک۔ واما الجذب فمفقود فتلک القیامة التی وعدت لهذا الوصی وحذت من کماله قبل ان یوجد فی الناسوت ص۔

الغرض یہ تصریحات بظاہر طریقت کے لئے لکھی گئیں۔ مگر ہماری سمجھ یہ ہے کہ سیاسی اصول میں

ج۔ انہیں سمجھایا گیا۔ کہ ان کی اصلاحات نافذ ہونے کے لئے باہمی لڑائیوں کا طویل سلسلہ پیش آنے والا اس طرح سارے خواب کا حاصل یہ نکلا۔ کہ حکیم الہند مکمل اجتماعی انقلاب کے شروع کرنے والے ہیں۔

اس عزم کے ساتھ وہ دہلی واپس آئے۔ اور سب سے پہلے انہوں نے اپنا ترجمہ قرآن (فتح الرحمان) مکمل کیا جس میں اپنا پروگرام اجمالاً مندرج کر دیا۔ اور ۱۱۵۶ھ ۱۷۴۳ء سے اس کی تدریس شروع کر دی۔

(بقیہ صفحہ ۲۸) بھی وہ دنیا بھر کے امام ہیں۔ ہندوستان تو رہا بجائے خود۔ یورپ میں بھی ان کے اصول سے ہٹ کر کوئی حکومت نہیں رہ سکتی۔ ہم اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھوا سکتے ہیں۔ مگر ہماری ملک کی فضا اس کے موافق نہیں ہے۔

شاہ صاحب کا اجمالی پروگرام

فتح الرحمان کے حواشی میں آپ نے تمام وہ چیزیں درج کر دی ہیں جو ان کی تجدید کے لئے بمنزلہ اساس ہیں۔ سب سے پہلا امر یہ ہے کہ حکومت مکہ میں پیدا ہوئی۔ اور اس کا نظام لڑائی کے بغیر مستقل تھا۔ وہ عدم تشدد کی پابندی سے حکومت پیدا کرنے کا مستقل نظام تھا۔ یہ سورۂ رعد کے آخری فائدہ میں انہوں نے درج کر دیا ہے۔

قلت قال تعالیٰ اولم یروا انا ناتی الارض ننقصها من اطرافها واللّٰہ یحکم لا معقب لحکمه۔ وھو سریع الحساب تیعنے روز بروز شوکت اسلام بزمین عرب منتشر مے شود۔ و دار الحرب ناقص مے گردد از اطراف آں۔ عامہ مفسرین این آیت را مدنیہ دانند۔ و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد۔ و مراد از نقصان دار الحرب اسلام۔ اسلم و غفار و جہینہ و مزینہ و قبائل یمن است بیش از ہجرت۔ حاشیہ فتح الرحمان۔ غرض مکہ میں عدم تشدد کے اصول پر ایک حکومت بن چکی تھی۔ نور الحق۔

شاہ صاحب نے اپنے تصوف کے طریقہ کی بیعت کو اسی نظام مکی کی نقل بنایا۔ یہ امر ان کی

(بقیہ صفحہ ۲۹) سیاست میں تصوف کو دینی بلند درجہ دینے کا حقیقی سبب ہے۔ جو شخص حکومت کے سارے مناصب چلانے کے لئے افراد کی تربیت عدم تشدد کی پابندی میں پہلے مکمل نہیں کر لیتا۔ وہ لڑ کر کوئی نیا نظام حکومت پیدا نہیں کر سکتا۔ لڑ کر پچھلی حکومت کو توڑ سکتا ہے۔ مگر اس کی جگہ نیا نظام قائم کرنے کے لئے اس کو آدمی میسر نہیں ہوں گے۔ تفہیمات ص ۱۲۰ و ۱۲۱ ج ۲ میں ایک اشارہ ہے۔ کہ آپ کو اس الہام کے مکمل کرنے کے لئے انبیاء کی طرح صبر سے کام کرنا چاہئے۔ جس میں ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ امام مہدی کی طرز کے آدمی ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ وہ اپنی جماعت پہلے تیار کریں۔ چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز نے نظام حکومت چلانے کے لئے پورے آدمی تیار کر دیئے۔

یہاں ایک خدشہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر وہ شکست کیوں کھا گئے؟ ہم اپنی پرانی ذہنیت میں اس شبہے سے بہت متاثر رہے۔ پھر رو کر کسی کو دو چار جلی کٹی سنا کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ مگر اثنائے سیاحت میں جب ہمیں یورپ کی انقلابی تحریکوں کے مطالعے کا موقعہ ملا۔ تو یہ اصول سمجھ میں آیا۔ کہ ایک اعلیٰ انقلاب کے لئے متعدد بار شکست کھانا ضروری ہے۔ اسی لئے اسلام کی ابتدائی تاریخ میں باہمی خانہ جنگیاں پیدا ہوتی رہیں۔ یہ چیز اصل میں انقلابی تحریک کے لوازم میں سے ہے۔ اسکے بعد ہم مطمئن ہو گئے۔ کہ اگر شاہ صاحب کی تحریک ایک بار شکست کھا گئی۔ تو یہ حقیقت میں تحریک کی شکست نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم نے اپنے دیوبندی اساتذہ کے کام کو نئے شاہ صاحب کی تحریک کا دوسرا دور قرار دیا (کما سیجئی تفصیلہ فی اصل المقالہ۔ نور) اس دوسرے دور کو ہم مولانا شیخ الہند کی وفات پر ختم کرتے ہیں۔ اس دور میں بھی وہ تحریک دوبارہ شکست کھا چکی ہے۔ مگر وہ اپنے نتیجہ میں تیسرے دور کے لئے مبادی تیار کر گئی ہے۔ اور میں اسی امید پر زندہ ہوں مجھے اس تحریک کی آخری کامیابی میں کسی قسم کا شبہ و تردد دامنگیر نہیں ہے۔

سوشلسٹ انقلابی تحریک سب سے پہلے فرانسیسی انقلاب کے موقع پر شروع ہوئی۔ اور ٹوٹ گئی۔ پھر دوسری بار منظم ہوئی۔ اور شکست کھا گئی۔ بعد ازاں روس میں لینن نے اس کو

[تی]سری بار منظم کیا۔ اور اس کا نام اسی مناسبت سے تھرڈ انٹرنیشنل تجویز ہوا۔ اصل کارل مارکس کے [نظا]م میں اور لینن کے موجودہ نظام نامہ میں بہت کچھ تبدیلی آچکی ہے۔ مگر یہی تحریک اپنے تیسرے دور [می]ں کامیاب ہو کر رہی۔ اور زمین کے ایک بڑے قطعے پر اپنی حکومت قائم کر سکی۔

اسی طرح میں تیسری اجتماعی تحریک شاہ صاحب کے اصول کے لئے تجویز کرنا چاہتا ہوں (الف) جس میں مصطفےٰ کمال کا قومی انقلاب ایک جزو ہوگا۔ (ب) شاہ ولی اللہ کا عقلی و اقتصادی فلسفہ اس پر حکومت کرے گا (ج) اور عدم تشدد کی پابندی سے انڈین نیشنل کانگریس کے اندر رہ کر حکومت بنانے کے لئے لائق آدمی تیار کرنا ضروری ہوں گے۔ میں ان چیزوں کی ذمہ واری لے کر ایک نئی پارٹی مولانا شیخ الہند ؒ کی یادگار میں قائم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہر سہ اصول حضرت شیخ الہند کے تلقین کردہ ہیں۔

۱۔ شاہ ولی اللہ کے فلسفے کو وہ درجۂ تکمیل میں داخل کر چکے ہیں۔

۲۔ ان کے زمانے میں ترکی کی نقل علی گڑھ کالج میں موجود تھی۔ مولانا شیخ الہند کالج کی تحریک اپنے اندر ہضم کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ان کے آگے کام کرنے والوں میں اگر ایک طرف مولانا کفایت اللہ اور مولانا شبیر احمد تھے۔ تو دوسری طرف ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی بھی تھے۔ علی گڑھ کالج اگر ایک قدم آگے بڑھائے گا۔ تو مصطفےٰ کمال کی نقل کرے گا۔ ہم اس ترقی یافتہ علی گڑھ کو اپنے اندر لینا چاہتے ہیں۔ دیوبندی جماعت کا جو آدمی حوصلہ نہیں رکھتا اس کو سیاسیات سے کنارہ کش ہو جانا چاہیئے اس کو کوئی حق نہیں کہ اپنے کسی کام کو مولانا شیخ الہند کی طرف منسوب کرے ؎

وتلك شرائعٌ للشعر قد مًا   وقد نسخت بشیخ الهند حالاً

۳۔ ملکی زندگی کے لئے شاہ صاحب نے جو سیاسی اصول مقرر کیا ہے۔ اس کی اتباع اور تیاری کے لئے انڈین نیشنل کانگریس میں وسیع میدان ملتا ہے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر ہم کانگریس میں نئی پارٹی بنانا چاہتے ہیں۔

ہماری قوم پرانے اصولِ حکومت بھول چکی ہے۔ اب یورپین طریقے کے نظام حکومت پر

(بقیہ صفحہ ۴۲) کامیاب ہو سکے گی۔ افغانستان۔ ٹرکی۔ عربی ممالک سب کے سب یورپین طریقے پر اپنی حکومتوں کی تجدید کر رہے ہیں۔ اب ہم شاہ جہاں کی حکومت کا اعادہ نہیں کر سکتے۔ روح وہی رہے گی مگر صورت یورپین ہو گی۔ ہمیں ڈومینین سٹیٹس قبول کرنا ہے۔ اس تیاری کے لئے ہمیں یورپ کی ایک بڑی حکومت کا تعاون حاصل کرنا ہو گا۔ ہم بہت سی مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر برٹش کامن ویلتھ میں رہنا منظور کرتے ہیں:۔

مگر کانگریس کے عام طرفداران ان چیزوں کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ یورپ میں جس طرح انقلاب ہوا۔ اسی قسم کے انقلاب کی وہ یہاں توقعات باندھے بیٹھے ہیں۔ لیکن ہمارا ملک یورپ سے بہت سی بنیادی امور میں مختلف ہے۔ اُن کے یہاں (۱) تعلیم عمومی نے اور (۲) پریس کی ترقی نے۔ اور (۳) فوجی خدمت کے لزوم نے انقلاب کے لئے میدان تیار کر دیا۔ ہمارے عوام علم سے بے بہرہ، اور فوجی کرتب سے ہزاروں کوس دور ہیں۔ لہذا وہ یورپ کے طریقے پر انقلاب کو کبھی سنبھال نہیں سکتے۔

اس کا دو بار تجربہ ہو چکا ہے۔ پہلے روس میں ہوا۔ روس کی عمومی تعلیم اچھی نہیں تھی۔ تاہم خیال کر لیا گیا۔ کہ ہم اس انقلاب کو کامیاب بنا کر دکھا دیں گے۔ مگر وہ اس میں سو فیصدی فیل ہوئے شکست کے بعد انہوں نے عوام کی تعلیم کو اساس قرار دے کر جبر اور ڈکٹیٹرشپ سے کام لے کر ایک حصۂ ملک کو تیار کیا۔ اور اس کے مناسب انقلابی نظام بھی تبدیل کر دیا۔ تب کہیں جا کر وہ حکومت بنا سکے جو لوگ کارل مارکس کے متبع ہیں وہ لینن کے کام کو کبھی تعریف کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس میں انہوں نے بہت سی تبدیلیاں منظور کر لی ہیں۔ جو اس ملک کے لئے ضروری ہیں۔ روس کے انقلاب کو ہندوستان میں بیٹھ کر پڑھنے والے ایسے امور سے کبھی واقف نہیں ہو سکتے:۔

دوسری بار انقلاب ٹرکی میں ہوا۔ روسی عوام میں فی الجملہ ابتدائی تعلیم تھی۔ ٹرکی اس سے بالکل بے بہرہ تھا۔ مصطفے کمال مجبور ہوا۔ کہ عربی زبان اور عربی رسم الخط کو قطعی طور پر ترک کر کے اپنے ساتھیوں کو مادری زبان رومن حروف میں سکھائے۔ اپنی ڈکٹیٹرشپ کے زور سے

وہ بہت جلد ایک پارٹی بنانے میں کامیاب ہوگیا۔

ہمارا ملک روس اور ترکی ہر دو سے پیچھے ہے۔ ہمارے ہاں ایک مختصر متوسط طبقہ پیدا ہوا جو یورپ کے تمام علوم جانتا ہے۔ وہی کانگریس کو چلا رہا ہے اور وہی انقلاب کی توقعات باندھے ہوئے ہے مگر انقلاب عوام کی مشارکت کے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ اور یہ لوگ ہندوستانی عوام کے نزدیک جانا بھی پسند نہیں کرتے۔

گاندھی جی ان تمام چیزوں کو سمجھتے ہیں۔ مگر گجرات سے باہر ہندوستان کے کسی ٹکڑے میں اپنی طرز کی حکومت نہیں بنا سکتے۔ گاندھی جی ادنیٰ طبقہ کی خدمت اور تربیت کے لئے متوسط طبقے کو (جوان کو لیڈر مانتا ہے) متوجہ کر سکتے ہیں۔ ہم اس کی پوری قدر کرتے ہیں۔ مگر یہ انقلاب کے مبادی میں معمولی درجے کی چیز ہے۔ انسانیت کے مفادِ عامہ کے لئے انقلاب میں اپنے مقصد کے لئے..... ..... اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرنا انقلاب کی اصل اساس ہے۔ یہ چیز گاندھی جی کی شخصیت میں علیٰ وجہ الکمال موجود ہے۔ لیکن ان کے معتقدوں میں شاید فی صدی ایک میں ہو۔ اس لئے ہم گاندھی پارٹی کے مصنوعی شور و شغب سے متاثر نہیں ہوتے۔

ہم اپنے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق انسانیت کی اصلاح کے لئے قربانی کا جذبہ نہایت آسانی سے پیدا کر سکتے ہیں۔ قرآن عظیم کا یہ مقصد معیّن کرنے میں امام ولی اللہ ہماری نظر میں منفرد ہیں۔ اس لئے ہم ان کے سوا کسی کی تفسیر کو قبول نہیں کر سکتے۔

ہم جس طرح اپنے نوجوانوں کو قرآن عظیم کی تعلیم سے اس مقصد عالی پر لے آتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہندو تعلیم یافتہ نوجوان ہم پر اعتماد کرے۔ تو ہم اس کو ولی اللہ فلاسفی پڑھا کر بھگوت گیتا کی تعلیم سے اس مقصد پر لے آئیں گے۔ یہی طرز ہمارا بائیبل ماننے والی اقوام کے ساتھ رہے گا۔ ہم ولی اللہ فلاسفی پر ساری بائیبل پڑھا کر انسانیتِ عامہ کے مفاد پر ان کو جمع کر دیں گے۔

الغرض مولانا شیخ الہندؒ میں تین چیزیں بتا گئے ہیں اوّل یہ کہ آپ نے درجۂ تکمیل میں شاہ ولی اللہ کا فلسفہ اور مولانا محمد قاسمؒ کی حکمت داخل کرائی۔ دوّم سیاسی تحریک میں دیوبندی جماعت کیساتھ

اس زمانے میں ایسے باخبر لوگ موجود تھے جنہیں اس انقلابی تحریک کا احساس ہوا اُنھوں نے عوام میں شورش پھیلا کر فتحپوری سے نکلتے وقت حکیم الہند پر حملہ کرا دیا۔ حکیم الہندؒ نے اپنے پروگرام کی تفصیل میں بیسیوں کتابیں لکھیں۔ وہ سب دہلی کی علمی زبان یعنی عربی۔ اور شاہی زبان یعنی فارسی میں لکھی گئیں جن میں اپنے اصول اور مسائل منتشر کر دئے۔ تاکہ نااہل لوگوں کی دست بُرد سے محفوظ رہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۴) علی گڑھ پارٹی کو مساوی درجے پر شامل کرنا منظور کر لیا۔ سوئم یہ کہ انڈین نیشنل کانگریس کے اندر جا کر بیرونی ممالک اسلامیہ کی سیاسیات سے علیحدگی اختیار کرکے کام کیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

شاہ صاحبؒ پر قاتلانہ حملہ

شاہ ولی اللہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے گیارہ سَو برس کے بعد سرزمین ہندوستان میں قرآن کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا لیکن جب اس کی اشاعت ہوئی تو تہلکہ مچ گیا۔ کٹھ ملانوں نے سمجھ لیا۔ کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھا دی گئی۔ اب جہلا کبھی قابو میں نہیں آئیں گے۔ اور ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہو جایا کریں گے۔ علاوہ کفر کے فتوے دینے کے شاہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور قتل کرنے پر تل گئے۔ ان کے اشارے پر چند بدمعاش شاہ صاحب کی تاک میں رہنے لگے۔ اس سازش کا آپ کو وہم و گمان بھی نہ تھا ایک روز شاہ صاحب عصر کی نماز فتحپوری میں پڑھ رہے تھے۔ ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا۔ کہ دروازے پر شور وغل کی آوازیں آنے لگیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آوارہ گردوں کی ایک جماعت حملہ آور ہونا چاہتی ہے۔ شاہ صاحب کے ساتھ فقط چند خدام تھے۔ اور یہ جماعت بڑی تعداد میں تھی شاہ صاحب نے چاہا کہ کھاری باولی والے دروازے سے نکل جائیں۔ مگر انھوں نے اس طرف آکر گھیر لیا۔ شاہ صاحب کے پاس ایک چھڑی تھی۔ آپ نے حملہ آوروں سے دریافت کیا کہ آخر آپ لوگ میرے قتل درپے

(بقیہ صفحہ ۳۵) کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ تونے قرآن کا ترجمہ کرکے عوام کی نگاہ میں ہماری وقعت برباد کردی۔ اگر یہی حالت رہی تو ہماری آیندہ نسلوں کو کوئی ذرہ برابر وقعت نہیں دے گا۔ آپ نے نہ صرف ہمیں برباد کیا ہے۔ بلکہ ہماری اولاد کو بھی تباہ کردیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی عام نعمت کو چند افراد یا اُن کی اولاد کے لئے خاص کردیا جائے؟ کچھ دیر ردّ و بدل رہی قریب تھا کہ وہ کوئی بڑا اقدام کریں۔ کہ شاہ صاحب کے خدام نے تلواریں سونت لیں۔ اور وہ اوباش جوان ملاؤں کے ساتھ تھے۔ تلواریں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور آپ سلامت گھر پہنچ گئے (حیات ولی ص ۳۲۱)

واضح رہے کہ یہ طرز بیان مؤلف حیات ولی نے مرزا حیرت دہلوی سے لیا ہے۔ اس ادبی فسانہ طرازی کو چھوڑ کر اصل واقعے کو حقیقی طور پر معلوم کرنے کی ضرورت ہے عوام میں اور امام ولی اللہ میں کیا بات ہوئی۔ اور کس طرح تلواریں دکھا کر ان کو ڈرایا گیا۔ یہ سب سخن گسترانہ امور ہیں۔ اصل واقعہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ حکام کو یہ بات ناگوار گزری کہ عوام قرآن سے واقف ہوں (مولانا عبید اللہ سندھی، ملخص) امیر الروایات میں ہے کہ دہلی میں نجف علیخاں کا تسلط تھا۔ (اس کے حالات کے لئے سیر المتاخرین اور تاریخ ذکاء اللہ دہلوی ملاحظہ ہو) نور ہے جس نے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کردئے تھے۔ تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کرسکیں۔ اور اسی نے مرزا مظہر جانجاناں کو شہید کروادیا تھا۔ اور شاہ عبد العزیز و شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکال دیا تھا۔ بحوالہ مش۔م ص ۲۷۔

فائدہ (قرآن کریم کا فارسی ترجمہ) ہندوستان میں سب سے پہلے ملک العلماء شہاب الدین ہندی دولت آبادی (متوفی ۸۴۹ھ) مؤلف بحر مواج و بدیع المیزان وغیرہما ترجمتہ فی ابجد العلوم ص ۸۹۳۔ نور ہے نے اپنی تفسیر بحر مواج میں لکھا ہے۔ بحر مواج میں وہ ہر ایک فن کے متعلق تحقیق قرآنی علیحدہ علیحدہ عنوانوں سے لکھتے ہیں، مثلاً سب سے پہلے ایک آیت نقل کریں گے۔ اور اُسکے نیچے لکھیں گے (الترجمہ) پھر فارسی ترجمہ کردینگے۔ پھر لکھیں گے۔ (الاعراب) پھر البلاغت۔ پھر شان نزول وغیرہ۔ ساری کتاب اسی طرح مرتب کی ہے۔ تو اب اس میں ترجمہ قرآن ایک مستقل باب اور مکمل صورت اختیار کرگیا۔ اس کتاب کی پہلی جلد طبع ہوچکی ہے۔ ملک العلماء کے حاشیہ کافیہ اور ارشاد شرح اُسکے ترجمہ فارسی کو دیکھکر مولانا جامی نے ایک جدت پیدا کرکے شرح ملا جامی لکھی ہے۔ ملک العلماء کی شرح کافیہ کا نہایت خوشخط نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

اس پروگرام کی نوعیت سمجھنے کے لئے جاننا چاہئے کہ امام ولی اللہ امّتِ محمدیہ میں ایک عظیم الشان صدیق[1] اور حکیم تھے۔ اس مدرسے کے ارباب کمال، انبیاء کی طرح اپنا مخاطب تمام انسانیت کو بناتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر وُہ اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں اگر امام ولی اللہ کی کتابیں غور سے پڑھی جائیں۔ تو صاف نظر آئے گا۔ کہ اُن کی زبان اگرچہ دہلی کی زبان ہے لیکن اُن کا مخاطب دہلی کے اعلیٰ طبقے کے توسّط سے، ایک طرف یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں کی عربی وعجمی قومیں ہیں۔ تو دوسری طرف یونان، ایران، ہند کے صابی (آرین)، قومیں بھی مساوی درجے پر خطاب میں شریک ہیں:-

اذہانِ عامہ کا استبعاد دُور کرنے کے لئے مولانا محمد اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ-نور) کی کتاب العبقات (قلت راجع ص۱۵ وما قبلہ وبعدہ)۔ نموں سے چند سطریں نقل کرنا

---

[1] یعنے شاہ ولی اللہ جب قرآن شریف کی تشریح کرتے ہیں۔ تو اُس میں یونان اور ہند کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ یہ چیز ہمارے اہلِ علم پر گراں گزرتی ہے۔ وُہ شاہ صاحب کو ایک مدرسے اور ایک مسجد کا مجدد اور امام وغیرہ وغیرہ سب کچھ مانتے ہیں۔ مگر انسانیت کا ذمہ دار قرار دینا انہیں سخت ناگوار گزرتا ہے۔ ہم صلاحیت پسند بزرگوں کے استبعاد کو دُور کرسکتے ہیں۔ ضدی طبیعتوں کو خطاب کرنا نہیں چاہتے۔ قرآن شریف نے "مَنْ تَوَلّٰى وَاَدْبَرَ" کو اپنے مخاطبین کی صف سے نکال دیا ہے ہم ایک حکیم امّتِ محمدیہ کے کلام میں قرآن شریف کے اسی اصول پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ضدی طبیعتوں کو مخاطب بنانا نہیں چاہتے:-

شاہ صاحب کا مقصودِ اصلی انسانیت عامہ | استبعاد دُور کرنے میں امام ولی اللہ کا

(بقیہ صفحہ ۳۷) صریح فیصلہ نقل کر دینا کافی ہوگا۔

(الف) بدور بازغہ میں ارتفاقات کا بیان لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اذا نحن امعنا فی تصویر هذه الارتفاقات باحکامها وعلومها فلا تغفلن عن نکتتین احدٰهما انا نذکر صورة ولا نریدها بخصوصها بل ایاها وما یماثلها و یقاربها مما یصححه القواعد الکلیة التی علمناها وتختلف بحسب علوم کل قوم وعاداتهم بعد دخولها فی تلک القواعد والثانیة ان میزان الارتفاق الاول هو حاجة کل محتاج من بنی ادم من قبل طباعه ومیزان الثانی هذا الارتفاق الاول مع العلوم التجاربیة والاخلاق الصحیحه وعلی هذا القیاس (ص)

(ب) اس سے زیادہ تفصیل "بدور بازغہ" کے مقالہ ثالثہ کے شروع میں ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"هل تستطیع ان تعلم ان الارتفاقات التی بنی علیها نظام البشر والاقترابات التی اودعت فی طباع البشر ولاسیما الاحسان والتعبد والاجتناب عن الشرور کلها امور معینة تتأتی بصور کثیرة فمن هذا النکاح مثلا فمن اتی بالاعلان الداف ... اغناء فقد اتی بالواجب علیه کما ان من جعل من شرطه الشهود والایجاب و القبول لفظا فقد اتی به ایضا وذلک لان الواجب الاصلی هو تعیین المنکوحة بحیث لا یشارکه فیها احد وهذا حاصل فی الفصلین کذلک التقریب الی الله تعالیٰ یمکن بالتجرد وقلع خواص الانسانیة ویمکن بالتادب بآداب الجوارح مع بقاء اصل الانسانیة وخواصها وقس علیه جمیع ما اعطیناک من امهات المسائل فی الارتفاقات والاقترابات فانما یمکن ان یحصل فی صور شتیٰ۔

ولا تغتر بما سقنا الیک من تصویرها وتمهیدها علی الملة الحنیفیة فانها علی طریقة التمثیل لا غیر۔

فلا تظنن الواجب الاصلی محصورًا فیه بل الحق ان الواجب الاصلی لا یکاد

ضروری ہیں۔ مولینا شہید مقربین کے وہبی کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم اور صدیق کے حق میں لکھتے ہیں

"وانه لو وسّد له وسادة لقضٰی بین اهل التوراة بتوراتهم و اهل الانجیل بانجیلهم واهل القرآن بقرآنهم۔ وسرّه انه ما من فنٍّ اجتمع علیه جم غفیر من العقلاء، ولا سیّما اصحاب الاتصال بالغیب کرهابین النصاری والیهود واشراقیة الیونان واصحاب النور و الظلمة من الفرس۔ وجوگیة الهند، الّا وله مقامٌ راسخٌ فی خطیرة القدس واصل مؤسّس فیها۔

(جمع راہب ۱۲ نور)

(بقیہ صفحہ ۳۸) یذهل عنه ملة من الملل وکلّا ان ینکره احد ممن یسمی بشرًا وان عصاه انما النزاع والخلاف فی التصویر بصورة معینة والتمهید علی وضع خاص انتهٰی منه (۱۸)

ان نصوص سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ امام ولی اللہ کی تصانیف میں جس قدر قواعد کلیہ مذکور ہیں۔ وہ ان کے فلسفے کا متن ہیں۔ اور جس قدر مسائل شریعت بیان ہوئے۔ وہ ان قواعد کی مثالیں ہیں۔

ان قواعد کو ان مثالوں میں منحصر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اس طرح متدین اقوام کے عقل مند افراد ایک بین الاقوامی تحریک پر مجتمع ہوسکتے ہیں۔ قرآن عظیم کا خصوصی قانون فقط اس بین الاقوامی سپرٹ کو صحیح اصول پر محفوظ کرے گا۔ واللہ الموفق۔

کتبہ عبید اللہ السندھی ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۱ء ہندی

ثم اختلط به الفساد من اهل الافکار الردیة وشوب المزخرفات المخزونات من التقلیدات والرسوم والخطاء فی التعبیر وعدم المطابقة بین العاقلة وبین المتلقی[1] من الغیب وحمل الخلف کلام سلفهم علی ما لم یریدوا واشباه ذٰلک. فالحکیم یدرک اصلهم المؤسس فی حظیرة القدس ممتازاً عن التخالیط لتیقظ روحه. فتنبه ولا تکن من الغافلین "۳ (المعیقات)

اپنی قوم کی تخصیص محض اس لئے ہے کہ اُن کے تعلیم یافتہ حصّے کو دنیا کے سامنے عملی نمونہ بنا سکیں۔ اگر زیادہ غور سے اُن کی کتابیں پڑھی جائیں۔ تو یہ محسوس ہو گا کہ وُہ اپنی قوم کے ہر فرد کو انسانیتِ عامّہ کی تعلیم کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اُن کے زمانے کی دہلی ایک ایسا مرکز تھی جس میں اقوامِ عالم کے سب نمونے ملتے ہیں[2] دہلی میں یہ استعداد ہے کہ اُسکے توسّط سے یہ تعلیم سارے ہند، اور پھر ساری دُنیا میں پھیل سکے۔

---

[1] اشارة الی ما مرّ من قول عمر فیضهم۔ "اگرچہ وُہ بظاہر اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں" (نور الحق)۔

[2] **دہلی کی مرکزیّت** | دہلی کی اس مرکزیّت کا سنگ بنیاد اس وقت سے بہت پہلے سلطان شمس الدین التمش (خلیفہ خواجہ بختیار، المتوفی ۶۳۳ھ) کے عہد سے رکھ دیا گیا تھا۔ خواجہ ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی ص۲ میں اور قاضی منہاج الدین طبقات

(بقیہ ص۴۰) ناصری ص۱۶۶ میں فرماتے ہیں۔ "از عہد شمس الدین سلطان از خوف قتل و نکال چنگیز خان ملوک و امرائے نامدار کہ سالہا سال سری و سرداری کردہ بودند۔ و وزراء و معارف بسیار بدرگاہ شمس الدین پیوستند۔ از وجود آنچناں ملوک و وزراء و معارف کہ در ربع مسکوں نظیر خود نداشتند بارگاہ شمس الدین درگاہ محمودی و سنجری شدہ بود۔ از اول عہد دولت او اجتماع علمائے با نام و سادات کرام و ملوک و امراء و صدور و کبراء زیادت از ہزار لک ہر سال بذل فرمود۔ و خلائق اطراف گیتی بدہلی جمع آورد۔ تا آنکہ شہر دہلی از فضل و کرم او محط رجال آفاق گردید"

۲۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن متوفی ۶۸۶ھ جسکے عہد میں خیر الاعصار کہا جاتا ہے کہ عہد میں ماوراء النہر خراسان، عراق، آذربائیجان فارس، روم و شام کے ملوک و شہزادے چنگیزیوں کی دست برد و ترکتاز سے بھاگ کر بلبن کے زیر سایہ دہلی میں باعزت زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ ان نو واردوں کے اسماء کی مناسبت سے دہلی میں پندرہ محلے آباد ہوئے جن کے اسماء کی تفصیل تاریخ فرشتہ ص۵۰ میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ اکناف عالم میں سے ہر فن اور ہر علم کی بے نظیر اور یگانہ دہر ہستیاں بلبنی بارگاہ میں مجتمع ہوگئیں جن کی وجہ سے دانشمندوں نے بارگاہ بلبنی کو بارگاہ محمود اور سنجری پر ترجیح دی ہے۔

۳۔ سلطان علاء الدین خلجی اسکندر ہند (متوفی ۷۱۶ھ) کے عہد کا نقشہ امیر خسرو (متوفی ۷۲۵ھ) نے ان کبھی نہ بھولنے والے الفاظ میں کھینچا ہے۔

خوشا ہندوستان و رونق دیں	شریعت را کمال عزّ و تمکیں
ز علم با عمل دہلی بخارا	ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
مسلماناں بنعمانی روش خاص	ز دل ہر چار آئیں را بہ اخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر بازید	جماعت را و سنت را بجاں صید

قال الامام عبد العزیز بن ولی اللہ الدہلوی

يَا مَنْ يُسَائِلُ عَنْ دِهْلِيْ وَرِفْعَتِهَا ۔ عَلَى الْبِلَادِ وَمَا حَاذَتْهُ مِنْ شَرَفِ

حکیم الہند اپنی دعوت سے دہلی کے اعلیٰ طبقے کو کامیابی سے متاثر کر سکے۔ اس کے لئے دو تاریخی شہادتیں کافی ہیں۔

(الف) مرزا محمد مظہر جانجاناں فرماتے ہیں "حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ طریقۂ جدیدہ بیان نمودہ اند۔ در تحقیق اسرار معارف و غوامض علوم طرز خاص دارند با ایں ہمہ علوم و کمالات، از علماء ربانی اند مثل ایشاں در محققان صوفیہ کہ جامع اند در علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گذشتہ باشند۔" (دراجع کلمات طیبات صـ۸۳ و صـ۸۴ نور الحق)

(ب) دوسری شہادت سلطان محمد شاہ کے دربار کا فیصلہ ہے۔ وہ امام ولی اللہ کے

(بقیہ صفحہ ۴۱)

إِنَّ الْبِلَادَ إِمَاءٌ وَهِيَ سَيِّدَةٌ ... وَأَنَّهَا دُرَّةٌ وَالْكُلُّ كَالصَّدَفِ

فَاقَتْ بِلَادَ الْوَرٰى عِزًّا وَمَرْتَبَةً ... غَيْرَ الْحِجَازِ وَغَيْرَ الْقُدْسِ وَالنَّجَفِ

سُكَّانُهَا خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ قَاطِبَةً ... خَلْقًا وَخُلْقًا بِلَا عُجْبٍ وَلَا صَلَفِ

بِهَا مَدَارِسُ لَوْ طَافَ الْبَصِيْرُ بِهَا ... لَمْ تَفْتَحِ عَيْنُهُ إِلَّا عَلَى الصُّحُفِ

كَمْ مَسْجِدٍ زُخْرِفَتْ فِيهَا مَنَارَتُهُ ... لَوْ قَابَلَتْهُ الشَّمْسُ الضُّحٰى تَنْكَسِفُ

لَا غَرْوَ إِنْ زَانَتِ الدُّنْيَا بِزِيْنَتِهَا ... كَمْ مِنْ أَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذِيْ شَرَفٍ

وَمَاءُ جَوْنٍ جَرٰى مِنْ تَحْتِهَا فَحَكٰى ... أَنْهَارَ خُلْدٍ جَرَتْ فِي أَسْفَلِ الْغُرَفِ

كتاب التمهيد، نقلا من آثار الصناديد للشيخ السيد احمد خان (محمد نور الحق)

مدرسے کو پرانی دہلی کے ایک چھوٹے سے احاطے میں دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ جہاں آباد کا ایک پورا محلہ اس کے لئے خاص کر دیتے ہیں۔ یہی مدرسہ مذکورہ بالا تحریک کا مرکز تھا۔ امام ولی اللہ اور اُن کے بعد امام عبدالعزیز (متوفی سنہ ۱۲۳۹ھ نور) اور آپ کے بعد امام محمد اسحاق (متوفی سنہ ۱۲۶۲ھ نور) نے اسی مدرسے میں بیٹھ کر اُس تحریک کی رہنمائی کی۔ جو سلطنت دہلی کی تجدید کے لئے کام کرتی تھی

اس کے نمونے پر دوسرے دور میں مدرسہ دیوبند بنایا گیا۔

مدرسہ رحیمیہ | شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں جس کی بنیاد شاہ عبدالرحیم ڈال گئے تھے طلبہ کو درس دینا شروع کیا۔ بارہویں صدی کے آغاز اور گیارہویں صدی کے اختتام پر شاہ عبدالرحیم نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کا نام مدرسہ رحیمیہ رکھا (حیات ولی ص ۲۷۶)

ولی اللہ کالج | جب شاہ صاحب کے علمی کمال کا شہرہ بڑھا اور طلبہ اطراف و اکناف سے آنے لگے تو مدرسہ رحیمیہ اُن کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ سلطان محمد شاہ نے امام ولی اللہ کو بلا کر شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر دارالحدیث کا اس میں افتتاح کرایا اس کے بعد قدیم جگہ غیر آباد ہو گئی۔ یہ نیا مدرسہ کسی زمانے میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا۔ اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے استحکام کی یہ حالت تھی۔ کہ شورش ۱۸۵۷ء تک اپنی اصلی حالت پر قائم رہا۔ اگر اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ کہ اس شورش میں مکانات لوٹ لیے گئے۔ کڑی تختے تک لوگ اٹھا لے گئے۔ تو آج بھی شاید وہ باقی رہتا۔ اس کی وسعت اور کشادگی کا یہ عالم تھا۔ کہ اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں۔ مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب

حکیم الہند نے اپنے پروگرام کی تدوین کے ساتھ اپنے رُفقا کی مرکزی جماعت بھی تیار کی جو تعلیم و ارشاد کے ذریعے سے انقلابی تحریک کی اشاعت، ایک طرف صوفیہ اور علماء میں۔ اور دوسری طرف امراء و اولیائے دولت میں کرتی رہی۔ اُن میں سے مولانا محمد عاشق پھلتی۔ مولینا نور اللہ بڈھانوی۔ مولانا محمد امین کشمیری مشہور ہیں ؁

(بقیہ صفحہ ۴۳) کے مدرسہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور آج تک پکارا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد ان کے چاروں صاحبزادوں نے وہی شغل درس و تدریس جاری رکھا۔ اور اس مدرسے نے تعلیم دینیات میں وُہ نام پیدا کیا کہ ہندوستان میں شہرہ ہو گیا۔ جب شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا۔ تو مولانا محمد اسحاق مہاجر مکی (متوفی ۱۲۶۲ھ۔ نور) نے مدرسے کی خدمت اپنے ذمے لی۔ اس مدرسے کی مسجد کا حال شاہ عبد العزیز صاحب اس طرح بیان فرماتے ہیں:
"دراں ہنگام بزرگاں بسیار و اولیاء بسیار از یاران والد معتکف مسجد بودند" (ملفوظات شاہ عبد العزیز صفحہ ۱۰۹)، جب مولانا محمد اسحاق نے ۱۲۵۶ھ میں ہجرت کی تو مولینا مخصوص اللہ (متوفی ۱۲۷۳ھ نور) اور مولینا موسیٰ خلف مولانا رفیع الدین (متوفی ۱۲۳۳ھ نور) اس کی نگرانی فرمانے لگے۔ ان حضرات کے انتقال کے بعد مولوی موسیٰ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں عبد السلام بہت صغیر سن رہے۔ اور ایک صاحبزادی رہ گئیں۔ خاندان بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو عبد السلام صاحب کو پڑھاتا لکھاتا۔ غرض یہ سلسلہ جو کئی پشت سے اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا۔ اب چونکہ یہ کل جائیداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد کی ہے اس لئے اس گلی پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔ ملتقطاً از کتاب "دار الحکومت دہلی" صفحہ ۲۸۴ و صفحہ ۱۶۷/۲۔ از مولوی محمد بشیر صاحب سبحان من لا یزول ملکہٗ و ھو الحی القیوم ۔ نور الحق

مولینا محمد عاشق پھلتی

مولانا عم فیضہم کتاب التمہید (حصہ اردو) میں فرماتے ہیں عام طور پر صدہا اہل علم شاہ ولی اللہ صاحب سے مستفید ہوئے حرمین شریفین سے با مذاق عالم اُن سے علم سیکھنے کے لئے دہلی آتے رہے۔ لیکن ان کے مکمل نظریے کو سمجھنے والے تین چار رفقا سے زیادہ نہیں ہیں۔ (الف) اُن کے ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق (ب) جمال الدین شاہ محمد امین ولی اللہی کشمیری (ج) شاہ نور اللہ بڈھانوی (د) شاہ ابو سعید بریلوی پہلے تین حضرات شاہ عبد العزیز کے استاد ہیں۔ اور چوتھے حضرت شاہ ابو سعید خلیفہ ولی اللہ وجد مادری حضرت سید احمد شہید ہیں۔ امیر شہید آپ ہی کے نواسے ہیں۔ ص۲۳ ۔

الشیخ محمد عاشق [بن الشیخ عبید اللہ بن الشیخ محمد قدس سرہ (وہو رضی اللہ عنہ جدی الوامی)]

اودع محبتی من اول ترعرعہ وکان سیدی الوالد یرانی وایاہ متحابین للہ فیقول اند یسرنی ذلک، وعسی ان یکون لہ شان۔ ثم اُلہم طلب طریق الحق منی ومنح محبتہ عظیمۃ فی مستوعۃ بظاہرہ وباطنہ وقلبہ وقالبہ ولسانہ۔ ورزق الاقبال التام علی الاخذ منی فمازال یصعد ویتصعد حتی رایت فیہ تیقظ لطیفۃ انا وانجرا لبحث وحتی رایت فیہ تمکنا تاما واستقرارا قویا۔ وامنت من تقلب احوالہ وتذبذب اقوالہ۔ ورایتہ قد انفتح لہ باب الذی بلیہ وبین علیہ الثابتۃ فہو یاخذ ما یاخذ من منبعہ من غیر تقلید ورضیت اخلاقہ واعمالہ واستحسنت اطوارہ واوضاعہ۔ وہو بحمد اللہ (منّہ نصحی ووعاء علمی وحافظ اسراری وناظر کتبی۔ بل ہو کان الباعث علی تسوید کثیرا منہا والمباشر لتبییضہ واظن ان علومی تبقی فی الناس من جہتہ۔ فالہمت ان ابثہ الناس خبرہ ولا ادع سرہ مکنونا ولا ذرہ فالبستہ الخرقۃ الصوفیۃ الباس اجازۃ کما البسہا سیدی الوالد الباس اجازۃ وانا بہ وکما البسنیہا ابو طاہر المدنی۔ وخرقتہا مستوعبۃ لجمیع خرق الاولیاء۔ واجزت لہ ان یلقن الاشغال الصوفیۃ التی سمعہا منی او لم

۱؎ اس کے بعد آپ نے مرکزی جمعیت کی شاخیں اطرافِ مملکت میں قائم کرائیں۔ نجیب آباد کا مدرسہ اور دائرہ (تکیہ) شاہ علم اللہ۲؎ رائے بریلی، حکیم الہندؒ کی انقلابی تحریک کے مرکز تھے ؛

بقیہ صفحہ ۴۴۔ یسمع وان یتصرف فی المریدین السالکین ویاخذ الفتوح من طبقات الناس اجمعین وان یدرس الحدیث والفقہ والتفسیر وسائر علوم الدین مما اخذ منی وشارکنی فی اخذہ من مشائخ الحرمین المحترمین الخ (تفہیمات الٰہیہ ص۱۲۵/۱ و ص۱۲۶/۱)

روزے دراواخر ایام خود۔ باین فقیر وصلاح آثار محمد عاشق اشارہ کردہ والد ماجد فرمودند کہ با یکدگر دوستی دارند۔ واین دوستی سبب ابتہاج وسرور من مے شود۔ سرّ این کلمہ من بعد بظہور پیوست کہ این عزیز با این فقیر ارتباط طریقت پیدا کرد۔ ومتبع شد۔ وامید این است کہ این دوستی مثمر فوائد بسیار باشد (انفاس العارفین ص۶۵) بعد از والد ماجد از یاران عمدہ ایشاں مثل شاہ محمد عاشق۔ وخواجہ محمد امین ولی اللّٰہی نیز در علوم، حاصل کردم، شاہ محمد عاشق در سماع وقرأت بر شیخ ابو طاہر ودیگر مشائخ حرمین شریک حضرت ایشاں بودند (عجالہ نافعہ ص۱۱)

قال الشیخ محسن فی "الیانع الجنی" ومن اجلۃ اصحاب الشیخ ولی اللہ الشیخ محمد عاشق، قد شارکہ فی الاخذ من مشائخ الحجاز۔ ومن مؤلفاتہ کتاب فی السلوک معروف۔ والشیخ محمد امین الکشمیری بخاراً والدہلوی قراراً، کان ینتسب الی شیخہ ویعرف بالنسبۃ الیہ وھما اللذان اخذ عنھما الشیخ عبد العزیز۔ کما ذکرہ فی عجالہ (ص۹۲) ۲؎ مولانا نور اللہ بڈھانوی آپ امام ولی اللہؒ کے تلامذہ سے ہیں۔ تفہیمات ج ۱ اول صفحہ اول پر شاہ صاحب نے اُن کو

(بقیہ) جو اجازت نامہ لکھ کر دیا ہے بمفصل موجود ہے۔ فقہ حنفی میں شاہ عبدالعزیز کے استاد اور آپ (حاشیہ) کے خسر بھی ان کے بیٹے مولانا ہبتہ اللہ ہیں جن کے صاحبزادے مولانا عبدالحی ہیں۔ مولینا عبدالحی شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں، اُن کے بھائیوں کے بعد سب سے بڑے آدمی ہیں۔ انفاس العارفین حالات شاہ عبدالرحیم میں اُن کے جستہ جستہ حالات موجود ہیں ۱۲ (نور الحق)

(حاشیہ صفحہ ۴۶)

نجیب آباد کا مدرسہ

احمد شاہ ابدالی کو دعوت دینے میں نواب نجیب اللہ خاں اور نواب حافظ الملک رحمت خاں والی بریلی وغیرہ امرا شریک تھے۔ حافظ الملک کی سرکار سے سینکڑوں طلبہ کو ماہوار امداد ملتی تھی۔ جو شاہ صاحب کے کالج میں تعلیم پاتے تھے۔ نواب نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ کے خاص مسترشدین سے تھے۔ شاہ صاحب ہی کے مشورے سے انہوں نے اور اُن کے رفقا نے احمد شاہ ابدالی کو قندھار سے بلایا۔ احمد شاہ کے بلانے میں وہ ایک واسطہ ثابت ہوئے۔ دراصل شاہ صاحب کی روحانیت کام کر رہی تھی۔ اس جنگ میں افواج ابدالی کے ساتھ نواب شجاع الدولہ وزیر اور نواب نجیب الدولہ کی افواج سرگرم کار رہیں اور بڑے اعلیٰ کارنامے دکھائے۔ ابدالی کی جنگ میں نواب نجیب الدولہ مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ سیر المتاخرین میں ہے: "بعد از حصول ایں فتح (۱۱۷۴ھ) احمد شاہ ابدالی از میدان جنگ (پانی پت) خرامیدہ در سواد دہلی نزول فرمود۔ و چند روز توقف نمودہ سلطنت برائے شاہ عالم و وزارت بنام شجاع الدولہ و امیر الامرائی بنام نجیب الدولہ مقرر نمود۔ و بہر دو سفارش ہم دگر نمودہ نجیب الدولہ را مامور ببودن شاہجہان آباد کرد۔ ۱۶ ر شعبان ۱۱۷۴ھ از باغ شالامار دہلی بقصد قندھار بکران ہمت زیر راں کشید۔ ص ۹۱۵"

نواب نجیب الدولہ نے ایک مدرسہ قائم کیا۔ تاکہ شاہ ولی اللہ کے طریقے کی تعلیم و اشاعت ہو۔ نواب مذکور کی عظمت و جلالت، اور علم دوستی کا اندازہ شاہ عبدالعزیز کے ارشاد ذیل سے کیا جا سکتا ہے: "نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود ادنے پنج روپیہ و اعلیٰ پنج صد روپیہ می یافت" (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۸۱)

سندھ میں ملا محمد معین[1] کا مدرسہ ٹھٹھہ ان کا ایسا مرکز تھا جس سے مشہور عارف

(بقیہ صفحہ ۴۷) نواب نجیب الدولہ ایسا عاقل اور ہوشیار تھا۔ کہ کمتر ہوتے ہیں امانت اور ایمانداری تو اس وقت اس پر ختم تھی۔ وہ اپنے پرانے آقاؤں۔ نواب دوندے خاں رھیلہ۔ اور نواب وزیر شجاع الدولہ کی فرماں برداری کئے جاتا تھا۔ اس وقت بھی جوانمرد اس ٹوٹی پھوٹی سلطنت کو نبھا رہا تھا۔ (تاریخ ہند از ذکاء اللہ ص ۳۱۶ ج ۹)

دائرہ شاہ علم اللہ[2]

سید شاہ عالم اللہ عہد عالمگیر کے مشہور عالم ربانی اور صاحب سلسلہ شیخ تھے۔ آپ شیخ آدم بنوری کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ اس طرح سے آپ اور حضرت مجدد کے درمیان صرف حضرت شیخ بنوری کا واسطہ تھا۔ سرتاپا اتباع سنت کا نمونہ تھے۔ شاہ غلام علی صاحب نقشبندی دہلوی کے درالمعارف میں ہے۔ کہ آپ کے انتقال کی رات عالمگیر نے خواب میں دیکھا۔ کہ آج رات جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی۔ علماء سے تعبیر دریافت کی۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ یہ تاریخ لکھ لینی چاہیئے۔ اس رات کو سید علم اللہ صاحب کی وفات ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہی اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ سرکاری وقائع نگار کی اطلاع سے معلوم ہوا۔ کہ اسی شب کو سید صاحب نے انتقال فرمایا سید احمد امیر شہید کی ولادت اسی دائرے میں جو آب تکیہ علم اللہ کے نام سے مشہور ہے۔

صفر ۱۲۰۱ھ میں اپنے والد سید محمد عرفان کے گھر ہوئی۔ سیرت سید احمد ص ۱۲۷-۵۲ ۱۲ نور الحق

[1] الشیخ معین الدین ٹھٹھوی۔ عرف مخدوم ٹھارو (بضمہ مجہولہ) مخدوم محمد ہاشم اور ان کے صاحبزادے عبداللہ کے استاد ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی کے طریقہ کے خلاف شاہ ولی اللہ کے طریقے کو ترجیح دینے کے لئے آپ نے دراسات اللبیب لکھی۔ اس کتاب کا الدراسۃ الثانیۃ عشر خصوصی طور پر مطالعہ کرنا چاہیئے جس میں انہوں نے امام بخاری کی تاریخ صغیر کی اس عبارت کا رد لکھا ہے۔ جہاں

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۴۸) انہوں نے امام ابوحنیفہ پر جرح کی ہے۔ کتاب مذکور لاہور میں طبع ہو چکی ہے۔ اہلحدیثوں نے طبع کرائی۔ اس کا ردّ شیخ عبداللہ مذکور نے لکھا جس میں شیخ عبدالحق کے طریقے کی ترجیح ہے۔ کتاب کا نام "ذب الذبابات عن الدراسات" ہے۔ دارالرشاد سندھ میں اس کا ایک نسخہ خطیہ موجود ہے۔ پورا تذکرہ شاہ معین الدین کا تحفۃ الکرام و تاریخ سندھ میں موجود ہے۔ کتاب مطبوعہ ہے۔ کاش میرے پاس بھی اس کا کوئی نسخہ ہوتا۔ کراچی مدرسہ مظہر العلوم میں کتاب موجود ہے۔ ومن شعرہ ؎

سگت را خون دل دادم کہ با من آشنا گردد نہ دانستم ز بخت بد کہ او دیوانہ خواہد شد [زیدالحق]

شاہ عبداللطیفؒ بھٹائی

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی کتاب "الرسالہ" مطبوعہ سندھی زبان میں وہی درجہ رکھتا ہے۔ جو فارسی میں مثنوی مولانا روم کا ہے۔ اُس کو ہندو اور مسلمان سب مساوی طور پر پڑھتے ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔

شاہ محمد معین مصنف "دراسات اللبیب" اور شاہ عبداللطیف ہم مسلک بزرگ ہیں اور وحدۃ الوجود کے دونوں یکساں عارف ہیں۔ شاہ محمد معین جب فوت ہونے لگے۔ تو آپ نے وصیّت فرمائی۔ کہ میرا جنازہ تیار کر کے مسجد میں رکھ دینا جب تک شاہ عبداللطیف نہ آئیں اُن کا انتظار ضروری ہے۔ شاہ عبداللطیف صحرانورد تھے۔ کیا معلوم کہ وُہ کس صحرا میں ہونگے اور اُن کو کس طرح اطلاع ملے گی۔ اور کب آئیں گے؟ مگر جنازہ تیار ہونے کے تھوڑی دیر بعد آپ تشریف لے آئے۔ اور امامت کرائی۔ بعدہٗ کہا کہ آج کے بعد ٹھٹھ سے ہمارا تعلق منقطع ہو گیا ہے

فائدہ۔ کپتان الیگزنڈر ہملٹن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ شہر ٹھٹھ (سندھ) میں مختلف علوم وفنون کے چار سو کالج تھے۔ علامہ تقریزی جو ہندوستان کی سیاحت کے لئے تشریف لائے

حکیم الہند نے دہلی کی حکومت کے اشتراک سے اپنے پروگرام کا ایک حصہ مکمل کر لیا۔ وُہ ہے معرکۂ پانی پت۔ پانی پت کا واقعہ حکیم الہند کے مذکورہ بالا خوابٗ کی تعبیر تھی۔ اس تعبیر کے دو برس بعد ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۳ء) میں امام ولی اللہ نے وفات پائی۔

اگر اہلِ علم حکیم الہند کی تصانیف انہماک سے پڑھیں۔ تو انہیں اُن کے مخصوص نظریات پر یقین حاصل ہوگا۔ اُن کے وُہ افکار جو اُن کو بالبداہتہ معلوم ہونگے، ہم اُن میں سے پانچ بطور نمونہ یہاں ذکر کرتے ہیں:۔

(بقیہ صفحہ ۴۹) اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ محمد شاہ تغلق کے عہد میں صرف دلّی شہر میں ایک ہزار مدارس تھے۔ پروفیسر ماکس ملز سرکاری کاغذات کی بنا پر لکھتا ہے۔ کہ برطانوی حکومت سے قبل بنگال میں ۸۰ ہزار دیسی مدارس تھے۔ اس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہوئے کہ آبادی کے ہر چالیس افراد کے لئے ایک مدرسہ قائم تھا۔ ریورنٹ وارڈ نے ۱۸۲۱ء میں بیان کیا تھا۔ کہ انڈیا ڈسٹرکٹ سکولوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہاں ہر اکتیس۳۱ لڑکے پر ایک سکول ہے۔ (التقاط از مش۔ م ص۱۱۲)

معرکۂ پانی پت

امام ولی اللہ کی ۱۱۴۴ھ کی مذکورہ بالا خوابٗ کے دو حصے ہیں۔ حصہ اوّل کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

رایتُ ملک الکفار قد استولی علی بلاد المسلمین۔ اس خواب کا مشاہدہ یوں کرایا گیا۔ کہ لال قلعے پر مرہٹوں نے قبضہ کر لیا۔ نوزدہم ماہ ذی الحجہ ۱۱۷۳ھ قلعہ دلال قلعہ بدست بھاؤ افتاد۔ دھرم سرائے شاہی وجمیع کارخانہ ہائے سلطنت باختیار مرہٹہ رفت۔ و ذٰلک

(بقیہ صفحہ ۵۰) تقدیر العزیز العلیم سیر المتاخرین ص۹۱۲ قولہ۔ ونھبا موالہم۔ جس وقت دلی قلعہ پر مرہٹوں نے قبضہ کیا۔ اس وقت کی لوٹ کھسوٹ کا اندازہ لگانے کے لئے ذیل کا حصہ پڑھئے " ودنائت وتنگ چشمی بہاؤ بمرتبہ بود کہ سقف دیوان خاص شاہی را کہ از نقرہ مینا کار بود۔ برکندہ مسکوک ساخت۔ وطلا آلات۔ ونقرہ آلات مزار اقدام نبوی ومقبرہ نظام الدین معروف براولیاء۔ ومرقد محمد شاہ مثل عود سوز، وشمع دان و قنادیل وغیرہ طلبیدہ مسکوک نمود۔ ص۹۱۲ " ملک الکفار بہاؤ کی مذکورہ ذیل دنائت بھی قابل تعجب ہے۔ میر غلام علی خزانہ عامرہ ص۴۸ میں لکھتے ہیں " بالاجی راؤ با آں اقتدار کہ سلطنت دکن وہند بدست آوردہ بود۔ نان باجرہ مے خورد۔ نان گندم خوش نداشت۔ بادنجان خام وانبہ خام وکرسنہ خام برغبت تمام مے خورد۔ چوں اصل پیشہ براہمہ گدائی است۔ ودر کیش ہندواں مقرر شدہ کہ صدقات را بہ براہمہ باید داد۔ طباع آں قوم نسلاً بعد نسل بدریوزہ گری معتاد شدہ۔ وطماعی وابن الغرضی لازم ماہیت برہمنی گردیدہ۔ بنا بریں باوجود حصول مرتبۂ سلطنت وامارت شیوۂ گدائی از طینت آں ہا بدر نے رود۔ ہر محتاجی کہ بحکام ومتصدیان براہمۂ مذکور رجوع مے کند نظر آں ہا برہمیں کہ برائے ما چہ آوردہ ؎

بدست خلق عالم کاسۂ دریوزہ مے بینم گدا چوں بادشاہ گردد گدا سازد جہانے را

ومدار غذائے آں ہا خواہ غنی باشد یا فقیر بردال تور دار ہر است وبا دال علاوہ از روغن کہ آں را در ہندی " بگھار " گویند نمے کنند۔ واز خارج نیز روغن بکار نمی برند۔ کہ یبوست اورا دو دو نماید۔ ومرچ سرخ وحلتیت (ہینگ) وزرد چوبہ ہم در ماکولات اشیاء بسیار استعمال مے شود۔ مرچ سوائے آنچہ در پختن داخل نمودہ اند۔ ہنگام خوردن باطعام بافراط مے خورند " ہ

قولہ۔ اظھر فی بلدۃ اجمیر شعائر الکفر وابطل شعائر الاسلام۔ یعنے دہلی جس کا روحانی مرکز اجمیر ہے۔ اور خواجہ معین الدین نے وہیں سے اشاعت وتبلیغ اسلام کا کام شروع کیا تھا جس کے نتیجہ میں دہلی فتح ہوئی۔) اسی دہلی پر ملک الکفار کا قبضہ ہو

(بقیہ صفحہ ۵۱) چکا ہے۔ جس کے بعد اس نے شعائر کفر کا اعلان کر دیا۔ اور شعائر اسلام کو ختم کر دیا۔
سیر المتاخرین میں ہے: "بھاؤ قلعہ داری شاہجہان آباد بہ نارو شنکر برہمن تفویض نمودہ جمیعے
را بحراست قلعہ ہمراہ او کرد۔ صفحہ ۹۱۲۔

الغرض امام ولی اللہ نے جس رنگ سے خواب میں دیکھا۔ انہیں خصوصیات کے ساتھ
ملک الکفار مسلمانانِ ہند پر غالب آیا۔ اور اُن کے مرکز سیاسی پر اُس نے قبضہ کر لیا۔

خواب کا دوسرا حصّہ احمد شاہ ابدالی نے یکایک ہندوستان پر حملہ کر کے مرہٹہ
تحریک کو پانی پت کے میدان میں ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

سیر المتاخرین میں ہے کہ افواج دکن مع بھاؤ د شیوراؤ) وسواس راؤ وغیرہ سرداران مستاصل
گشتہ۔ بیخ و بنیاد عمر و دولت مرہٹہ برکندہ گشت وتا مدتے اثر جماعت مذکور در ہندوستان
نمایاں نہ بود۔ ودر تمام قلمرو ہندوستان یک نفر مرہٹہ نمے نمود۔ صفحہ ۹۱۳۔ درحقیقت اس کا
سبب خواب مذکورہ بالا کا یہ ٹکڑہ ہے۔ رأیتنی فی المنام قائم الزمان اعنی بذٰلک
ان اللہ اذا اراد شیئًا جعلنی کالجارحۃ لاتمام مرادہ۔ آپ کے جارحہ ہونے کا تحقق
عالم اسباب کے رو سے اس طرح ہؤا۔ کہ سب سے پہلے بھاؤ نے اپنی حکومت کے استحکام
کے لئے نواب شجاع الدولہ والئے اودھ سے سانہ بازہ شروع کی۔ اسی سلسلے میں اپنا ایک
برہمن سفیر اُس کے پاس بھیجا۔ اُس کے جواب میں شجاع الدولہ نے کہا: "از مدتے براہمۂ دکن
بر ہندوستان مسلّط شدہ اند۔ روادار آبرو۔ درفاہ و آسائش احدے از خلق نیستند۔ ہمہ را
برائے نمود واتمام خود می خواہند۔ مردم از دستِ ایشاں بجاں آمدہ۔ برائے پاس ناموس
و آبروئے خود۔ درفاہ عالمے شاہ ابدالی را بمنت از ولایت طلب داشتہ۔ وصدمات اورا بہ
نسبت ایذائے مرہٹہ سہل انگاشتہ ہسیر۔ اس کے بعد نواب نجیب الدولہ وغیرہ امراء ہند کے
متعلق تحریر ہے: "نواب نجیب الدولہ وراجہائے ہندوستان از دستِ مرہٹہ وعماد الملک
بجاں آمدہ زوال دولت و ملک خود از دست برد مرہٹہ برائے العین مشاہدہ نمودہ۔ صفحہ

استدعا بخدمت احمد شاہ ابدالی نگاشتہ خواہانِ ورود او در ہند شدند۔ ھ سیر۔ قولہ یتقاتلون
بینہم وقولہ فقام رجل وسألنی عن المسلمین اقتتلوا فیما بینہم فتوقفت
عن الجواب فلما اصرح۔ تاریخ ہند شاہد ہے کہ مرہٹوں کی اس جنگ میں مسلمانوں کی ایک
جماعت اُن کی فوج میں بھرتی ہو کر میدانِ جنگ میں لڑی۔ عرب اور ہندوستانی فوج کے
علاوہ توپ خانے کا سردار ابراہیم گاردی تھا۔ اس نے ہمت کر کے توپوں کی زنجیر بندی کی۔
اور مرہٹوں کو کچھ دیر تک بچائے رکھا۔ سیر میں ہے "بتاریخ ۶ جمادی الاخریٰ بروز چہارشنبہ
۱۱۷۴ھ۔ بھاؤ فوج ہارا ترتیب دادہ۔ ابراہیم خاں را بمع توپ خانہ فرنگی پیش رو گذاشتہ۔
افواج مرہٹہ ہر ہر گویاں از سنگر بہ لشکرِ ابدالی رو آوردند۔ و ابراہیم تگرگ باز گولہ توپ
از حد گذرانید۔ و بھاؤ مغلیہ ملازم خود را، حکم پیش رفتن داد۔ و آں اسپاں راعناں دادہ
مقابل عساکر ابدالی آمدند ھ ص۹۱۴ قولہ فبطش بہ القوم فذبحوہ فلما رایت
الدام یخرج من اوداجہ مند فق فقلت لہ۔ تاریخ ہاشمی میں مذکور ہے کہ بھاؤ نے دہلی
پر قبضہ کرنے کے بعد ارادہ کیا کہ اپنے بھتیجے بسواس راؤ پسر بالاجی راؤ کو تخت دہلی پر بٹھا کر
یہ اعلان کردے کہ اب سے ہندوستان کے تخت و نگین کے مالک مرہٹہ برہمن ہیں۔ مگر جنگ
پانی پت کے خاتمے تک اُس نے اس اعلان کو ملتوی کرنا مناسب خیال کیا ھ۔ لیکن اسی
جنگ میں بسواس راؤ امیدوار تخت و تاج۔ اور تخت بخش والا بھاؤ ہر دو کام آئے۔ سیر
المتاخرین میں ہے۔ از سرداران اول بسواس راؤ پسر بالا راؤ۔ کہ شاہزادۂ آنہا بود۔ در
عین شباب بزخم تفنگ کشتہ شد۔ و بعد او سپہ سالار سدا شیو راؤ معروف بھاؤ۔ برادر عم زاد
بالاجی راؤ ہلاک گردید۔ و از سردارانِ نامور غنیم کسے جاں بسلامت نہ برد۔ الا دو سہ کس
و بعد ازیں شکست فاش بالاجی راؤ ہم غصہ مرگ گشتہ۔ پس از پنج ماہ و سیزدہ روز نوزدہم
ذی قعدہ سال مذکور بہ پسر و برادر ملحق گردید۔ و ابراہیم خاں گاردی اسیر گشتہ ساعتے سرمایۂ
ماہیانِ میدان بود۔ پس از زمانے آب شمشیر از سرش گذشت ھ ص۹۱۴

(الف) قرآن عظیم اپنے انٹرنیشنل انقلابی نظام میں مستقل مؤثر ہے یعنی رہتی دنیا تک مسلمانوں کی کوئی جماعت جب بھی اس پر عمل کرے گی۔ اس سے وہی نتائج پیدا ہونگے۔ جو دورِ اوّل[1] میں دنیا نے دیکھے۔ یہ قرآن کی تاثیر ہے کسی آدمی یا زمانے کی تخصیص لغو ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵۳) یہ ہے تفسیر وجعلنی کالجارحۃ کی۔ اور یہی معنے اس ارشاد کے ہیں۔ ونفث من تلک الحضرۃ فی نفسی لامن جھۃ ھذا العالم۔

قولہ حتی وصلنا الاجمیر۔ بعینہٖ اسی طرح ابدالی مع افواج قاہرہ کے شہروں کو فتح کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ اسی جارحہ کا تقاضا ہے کہ شاہ ابدالی فتح کے بعد حکومت ہذا حقداروں کے حوالے کرکے خود سیدھا قندہار روانہ ہوگیا۔ یہاں حکومت کرنے کا خیال تک اُس کو نہ آیا۔ فللّٰہ الحمد فی الاولی و الاخرۃ۔ محمد نور الحق۔

[1] اسلام کی انقلابی حقیقت کا ادراک اسی ایک اصول سے وابستہ ہے۔ کہ اسکے تمام تر انقلابی اثر کی اصل الاصول قرآن عظیم کی تعلیم ہے۔ اور اس کا اثر کسی دور سے مخصوص نہیں ہے۔ جب کبھی کوئی جماعت صدق دل سے اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگی۔ نتائج یکساں مرتّب ہونگے۔ عیسائی دنیا اسی چیز کو عام نظروں سے اوجھل کرنے کے سعی کرتی رہتی ہے۔ جرجی زیدان نے تو صاف صاف لکھ دیا کہ خلافت شیخین کا نظام محض بخت و اتفاق کا نتیجہ تھا۔ یعنے قرآن میں یہ طاقت نہیں کہ وُہ اتنا عظیم الشان انقلاب پیدا کرسکے۔ چند افرادِ اتفاق سے مجتمع ہوگئے۔ اور انہوں نے ایک بار ایسا کردکھایا۔ لیکن ہمیشہ یوں ہو یہ غلط ہے۔ اس تعلیم کے اثر کو زائل کرنے کے لئے وُہ نہات لطیف اور دقیق حربے کام میں لاتے ہیں۔ مثلاً زمانہ حال کی مجالس ہائے سیرت کا نظام بھی اسی قسم کا ایک مخدّر ہے۔

(ب) مسلمانوں کی اجتماعی تحریک جسے قرآن حکیم کی تفسیر کے طور پر سمجھنا ضروری ہے۔ وُہ دورِ اول، یعنی مبعث سے فتنۂ عثمان پر ختم ہو گئی۔

(بقیہ صفحہ ۵۴) جو مسلم عوام کو پلایا جا رہا ہے، تحریک مذکورہ کو چلانے والے یہ سمجھیں یا نہ مگر جن لوگوں نے اُن کو یہ لقمہ دیا۔ ان کا اصل مدعا یہی ہے کہ اسلام کی تمام تر تعلیمات کا اثر بجائے قرآن کے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر شخصیت میں مضمر ہے۔ اگر آئندہ بھی کوئی ایسی شخصیت بروئے کار آگئی۔ تو ممکن ہے کہ یہ اثر دوبارہ پیدا ہو سکے یہی وجہ ہے۔ کہ ایک جماعت انتظار مہدی میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ـــ نور الحق

لہ اخبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باں کہ۔ خیر القرون قرنی۔ ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم ونشأ قوم تسبق ایمانہم شہادتہم وشہادتہم ایمانہم (قرن اولیٰ) زمان آنحضرت بود صلے اللہ علیہ وسلم از ہجرت تا وفات (وقرن ثانی) زمان شیخین (و قرن ثالث) زمان ذی النورین (استشہد ۳۵ھ نور) تفصیل ایں اجمال آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنۂ کہ بعد مقتل عثمان بظہور پیوست۔ در احادیث متواترہ متکثرۃ الطرق بیان فرمودند چنانکہ عنقریب مذکور مے گردد۔ وما قبل آں را بوجوہ متعددہ از صفات مدح گردانیدند۔ وما بعد آں را بانواع بسیار از صفات ذم نکوہیدند چوں ملاحظۂ آں ہمہ طرق می نمائیم۔ کہ مختلف اند در تعبیر و متحد اند در اصل مقصود۔ حدس قوی ہم مے رسد کہ مراد از قرون ثلاثہ تفصیل ہماں مدت است۔ و تقسیم بقرون ثلاثہ و مدح آں قرون نیست۔ الا باعتبار کمال مدبّرانِ آں قرون و قائمانِ بالامر دراں ہا و باعتبار شیوع اعمال خیر و ظہور دولت اسلامیہ و انجاز موعود اللہ عز و جل در ظہور دین حق۔ ـــ ازالۃ الخفا ص۱۴۵ و ص۱۲۱ و ص۱۲۹۔

اہل مدینہ نے ان تعلیمات کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور وہ مؤطا امام مالک میں مدون ملتی ہیں۔ اس لئے تمام کتب حدیث و فقہ پر مؤطا کو مقدم ماننا چاہیئے۔

مؤطا امام مالک عمل اہل مدینہ۔ بسبب اختیار اقوال تابعین اہل مدینہ آں آں است کہ مدینہ روح بلاد و دول اعصار بودہ است و علماء زماناً بعد زمان دراں جا میر فتند۔ و آرائے خود را بر رائے اهل مدینہ عرض مے کردند۔ پس نزدیک اہل مدینہ علوم منقح بودند۔ کہ نزدیک غیر ایشاں نبودند۔ و مشائخ مالک ہمراز اہل مدینہ اند۔ الا شش کس ابو الزبیر از اہل مکہ۔ و حمید طویل و ایوب سختیانی از اہل بصرہ و عطا ابن عبد اللہ از اہل خراسان و عبد الکریم از اہل جزیرہ و ابراہیم بن ابی عبلہ از اہل شام مصطفے شرح مؤطا ص ۱۴۔

قال مالک السنۃ التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا وکذا۔ نیز مراسیل اور منقطعات سے انہوں نے اپنی کتاب کو بھر دیا ہے۔ وہ اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ کسی دوسرے کے سامنے انہیں اپنے اسانید بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ اہل مدینہ کی روایت کو اپنے طور پر ٹھیک سمجھ کر پیش کرتے ہیں۔ یہ قومی روایتوں میں لازمی چیز ہے۔ جن لوگوں نے سیاست اسلامی سے قومیت کو علیحدہ کر دیا۔ وہ حدیث کے اس طریقۂ تحقیق سے نابلد ہو گئے۔ یہ صحیح ہے کہ دینی امور میں ہر ملک کی روایات اس طرح معتبر نہیں ہو سکتیں۔ یہ تخصیص فقط اہل مدینہ منورہ کے لئے ہے۔ مگر قومی روایت ہر قومی مرکز سے قبول کرنا پڑے گی۔ ہر ایک قومی آدمی اپنی قوم کی روایت کو بالبداہت صحیح مانتا ہے مگر دوسروں کے سامنے ایک حجۃ اُس کے اثبات کے لئے نہیں پیش کر سکتا۔ یہ امر تمام اقوام میں یکساں مشترک ہے۔ لہذا قومی تحقیقات میں ان چیزوں سے تغافل برتنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے۔ دینی تعلیم چونکہ عوام میں اجتماعی طور پر مدینہ منورہ سے پھیلی

(ج) قرآن عظیم نے تمام ادیان پر جس غلبے کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ اسی دَور اوّل میں پورا ہو چکا ہے اُس کی تکمیل کے لئے کسی نبی یا ولی کا انتظار غلط ہے فرقہ شیعہ اہل بیت کے نام سے غلط پروپیگنڈا کر کے مسلمانوں کی ذہنیت جس قدر مسموم کر چکے ہیں۔ حکیم الہند کی تصانیف اس کا علاج ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵۶) شروع ہوئی۔ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت (۳۵ھ) تک وہاں وہ تسلسل قائم رہا اس لئے اس خاص معاملے میں مدینہ طیبہ کا مقابلہ نہ تو مکہ معظمہ کر سکتا ہے۔ اور نہ بصرہ و کوفہ و بغداد۔ اسی اساس پر ہم مؤطا مالک کو قرآن شریف کے بعد اول درجے کی اسلامی روایت مانتے ہیں۔ ہم امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، وغیرہ ائمہ محدثین کے بہت ممنون ہیں۔ کہ انہوں نے مؤطا کی اس شان کو برقرار رکھا۔ اور دوسرے دَور میں اس دَور کی اصطلاحات کے مطابق مؤطا کو اول درجے کی کتاب ثابت کر دیا۔

خروج مہدیؒ کا عقیدہ

قال الامام ولی اللہ فی ازالۃ الخلفاء۔ باقی ماند اینجا مسئلہ در غایت اشکال در حدیث ابن ماجہ اشارہ بنفعہ خروج ابومسلم از خراسان واقع شدہ۔ وآں خلیفہ را مہدی گفتہ اند و ترغیب بر نصرت او نمودہ اند۔ (۱) اخرج ابن ماجہ عن حدیث علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قبل فتیۃ من بنی ہاشم فلما راٰہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم اغرورقت عیناہ وتغیر لونہ فقلت ما نزال نریٰ فی وجہک شیئاً نکرہہ فقال انا اہل بیت اختار اللہ لنا الاٰخرۃ علی الدنیا وان اہل بیتی سیلقون بعدی بلاءً وتشریداً وتطریداً حتی یاتی قوم من قبل المشرق معہم رایات سود فیسئلون

بقیہ صفحہ ۵۷، الخیر فلا یعطونه فیقاتلون فینصرون۔ فیعطون ما سألوا۔ فلا یقبلون حتی یدفعوها الی رجل من اهل بیتی فیملأها قسطاً کما ملئوها جوراً فمن ادرك ذلك فلیأتهم ولو حبواً على الثلج (۲)، واخرج ابن ماجه عن ثوبان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقتتل عند کنزکم ثلثة کلهم ابن خلیفة۔ ثم لا یصیر الی واحد منهم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلونکم قتلاً لم یقتله قوم۔ ثم ذکر شیئاً لا احفظه۔ فقال فاذا رأیتموه فبایعوا ولو حبواً على ثلج۔ فانه خلیفة الله المهدی (۳)، واخرج ابن ماجه عن عبد الله بن الحارث بن جزء الزبیدی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یخرج ناس من المشرق فیوطئون للمهدی سلطانه۔

تحقیق این سه حدیث پیش فقیر آن است۔ که مراد از مهدی خلیفهٔ بنی عباس است نه امام مهدی که در آخر زمان ظهور نماید۔ این جا مهدی گفتن و خلیفة الله نامیدن و حث بر نصرت او نمودن بجهت آن است که خلافت این فریق در پردهٔ تقدیر مصمم شده آن را تغیر و تبدل نیست۔ پس او مهدی است۔ راه نموده شده بسوئے تدبیرے که مفضی باشد به استقرار خلافت۔ نه چون خارجیان دیگر که تدبیر آنها متلاشی شد و بجز هرج و مرج باچیزے بدست او شان نیامد۔

و او خلیفة الله است باین معنے که خلافت در قدر الٰهی مصمم گشت و باو باید بود۔ و رد او نباید نمود۔ زیرا که مطلوب اهم در شریعت قطع نزاع است و تقلیل هرج مرج و خلافت مستقره بهتر است اگرچه صاحب آن کوردل یے علی ضلع باشد۔ از خلافت متلاشیه گو صاحب آن افضل باشد۔

قلت المهدی الذی یاتی فی آخر الزمان ان ثبت لا یزید علی کونه من اشراط

بقیہ صفحہ ٥٨۔ الساعة التي لا يكون بعدها استقرار شريعة وقانون. فلا ينبغي ان يجعل فلاح المسلمين معلقاً بظهوره قلت الاحاديث الثلاثة التي رواها امام ولي الله وان كانت مروية في كتب الطبقة الثالثة لكنها قبلناها لان اصلها ثابت- قال الامام ابوداؤد عن هلال بن عمرو قال سمعت عليا يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم يخرج رجل من وراء النهر يقال له الحارث حراث. على مقدمته رجل يقال له منصور. يوطئ او يمكن قول محمد كما مكنت قريش رسول الله صلى الله عليه وسلم وجب على كل مؤمن نصره. او قال اجابته-

قلت وتلك الاحاديث صريحة في المهدي العباسي كما قرره الامام ولي الله الدهلوي. وكذلك يتبين منها ان المراد من اهل البيت ههنا بنوهاشم كلهم. وان المراد بقوله يملاء الارض قسطاً ليس الا انه يعمل على السنة ويتقيد بضوابط العدل الاسلامية. مثل عمر بن عبد العزيز. فان سفيان الثوري. كان يقول ان كان المهدي فهو عمر بن عبد العزيز ذكره السيوطي في تاريخ الخلفاء. ولا يكون المهدي مثل الامراء الظالمين الذين يستثنون انفسهم من القواعد. قلت فيمكن ان المهدي العباسي مصداق كل حديث جاء فيه ذكر رجل من اهل البيت على الابهام والاجمال. منها حديث ابن مسعود اخرجه ابوداؤد عن عاصم عن زر عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لو لم يبق من الدنيا الا يوم لطول الله ذلك اليوم حتى يبعث رجل مني. او من اهل بيتي يواطئ اسمه اسمي. واسم ابيه اسم ابي. يملاء الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا. - فان المهدي العباسي اسمه

محمد بن عبد الله وهو من اهل بيت النبي صلے الله عليه وسلم من بني هاشم
قلت وهذا الذي اشار اليه الامام ولی الله من ان المهدی يخرج فی اخر الزمان
وقد اشتهر انه يكون من اولاد فاطمةؓ وعلیؓ. وقد اتفق علے
ذلك اصحاب الكشف من المتاخرين. وتوغل فيه الناس بعد سقوط
بغداد. فلم يرد فيه حديث يعيّن انه من اولاد علی الاّ وقد ضُعِف. قلت
الذی يظهر من صنيع الامام ابی داؤد انه يجعل المهدی واحدًا من الائمة
الاثنا عشر ولذلك اخرج هذا الحديث اول باب المهدی. وذكر احاديث
تشيرُ الی خلافة عبد الله بن الزبير وقصة خسف الجيش. قال
الامام ما لكأكان يعده من الائمة دون عبد الملك بن مروان.
وذكر اولا احاديث تشير الی ان المهدی من اهل بيت النبی صلے
الله عليه وسلم علے الابهام. ثم ذكر احاديث فيها ذكر انه من اولاد فاطمة
او من اولاد الحسن. ثم ذكر فے اخر الباب حديثًا لا ينطبق الا علے المهدی
العباسی. فكانّ فيه رمزًا الی تضعيف ما تقدم من الروايات السابقة لها
قال الشيخ ابو الطيب شمس الحق فے عون المعبود. زعمت الشيعة خصوصًا
الامامية منهم ان الامام الحق بعد رسول الله صلے الله عليه وسلم علیؓ
ثم ابنه الحسن. ثم اخوهُ الحسين. ثم ابنه علی زين العابدين. ثم ابنه
محمد الباقر. ثم ابنه جعفر الصادق. ثم ابنه موسی الكاظم. ثم ابنه
علی الرضا. ثم ابنه محمد التقی. ثم ابنه علی النقی. ثم ابنه الحسن العسكری
ثم ابنه القائم المنتظر المهدی. وزعموا انه قد اختفی خوفًا من اعدائه و
سيظهر فيملاء الارض قسطًا وعدلًا كما مُلئت جورًا وظلمًا. ولا امتناع
فے طول عمره وامتداد حياته. قلت تحرير محل النزاع بين اهل السنة و

الشیعۃ عندی ان القرآن نزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبشرہ بظہور دینہ علی الادیان کلہا ولکن فتح اکثر بلاد الکفار انما تحقق بعدہ علی ایدی الخلفاء الراشدین ثم علی ایدی بنی امیۃ ثم علی ایدی بنی العباس ثم ملوک الہند وغیرہم۔ والشیعۃ لا تسلم لہم خلافتہم۔ فالامر الموعود فی القرآن کان لم یتحقق عندہم لا یمکن انجاز ہذا الوعد عندہم الا اذا کان علی ایدی رجل من اولاد علی ابن ابی طالب وسیدۃ النساء فاطمۃ وہذا اساس عقیدۃ المہدی عند الشیعۃ۔

واما عند اہل السنۃ فکل ما کان موعوداً فی القرآن فقد انجز اللہ وعدہ علی ایدی المہاجرین والانصار الذین اتبعوہ۔ وعلی بن ابی طالب واولادہ داخل فی جملتہم۔ ثم اذا تتبعنا احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجدنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبر ان فی امتہ دجالون کذابون۔ ثم اخبر بانہ یکون فیہم ائمۃ راشدون مجددون یجددون من الدین ما افسدہ الکذابون المبطلون۔ واخبر ایضاً ان الائمۃ الراشدین کما یکونون فی سائر بیوتات قریش کذلک اخبر بانہم یکونون فی بنی ہاشم بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

فغلاۃ المنافقین من امۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم یریدون ان یجعلوا الامامۃ والمہدیۃ نبوۃً بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فتثبت ولا تکن من الوثاقین۔ قال الامام ولی اللہ فی فیوض الحرمین سألتہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالاً روحانیاً عن الشیعۃ فاوحی الیّ ان مذہبہم باطل۔ وبطلان مذہبہم یعرف من لفظ الامام ولما افقت عرفت ان الامام عندہم ہو المعصوم المفترض الطاعۃ الموحی الیہ وحیاً باطنیاً وہذا ہو معنی النبی

چار اخلاق کو حکیم السند دنیا اور آخرت کی فلاح کا مدار قرار دیتے ہیں اُن کا مرکز عدالت ہے۔ کسی سوسائٹی میں عدل پیدا نہیں ہو سکتا جب تک رزق کمانے والی جماعتوں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے احترازِ کلی نہ کیا جائے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں کسریٰ و قیصر نے تمام متمدن دنیا کے اکثر حصّے کو اقتصادی پریشانی میں مبتلا کر کے اخلاق سے محروم کر دیا تھا۔ اس لئے قرآن عظیم کا سب سے بڑا مقصد اُن کا زور توڑ کر ایسا نظام نافذ کرتا ہے جو اقوامِ عالم کو اس مصیبت سے نجات دلائے۔

بقیہ صفحہ ۶۰۔ فمن ھیھم یستلزم انکار ختم النبوۃ۔ ھ کتاب التمھید الموقف الثانی۔

ئہ قال الامام ولی اللّٰہ فی کتاب الھمعات: این فقیر را آگاہ بندہ اند کہ آنچہ از باب تہذیب نفس در شرع مطلوب مے شود۔ اقامت چار خصلت است و نفی اضداد آنہا۔ حق سبحانہٗ انبیاء را برائے ہمیں چہار خصلت فرستادہ و شرائع ہمہ ارشاد باین چار خصلت و تحریص بر کسب آں ہا و نصب مظانِ آنہا است۔ و ترغیبات شرائع بسوئے ایں چہار خصلت معروف اند۔ و ترھیبات بر اضداد آں راجع۔ و بر عبارت از اشباح و کواسبِ ایں چہار خصلت است۔ و اثم عبارت از مظان و کواسب اضداد آنہا۔ و آں اخلاق کہ در معاد وجود آنہا نفع مے دہد و فقدان آنہا ضرر مے کند ہمیں چہار خصلت اند۔ و ہر کہ حقیقت ایں چہار خصلت بطریق ذوق و وجدان دانست۔ و طریق اقتضاء شرائع و ایصال آنہا در ہر دورہ و ہر طبقہ بر ایں خصال شناخت وے فقیہ

(بقیه صفحه ۶۲) فی الدین و راسخ فی العلم است. و هر که از اشباح شرائع به این خصال پے برد
و برنگ آنها رنگین شد و نفس وے آنها را در اصل جوہر خود قبول کرد. وے از محسنین است.
بالجملہ معرفت این چهار خصلت یکے از امور عظام است. که برین بندهٔ ضعیف درود فرمود. و
ذٰلك من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔

(۱) یکے از آنها طهارت است. و حقیقت آں و میل بسوئے آں در هر نفس از نفوس سلیمه
ودیعت نهاده اند. پس اگر نفس بر سلامت فطرت خود باشد. و هیچ عارضی او را تشویش
ندهد لا محاله بر طهارت بود. نه پنداری که مراد ما از طهارت این جا وضو و غسل است بلکه روح
وضو و غسل. و نور آنها و حقیقت آں حیثیتی است وجدانیه که از آں جز به اُنس و نور تعبیر نتواں
کرد. و این صفت اشبه حالات انسان است به حال ملاء اعلیٰ در تجرید ایشاں از الواث
بهیمیه و سرور و ابتهاج ایشاں به خود. و انس ایشاں بقالبے که ایشاں را داده اند. و چوں کسے
به عالم ملاء اعلیٰ پیوندد. و آنجا اُنسے و سروری و ابتهاجی بغیر نهایت مے بیند. پس چوں این
شخص این حالت را در نفس خود راسخ مے سازد و ملکه مے گیرد در میان وے و ملاء اعلیٰ مناسبتے
پیدا مے شود. و بابے از روح جنت و خلاصهٔ آں بر وے مفتوح مے گردد۔

(۲) دوم خضوع برائے خدائے تعالیٰ (و اخبات) و چشم دل به سوئے وے تعالیٰ دوختن
تفصیل این اجمال اینکه نفس سلیمه در حال فراغ از تشویشات خارجیه و طبعیه چوں صفات الٰهی
و کبریا و جلال وے یاد دهند و بوجهے از وجوه روئے او را بداں جانب متوجه گردانند لا محاله
او را حالتے در مے گیرد. از جنس حیرت و دهشت و رنگے احاطه مے کند از رنگ هائے مقدس
مجرد چوں ازیں حیرت و دهشت تنزل مے کند و به حالت سفلیه فرود مے آید همیں حیرت
و دهشت خشوع و خضوع و اخبات مے شود مثل حالت عبید در حضور ئی وارث خویش. یا
روستائی پیش ملوک. بالجمله اشبه حالات نفس به ملاء اعلیٰ در هیمان ایشاں در جلال و کبریائی
او تعالیٰ صفت خشوع و خضوع و مناجات است. چوں نفس برایں کیفیت رنگین شود

(بقیہ صفحہ ۶۳) بابے مفتوح گردد میان ایں نفس و ملاء اعلیٰ از جہت ایں حالت مترشح گردد از ایشاں بریں نفس معارف جلیلہ کہ شبح آں تجلیات الٰہیہ باشند۔

(۳) خصلت سوم سماحت است۔ وحقیقت وے آنست۔ کہ نفس مغلوب دواعی بہیمیہ خسیسہ نشود۔ از طلب لذت، و حب انتقام و بخل و حرص و مثل آں پس ہر شعبہ ایں خصلت بہ اعتبار آں داعیہ مسمے مے گردد باسمے یعنی عدم قبول نفس داعیہ شہوت فرج و بطن را عفت گویند وعدم قبول داعیہ رفاہیت و ترک عمل را اجتہاد گویند، وعدم قبول داعیہ ضجر جزع را صبر گویند۔ وعدم قبول داعیہ حُبّ انتقام را عفو گویند۔ وعدم قبول داعیہ بخل را سخاوت گویند وعدم قبول داعیہ حرص را قناعت گویند۔ وعدم قبول داعیہ مخالفتِ شرع را در حدود و مقادیر کہ تعیین شدہ اند۔ تقویٰ گویند۔ واصل ایں ہمہ خصلت یک چیز است وآں غالب بودن رائے کلی بر دواعی خسیسہ۔ وہر کہ ایں خصلت در نفس وے راسخ شد چوں بمیرد جمیع ہیأت خسیسہ کہ دریں عالم بر نفس وے ہجوم کردہ باشند یکسر متلاشی مے گردند۔ و وے چوں ذہب خالص از بوتہ بر آید۔ وآں خصلتے است کہ دور بودن از عذاب قبر غالبا بر وے موقوف است۔ وصوفیہ آں را زہد و حریت و ترک دنیا گویند۔

(۴) خصلت چہارم عدالت است۔ وآں خصلتے است کہ صدور اقامت نظام عادل و سیاست کلی از وے باشد۔ و وے را شعب بسیار است۔ مثل ادب و کفایت و حریت و سیاست مدینہ وحُسن معاشرت۔ و بالجملہ ایں ہمہ یک اصل دارند۔ و وے آں است کہ نفس ناطقہ بوجہے واقع شدہ۔ کہ نظام نیک را اختیار کند و بہ اضداد آں مترفع است۔ و ہر کہ ایں خصلت در وے بوجہ اتم متحقق شد میان وے و میان آنکہ وسائط جود حضرت حق اند از ملاء اعلیٰ واقامت نظامات عادلہ در اصل فطرت ایشاں نہادہ اند۔ و ایشاں را ہمت قویہ در باب استحسان نظام عادل دادہ اند۔ مناسبتے بلیغہ واقع مے شود۔ و از دل ایں جماعت بہ سوئے وے رقائق نورانیہ مثل اشعہ شمس سیلان مے

بقیہ صفحہ ۶۴ ، نماید ، و ایں رذائل سبب ظہور بسیارے از نعمت و رفاہیت مے باشد ۔

و بالجملہ ایں سخن دراز است ۔ ہر کہ ایں را بہ تفصیل خواہد باید کہ بر کتاب حجۃ اللہ البالغہ رجوع کند ۔ ہ التقاط از مباحث نسخہ خطیہ ص ۵۶ بعد ۔

ے قال الامام ولی اللہ فی الحجۃ ص ۲۳ اعلم ان العجم والروم لما توارثوا الخلافۃ قروناً کثیرۃ وخاضوا فی لذۃ الدنیا ونسوا الدار الاخرۃ تعمقوا فی مرافق المعیشۃ وتباھوا بھا و ورد علیھم حکماء الآفاق یستنبطون لھم دقائق المعاش ومرافقہ ۔ فما زالوا یعملون بھا ویزید بعضھم علی بعض و یتباھون بھا حتی قیل انھم کانوا یعیرون من کان یلبس من صنادیدھم منطقۃ او تاجاً قیمتھا دون مائۃ الف درھم اولا یکون لہ قصر شامخ ولا یکون لہ توسع فی المطاعم وتجمل فی الملابس ۔ وذکر ذلک یطول ۔ وما تراہ من ملوک بلادک یغنیک عن حکایتھم ۔ فدخل ذلک فی اصول معاشھم وتولد من ذلک داء عضال دخل فی جمیع اعضاء المدینۃ وآفۃ عظیمۃ لم یبق احد منھم من اسواقھم ورستاقھم وغنیھم وفقیرھم الا قد استولت علیہ ۔ واعجزتہ فی نفسہ واھاجت علیہ غموماً وھموماً لا ارجاء لھا ۔ وذلک ان تلک الاشیاء لم تکن تحصل الا ببذل الاموال الخطیرۃ ولا تحصل تلک الاموال الا بتضعیف الضرائب علی الفلاحین والتجار واشباھھم والتضییق علیھم فان امتنعوا قاتلوھم وعذبوھم وان اطاعوا جعلوھم بمنزلۃ الحمیر و البقر و یستعمل فی النضح والدیاس والحصاد حتی صاروا لا یرفعون رؤسھم الی السعادۃ الاخرویۃ اصلاً ۔ ولا یستطیعون ذلک ۔ ربما کان اقلیم واسع لیس فیھم احد یھتم بدینہ وصار جمھور الناس عیالاً علی الخلیفۃ یتکففون منہ تارۃ علی انھم من الغزاۃ والمدبرین للمدینۃ یترسمون

(بقیہ صفحہ ٦٥) برسومهم ولا يكون المقصود دفع الحاجة ولكن القيام بسيرة سلفهم. وتارة على انهم شعراء جرت عادة الملوك بصلتهم وتارة على انهم زهاد وفقراء يقبح من الخليفة ان لا يتفقد حالهم. وكل ذلك هو الفن الذي تتعمق افكارهم فيه وتضيع اوقاتهم معه. فلما كثرت هذه الاشغال تشبح في نفوس الناس هيئات خسيسة واعرضوا عن الاخلاق الصالحة و ان شئت ان تعرف حقيقة هذا المرض فانظر الى قوم ليست فيهم الخلافة ولا هم متعمقون في اللذائذ الاطعمة والالبسة تجد كل احد منهم بيده امره وليس عليه من الضرائب الثقيلة ما يثقل ظهره. فهم يستطيعون التفرغ لامر الدين والملة ثم تصور حالهم لو كان فيهم الخلافة وملأها وسخروا الرعية و تسلطوا عليهم.

فلما عظمت هذه المصيبة واشتد هذا المرض سخط عليهم الله والملائكة المقربون وكان رضاه تعالى في معالجة هذا المرض بقطع مادته. فبعث نبيا اميا صلى الله عليه وسلم. لم يخالط العجم والروم ولم يترسم برسومهم. وجعله ميزانا يعرف به الهدى الصالح المرضي عند الله من غير المرضي وانطق بذم عادات الاعاجم وقبح الاستغراق في الحياة الدنيا والاطمئنان بها. و نفث في قلبه ان يحرم عليهم رؤس ما اعتاده الاعاجم وتباهوا بها كلبس الحرير والقسي والارجوان واستعمال اواني الذهب والفضة وحلى الذهب غير المقطع والثياب المصنوعة فيها الصور وتزويق البيوت وغير ذلك وقضى بزوال دولتهم بدولته ورياستهم برياسته وبانه هلك كسرى فلا كسرى بعده وهلك قيصر فلا قيصر بعده. ه. بالالتقاط.

وقال الامام في الحجة ص٣٠٣ وسر تحريم الربوا ان الله تعالى يكره

(بقیہ صفحہ ٦٦) الرفاهية البالغة كالحرير والارتفاقات المحوجة الى الامعان في طلب الدنيا كآنية الذهب والفضة وحلى غير مقطع من الذهب كالسوار والخلخال الطوق. والتدقيق في المعيشة والتعمق فيها. لان ذلك مرد لهم في اسفل السافلين. صادف لافكارهم الى الوان مظلمة وحقيقة الرفاهية طلب الجيد من كل ارتفاق والاعراض عن رديئه والرفاهية البالغة اعتبار الجودة والرداءة في الجنس الواحد و تفصيل ذلك انه لابد من التعيش بقوت ما من الاقوات والتمسك بنقد ما من النقود. والحاجة الى الاقوات جميعها واحدة والحاجة الى النقود جميعها واحدة ومبادلة احدى القبيلتين بالاخرى من اصول الارتفاقات التي لابد للناس منها. ولا ضرورة في مبادلة شئ بشئ يكفي كفاية. ومع ذلك فاوجب اختلاف امزجتهم ومبادئهم ان تتفاوت مراتبهم في التعيش وهو قوله تعالى "نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا" فيكون منهم من يأكل الأرز والحنطة. ومنهم من يأكل الشعير والذرة ويكون منهم من يتحلى بالفضة. واما تميز الناس فيما بينهم باقسام الأرز والحنطة مثلا واعتبار فضل بعضها على بعض وكذلك اعتبار الصناعات الدقيقة في الذهب وطبقات عيارة. فمن عادة المسرفين والاعاجم والامعان في ذلك تعمق في الدنيا، فالمصلحة حاكمة بسد هذا الباب.

نور الحق

قرآنِ عظیم کی اس انقلابی دعوت کو زندہ کرنے کا ارادہ جب کبھی مسلم سوسائٹی میں پیدا ہو، تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرفائے قریش[1] کے جو خاندان مہاجرین اولین کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ اُن کی ذہنیت اور اُن کی معاشی، معاشرتی، سیرت کو اپنا امام بنائے یہ انقلابی روح پیدا کرنے کے لئے حکیم الہند عربی زبان اور عرب[2] اول کی سیرت کو ایک معیار قرار دیتے ہیں۔ اُن کا یہ مطلب نہیں کہ سفہاء عرب اگرچہ جاہلیت کو زندہ کر رہے ہوں۔ اس صورت میں بھی انہیں کی اقتدا کی جائے۔

---

[1] شرفائے قریش۔ ایک اجتماع فقط اجتماع ہی سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن عظیم نے انبیائے سابقین کی صالح جماعتوں کا تذکرہ کر کے مسلمانوں کو ایک ایسی جماعت بنانے پر آمادہ کر لیا۔ اب نزول قرآن کے بعد جب کبھی مسلمان اجتماعی طور پر پھر کھڑے ہوں تو انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے پہلے اجتماع سے متاثر ہونا چاہیئے۔ تاکہ قرآن کا اصلی مفہوم ان کے اذہان میں اتر سکے۔

[2] عرب اول۔ عرب قوم کا اتباع اور چیز ہے۔ اور عرب اول کے انقلابی طبقے کا اتباع بالکل دوسری چیز ہے۔ انقلاب پیدا کرنے کے لئے انقلابی سیرت سامنے رکھنی چاہیئے قریش اپنے شہر کے حاکم تھے۔ انہوں نے گھر چھوڑا۔ اپنی حکومت کو خیرباد کہی۔ پردیس میں جا کر اپنی محنت سے نئے گھر بنائے۔ تاکہ وہ قرآن کے انقلاب کو کامیاب بنا سکیں۔ اُن کی یہ سیرت قرآن

جملۂ معترضہ | حکیم الہند کے اس چوتھے اصول کو ہم اُس وقت تک نہیں سمجھ سکے جب تک ہم نے یورپ میں جا کر سوشلزم کا مطالعہ نہیں کر لیا۔ جن رفقا نے ہمیں اس مطالعے میں مدد دی وہ عموماً کارل مارکس[1] کے متبع تھے۔ اُس کے احترام میں اس قدر مبالغہ کرتے جس سے ہمیں تکلیف ہوتی۔ اور اس فضیلت کا مدار وہ اُس کے اقتصادی نظام کو بتاتے۔

ہم حیران رہ گئے جب اس قسم کے انقلابی پروگرام کے تمام ضروری حصے ہم نے حکیم الہند کی تصانیف میں جو کارل مارکس سے بہت پہلے گذرے ہیں نہایت بسط سے مدون پائے۔ امام ولی اللہ ۱۷۶۲ء میں فوت ہوئے۔ اور کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا۔

(بقیہ صفحہ ۶۸) سمجھنے کے لئے ذہنیت تیار کر دیتی ہے۔ ایک شخص اپنے گھر بار کا دلدادہ ہے اور چاہتا ہے کہ قرآن بھی سمجھے۔ ع این خیال است و محال است و جنوں

ہمیں اپنی قوم کی ذہنی پستی پر نہایت صدمہ ہوا جب ہم نے یورپ کے انقلابیوں کی اولوالعزمی دیکھی۔ ہم اپنے نوجوانوں سے مایوس نہیں ہیں۔ مگر ہم پیرانِ پارسا کو کوئی درجہ نہیں دے سکتے۔

[1] کارل مارکس مئی ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا۔ اس نے ۱۸۸۳ء میں وفات پائی۔ اس کا اشتراکی مینی فیسٹو ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔ اور اس کی قائم کردہ پہلی انٹرنیشنل کا اجلاس ۱۸۶۴ء میں منعقد ہوا جس پر اس کے پروگرام کا پہلی مرتبہ تعارف کرایا گیا۔ اس حساب سے شاہ صاحب پہلی انٹرنیشنل سے ۱۰۲ سال پیشتر اور مارکس کے اعلان اشتراکیت کی اشاعت سے ۸۵ سال پیشتر وصال فرما چکے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سراج الہند امام عبد العزیز

۱۱۵۹ھ — ۱۲۳۹ھ

جب امام ولی اللہ فوت ہوئے تو مولانا عبد العزیز اُس وقت سترہ برس کے نوجوان تھے ابھی طالب العلمی سے بھی فارغ نہیں ہوئے تھے۔ مگر امام ولی اللہ کی جمعیۃ مرکزیہ نے مولانا عبد العزیز ہی کو حزب ولی اللہ کا رہنما (امام) ماننے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے وُہ امام ولی اللہ کے طریقے پر مولانا عبد العزیز کی علمی تکمیل پر متوجہ ہوئے مولانا محمد عاشق اور مولانا محمد امین نے علم حدیث میں اور امام ولی اللہ کی انقلابی تحریک کے اصول میں اور مولانا نور اللہ (جو مولانا عبد العزیز کے خسر بھی تھے) فقہ حنفی میں مولانا عبد العزیز کی تربیت مکمل کر کے انہیں امام عبد العزیز کے درجہ تک پہنچایا۔

---

[1] تین عفت مآب صاحبزادیوں کے سوا آپ کے اولاد نہ تھی۔ اور صاحبزادیاں بھی صاحب اولاد ہو کر آپ کی حیات ہی میں رحلت کر گئیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی مولانا رفیع الدین صاحب

(بقیہ صفحہ ۷۱) کے صاحبزادے مولانا چیلنے سے منسوب ہوئی تھیں۔ منجھلی صاحبزادی جناب شیخ محمد افضل سے منسوب ہوئیں۔ جن سے مولانا اسحاق مہاجر اور مولانا محمد یعقوب مہاجر (اُن کے چھوٹے بھائی) پیدا ہوئے۔ تیسری صاحبزادی حضرت مولانا عبدالحی کے عقد نکاح میں تھیں۔ جو ایک فاضل اجل اور نہایت شریف و خلیق تھے۔ اور امیر شہیدؒ کی معیت میں ایک عرصۂ تک ہندستان اور اس کے اطراف میں رہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ آپ کے پھوپھا بھی تھے۔ کیونکہ آپ کے والد مولینا رحمۃ اللہ اُن کے والد مولینا نوراللہ ہیں ۱۲۔ نور۔ ار نومبر سنہ ۱۹۲۱ء

شاہ عبدالعزیزؒ کی امامت

...........امام ولی اللہ کی اپنی صحبت سے راسخین فی العلم کا ایک مختصر سا طبقہ تیار ہوا جس کے سرکردہ حضرات مذکورہ بالا (یعنی مولانا محمد عاشق۔ خواجہ محمد امین کشمیری اور مولانا نوراللہ) تھے انہی کے ذریعے سے شاہ صاحب کے علوم محفوظ ہوئے۔ اور آگے پھیلے۔ اس کے ساتھ شاہ صاحب کے شاگردوں کا ایک دوسرا طبقہ بھی پیدا ہوا جس میں اُن کی اولاد بھی داخل ہے۔ امام عبدالعزیز ہر دو کے مسلّم امام ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے خواص سے اگر دس آدمیوں نے استفادہ کیا ہے۔ تو شاہ عبدالعزیز کے خواص سے دس ہزار مستفید ہوئے۔ شاہ ولی اللہ کے زمانے میں سلطنت دہلی میں فی الجملہ استمساک تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے عہد میں وہ بھی ختم ہوگیا۔ انگریزی ریزیڈنٹ دہلی میں موجود رہا۔ انگریزی حکومت شاہ ولی اللہ اور اُن کے علوم۔ اور اُن علوم کی تاثیر سے ایسی ناواقف نہیں تھی۔ جیسے ہندوستانی ناواقف تھے۔ ہندوستانی شاہ عبدالعزیز کو اُس عہد کے چند بڑے علماء میں سے ایک چیدہ عالم مانتے تھے۔ جیسے شاہ ولی اللہ صاحب کو اپنے زمانے میں دہلی کے بڑے آدمیوں سے مانا جاتا تھا۔ مگر شاہ عبدالعزیز کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کے علوم عامۂ اہل علم تک پہنچا دئے۔ جو چیز اُن علماء کے اذہان پر غالب ہے۔ اس میں وہ خود توغل کرتے ہیں۔ پھر ان علمی کتابوں میں جو اقوال شاہ ولی اللہ کی تحقیق کے خلاف موجود ہیں سب پر بالتدریج لطافت سے جرح کرتے ہیں۔ یہ چیز اُن کے ذاتی کمالات میں مانی جاتی ہے۔ اہل علم جانتے ہیں۔ کہ

(بقیہ صفحہ ۷۲) اس طرح جرح کرنے والا عالم ایک لمبے زمانہ سے پیدا نہیں ہوا۔ اس کے آخر میں آپ شاہ ولی اللہ کا قول بہت ہلکے الفاظ میں نقل کر دیتے ہیں۔ وہ دماغ میں جذب ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی اُسے نہ اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور نہ شاہ ولی اللہ کی طرف۔ اس طرح آپ عامۃ اہل علم کو امام ولی اللہ کی تحقیقات سمجھنے کا اہل بنا دیتے ہیں۔ اس کی مثالیں تحفہ اثنا عشریہ" اور "تفسیر عزیزی" میں کثرت سے ملیں گی۔ آپ نے اپنے خواص اہل بیت کو اور جو اُن میں مندرج ہو سکا شاہ ولی اللہ کی کتابوں کا محقق بنا دیا۔ اس طرح کم از کم آپ نے ساٹھ برس کام کیا۔ یہاں تک کہ وُہ علم اور وہ حکمت زمین پر راسخ ہو گئی۔ اب اگر یہاں یورپ کی ایک بڑی عقلمند انقلابی حکومت نہ ہوتی تو شاہ عبد العزیز کے علوم ہندوستان کے بادشاہ ہوتے۔ مگر اس عقلمند انقلابی حکومت میں اتنی استعداد ہے کہ اس کی صورت کو مسخ کر کے اُس سے دنیا کو متنفر بنا دے۔ مگر جن لوگوں کی طبیعتوں میں علمی ذوق فطری طور پر موجود تھا۔ اُن پر اس مخالف پروپیگنڈے کا کچھ اثر نہیں ہو سکا۔

(۲) شاہ عبد العزیز کا مقصدِ حیات اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تھا۔ کہ شاہ ولی اللہ کی انقلابی سکیم کو ہندوستان میں کامیاب بنائیں۔ شاہ ولی اللہ کو الہام ہوا کہ جو چیزیں تمہیں دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے لئے کافی صبر کی ضرورت ہے (دیکھو تفہیمات ص ۱۲/۲) اس کام کو پورا کرنا شاہ عبد العزیز کا مقصد تھا۔ شاہ عبد العزیز کے ساتھ اُن کے اپنے بھائی شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر بہترین معاون ثابت ہوئے۔ عقلی مسائل کیلئے جس قدر تحقیقات کی ضرورت ہوتی۔ اس کو شاہ رفیع الدین پورا کرتے رہے۔ کشفی مسائل میں خصوصیت کے ساتھ شاہ عبد القادر ممتاز تھے۔ نقلی علوم کی تعلیم شاہ عبد العزیز کا اپنا کام تھا۔ اس طرح عقل نقل کشف کی جامع سوسائٹی پیدا کرنے کی کوشش جاری رہی۔

اس کے نتیجے میں چار ممتاز شخص پیدا ہوئے۔ (۱) مولانا عبد الحی۔ یہ حضرات ثلاثہ (ہر سہ برادران) کے تلامذہ میں اول درجے کے عالم تھے۔ اور امام عبد العزیز کی طرح جامعیت کے مالک تھے۔ (۲) حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ یہ عقلیت میں شاہ رفیع الدین کے قائم مقام تھے۔ (۳) حضرت مولانا محمد اسحٰق یہ شاہ عبد العزیز کی طرح نقلی علوم پڑھانے کے مرکز تھے۔ (۴) حضرت سید احمد بریلوی۔ جو ان کے مدرسے

(بقیہ صفحہ ۷۳) کے شاگرد تھے۔ مگر وہ کشتی میں اپنے زمانے کے عارفین بلکہ بہت سے متقدمین پر بھی سبقت لے گئے تھے۔ اُن کی تربیت شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کی صحبت میں مکمل ہوئی۔

جب یہ انقلابی جماعت تیار ہوگئی تو شاہ عبدالعزیز نے اپنا انقلابی پروگرام تطبیق دینا شروع کیا۔ شاہ صاحب نے سید احمد کو خاص پروگرام دے کر امیر خاں والئے ٹونک کے لشکر میں بھیج کر انقلابی کام شروع کر دیا۔

(۴) امام ولی اللہ کو جس منصب کا وعدہ دیا گیا جس کی وُہ امید رکھتے تھے۔ اس کا تعلق عام مسلمانوں کی اصلاح سے تھا۔ اس فکر کے تمرکز نے ان کو ائمہ فقہا کے اختلاف کو حل کرنے کی طرف مائل کر دیا۔ تاکہ عوام کا اختلاف باقی نہ رہے۔ چنانچہ وہ فقہ حنفی اور فقہ شافعی کو ایک درجے پر مانتے ہیں۔ قدرتی طور پر اُن کو دونوں فقہ میں تحقیق کا اچھا موقع ملا۔ فقہ حنفی اپنے والد سے سیکھی۔ اور فقہ شافعی شیخ ابوالطاہر مدنی سے پڑھی۔ مگر آخر میں انہیں سمجھایا گیا۔ کہ فقہ حنفی کی ایسی اصلاح ممکن ہے جس سے وُہ قرن اول کے مطابق ہو جائے۔ (دیکھو فیوض الحرمین ص ۴۸ و ص ۶۲ و ص ۶۴ و تفہیمات ص ۹۶) اس پر دہلی میں بیٹھ کر انہوں نے حنفی فقہ اپنی تجدید کے ساتھ پڑھانا شروع کی۔ یہ اُن کے آخری اعمال سے ہے۔ باوجود اس اہتمام کے وُہ اپنے ملک کے حنفیہ کو مطمئن نہیں کر سکتے تھے جب تک ایک عالم حدیث کو ضروری نہ سمجھے۔ اس کو شاہ صاحب کے مسلک کی جلالت سمجھ آ ہی نہیں سکتی۔ امام عبدالعزیز نے حنفی فقہ اور مروجہ تصوف کو اپنے والد کے اصول پر اصلاح کر کے رواج دینا شروع کیا۔ فقہ شافعی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ ان کی طبیعت ہندوستانی عالموں سے متقارب واقع ہوئی تھی۔ حنفی علماء نے خوشی سے اُن کی شاگردی اختیار کی۔ اور ایک لمبے وقت تک کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں کوئی جیّد عالم ایسا نہیں رہا۔ جو حدیث پڑھنا ضروری نہ سمجھتا ہو۔ اور پھر اس کی سند کسی نہ کسی طریقے سے شاہ عبدالعزیز پر ختم نہ ہوتی ہو۔

ہم جو کہتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز شاہ ولی اللہ کے لئے ایسے ہیں جیسے امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے لئے۔ تو اس کا یہی مطلب ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷۴) (۴) ہمارے خیال میں شاہ عبدالعزیز کے پروگرام کا خاکہ وہی تھا جس پر شاہ ولی اللہ پہلے عمل کر چکے تھے۔ مرہٹوں کے تغلّب کو دُور کرنے کے لئے نواب نجیب الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی۔ ہمارے نزدیک یہ بات محقق ہو چکی ہے۔ کہ نواب نجیب الدولہ کو شاہ ولی اللہ نے اپنے الہامی اشارے سے ادھر توجہ دلائی تھی؎

اب دوسری دفعہ جب سکھوں کا پنجاب میں غلبہ ہوا اور دہلی میں انگریز آگئے۔ تو شاہ عبدالعزیز کا پروگرام یہی تھا کہ کابل اور قندھار کی طاقت کو دعوت دے کر دہلی بلایا جائے۔ اگر وہاں کے امرا نا قابل ثابت ہوں تو اُن اقوام کے لائق افراد سے استفادہ کیا جائے؎

اس کے لئے وہاں ایک امارت قائم کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور افغانوں میں ایک سیدؒ کی امارت بہت جلد مقبول ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے سیّد صاحب کو امیر مقرر کیا گیا۔ اور مولانا شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ کو ان کا وزیر بنا کر ساتھ کر دیا گیا؎

اپنا پارٹی پروگرام تسلیم کرانے کا پہلا درجہ یہ ہے۔ کہ اسلامی عقائد و اخلاق میں جو غلطیاں عوام میں رائج ہو چکی ہیں۔ لوگوں سے اُن کی اصلاح کا پروگرام تسلیم کرایا جائے۔ اس سے وہ دوسرے مرشدوں اور عالموں سے جدا ہو سکیں گے۔ اور تحریک کو آگے بڑھانے میں مخالف پارٹی کے لوگ دخل انداز نہیں ہو سکیں گے۔ سید صاحب اور مولینا شہید اور مولانا عبدالحی اس انقلابی پروپیگنڈے کے مرکز بنائے گئے۔ شاہ عبدالعزیز نے شاہ اسحاقؒ کو اپنی جگہ مقرر کیا۔ ہماری سمجھ میں اس نئے حزب کے امیر شاہ اسحاق تھے۔ سید صاحب فقط امیر الدعوت و امیر الجہاد تھے۔ اور یہ جماعت دہلی کی سلطنت کی کمزوری کو دُور کرنے کے لئے کھڑی ہو رہی ہے۔ اس کو ایک حکومت موقتہ کا درجہ دینا چاہیئے؎

اس تقسیم عمل میں شاہ عبدالعزیز نے وُہ کمال کر دکھایا ہے جس کی حکمت سمجھنے سے اکثر عقلمند عاجز آگئے۔ اور انہیں احمق بناتے ہیں بہت زیادہ دخل اس قوت حاکمہ کا ہے۔ جو شاہ عبدالعزیز کے کام کو پورے طور پر سمجھ کر نا کام بنانا چاہتی ہے۔ سید صاحب کی امارت اور اُن کا

اسی زمانہ میں امام عبدالعزیز نے امام الانقلاب امیرالمومنین علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا، امیرالمومنین نے انہیں یقین دلایا کہ عام طور پر فقہا، اور صوفیہ کے مروج طریقے افراط و تفریط سے خالی نہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مطابق وہی طریقہ ہے جس کی امام ولی اللہ دعوت دیتے ہیں

(بقیہ صفحہ ۷۵) جوشِ جہاد۔ اور اُن کا کشفی کمال عامۃ المسلمین کو جمع کرنے کا بہترین ذریعہ اور اعلیٰ تدبیر تھی۔ اس لئے امام عبدالعزیز نے یہ کام اُن کے حوالے کیا۔ مگر اس امارت کو تھامنے کے لئے جس قدر تعلق شاہ ولی اللہ کی تحریک اور پھر شاہ عبدالعزیز کے کام سے تاریخی طور پر ہونا چاہیئے۔ اس سے سید صاحب کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ ممکن ہے کہ وُہ ایک نئی تحریک شروع کردیں۔ اور وہ اصلی چیز کی طرف جس کو بڑھانا ضروری ہے۔ متوجہ نہ ہو سکیں۔ اس نقص کے جبر کے لئے مولانا عبدالحیؒ اور مولانا شہیدؒ اُن کے ساتھ لگا دئے گئے۔ اور اپنے متبعین کو ہدائتیں دی گئیں۔ کہ جس امر پر یہ تینوں حضرات جمع ہو جائیں۔ اسے شاہ عبدالعزیز کا حکم سمجھا جائے۔ اُس زمانے کے حالات کے مطابق اس سے بہتر تقسیمِ عمل ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی ؛

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھنا

فی الامالی العزیزیہ فقیر در خواب دید کہ

میدانے است درآں فرش سفید براق گسترده اند۔ و برآں فرش مردم بسیار باشکل نورانی و لباسہائے فاخرہ، منتظر قدوم برکت لزوم جناب امیر نشستہ اند۔ فقیر ہم بدریافت ایں معنی دراں مقام بر فرش مذکور جا گرفتہ۔ ناگاہ جناب امیر از جانب قبلہ نمایاں شدند۔ و بسمت آں فرش توجہ فرمودند۔ مردم ہمہ برائے تعظیم برخاستند۔ و بلب فرش منتظر ایستادند۔ فقیر نیز در وسط فرش منتظر ایستادہ بسبب ہجوم اشتیاق با عظمت تا لبِ فرش نتوانست رسید۔ ایشاں تشریف آوردہ، تفریق صفوف نمودہ، نزد

(بقیہ صفحہ ۷۶) فقیر آمدہ۔ چار زانو نشستند۔ فقیر با ادب تمام دو زانو مقابل نشست۔ الطاف بسیار فرمودند۔ با ہیچ کس کلام نفرمودہ با فقیر ہمکلام شدند۔ فقیر آں وقت را غنیمت دانستہ چند چیز دراں وقت کہ در ذہن حاضر شدہ عرض نمود۔ جواب با صواب یافتہ۔

اول آنچہ فرمودند ایں بود کہ شنیدہ ام شخصے بزبان پشتو کتابے تصنیف کردہ است دراں کتاب چیزے کہ تحقیر من بود۔ درج نمودہ۔ شمارا اطلاع ایں معنی ہست یا نہ؟ فقیر عرض نمود۔ بندہ زبان پشتو نمے داند۔ تا از حال ایں کتاب واقف باشد۔ موافق فرمودہ تحقیق خواہم کرد۔

باز عرض نمودم کہ از مذاہب فقہا کدام یک مختار و پسند جناب است؟ فرمودند ہیچ مذہب پسند ما نیست۔ یا بطور ما نیست۔ افراط و تفریط بعمل آوردہ اند۔

باز عرض نمودم کہ از طرق اولیاء اللہ کرام یک طور پسند جناب عالی است؟ فرمودند ایں جا ہم ہماں جواب است۔ در ہر طریقہ چیزہائے نامرضی و خلاف طور احداث نمودہ اند۔ و با ایں ہمہ از طور ما قصور دارند۔ زیرا کہ در عہد سہ طریق شغل کہ در تقرب الی اللہ مفید باشد۔ معمول و مروج بود۔ (۱) ذکر (۲) تلاوت (۳) نماز۔ آنہا فقط ذکر را مقرر کردہ اند۔ و تلاوت قرآن و نماز را شغل نمے دانند۔ بعد ازاں یکایک برخاستہ بہماں سمت سرعت کناں تشریف بردند۔ و مردم دیگر کہ منتظر بودند در حیرت ایستادند۔ قال مولانا الشیخ عم فیضہم فی کتاب التمہید فی ائمۃ التجدید ص۲۰۲ فی رجب سنہ ۱۱۸۶ او سنہ ۱۱۸۸ تشرف الامام عبدالعزیز فی الرؤیا بلقاء امیر المؤمنین علی بن ابی طالب: ما مر الانقلاب فارشدہ الامیر الی اہمیۃ الاجتماعیۃ وطرق اصلاحہا۔ وداوم الشیخ علی ارشاد الامیر بالاستقامۃ۔ ووصل روح الاصلاح الی عامۃ المؤمنین فی حیوتہ وقام اصحابہ بمعاونۃ عامۃ المسلمین من جمیع الاصناف الی اقامۃ الحکومۃ الموقتۃ الہندیۃ لاحیاء الجادۃ القویمۃ المحمدیۃ۔ تمہید۔ سیرت سید احمد شہید ص۴۳ میں مذکور ہے کہ صبح اٹھ کر شاہ صاحب سب سے پہلے حضرت شاہ غلام علی مجددی مظہری

امیرالمومنین نے اُن کی قلبی کیفیت میں ایک انقلاب پیدا کردیا جسے امام عبدالعزیز بیداری میں بھی اپنے اندر مستقر پاتے تھے۔ امیرالمومنین نے انہیں پشتو سیکھنے کی طرف توجہ دلائی۔

(بقیہ صفحہ ۷۷) (متوفی سنہ ۱۲۴۰ھ خلیفہ حضرت مرزا مظہر کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اور خواب کی تعبیر چاہی۔ شاہ غلام علی نے فرمایا۔ میری سمجھ میں آتا ہے کہ سید حسن رسول نما کی وفات کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توجہات دیار میں ہدایت خلق کی طرف بہت کم ہو گئی ہے اس خواب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب آپ کے (یا آپ کے کسی مرید رشید کے) ذریعہ وہ سلسلہ پھر شروع ہو جائے گا۔ شاہ صاحب نے فرمایا میرے خیال میں بھی یہ تعبیر آئی تھی۔ مولینا الشیخ عم فیضہم نے مجھ سے ۲۶ جون سنہ ۱۹۴۰ء کو فرمایا کہ یہ خواب امام عبدالعزیز کی عظمت پر دال ہے۔ کہ اُن کے عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی بغیر آپ کے ممکن نہ تھی۔ رہا فقرہ محصورہ بین الخطین۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ فقرہ شاہ غلام علی رح کے ذمہ لگا کر محض اس لئے بڑھایا گیا۔ کہ سید امیر شہید کی فضیلت ثابت کی جاسکے۔ ورنہ اصل خواب سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

نوائد ۵۔ سید حسن رسول نما کا تذکرہ مختصر خزینۃ الاصفیاء ص۱۸۰ میں موجود ہے۔ وفات سنہ ۱۱۰۳ھ امام ولی اللہ تفہیمات ص۴۴ (خطبہ) میں لکھتے ہیں۔ خواجہ محمد ماہ عزیزے از اتباع میر ابوالعلی نزد بہار گنج اقامت داشتند۔ بصحبت سید حسن رسول نما رسیدہ بودند۔ نقل میکردند کہ روزے سید حسن بیتے از قوالے سماع کردند کہ مضمون آں تشبیہ خود بود با سگ محبوب۔ و ازاں تشبیہ لذت تمام یافتند اما آں لذت می آمد و می رفت۔ استقرار نداشت۔ بگوشہ رفتند۔ رسن در گلو بستند و آں را بہ میخے مضبوط ساختند و جُلّے برخود انداختند و ہماں بیت می خواندند و گرد آں میخ می گشتند۔ بہ ایں کیفیت آں لذت در ایشاں مستقر شد۔ و فتح باب ایشاں را ایں صورت واقع گشت۔

(بقیہ صفحہ ۷۸)

زبان پشتو اور یورپین ازم

اس کی روح یہ ہے کہ اُن کو پشتونوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اس سے پہلے شاہ ولی اللہ خیر کثیر میں لکھ چکے ہیں۔ کہ حکومت چلانے کی استعداد مسلمانانِ ہند سے افاغنہ کی طرف منتقل ہو چکی ہے وقلت ونصہ۔ والدولۃ بحسب الظاہر ینقسم علی شعوب الناس لکل فی زمان کان للحجاز ثم للعراق ثم لاہل فارس ثم لاہل الهند۔ ورجع الیوم الی الافاغنۃ و کذالک الدولۃ الباطنیۃ علی ہذا الترتیب ولکن الافاغنۃ واہل الفارس لا یوجد فیہم الانسلاخ قط فکما لاثم مزاجیۃ۔ ہ۔ نور الحق غفر لہ

حضرت مولینا عم فیضہم نے اس کی توضیح میں مجھے املا کرایا۔ کہ اس سے مراد فقط جنگی طاقت اور حربی قوت ہے۔ یہی راز ہے ہمارے اس مقولہ میں۔ کہ "پہلے یورپین بنو"۔ افغانوں میں چونکہ لڑنا اور مردانگی موجود ہے۔ اُن کو ایک عالم منظم کر کے اسلامی قومی حکومت کی فوج بنا سکتا ہے۔ مگر جس قوم سے لڑنے مرنے کی طاقت سلب کر لی گئی ہو۔ وُہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ آج اس کی پہلی مثال ہندو بنئے میں ملتی ہے۔ وُہ بڑا حساب دان ہے۔ بڑا مالدار ہے۔ مگر وُہ حکومت نہیں سنبھال سکتا ایک معمولی سپاہی اس کی جائداد پر قبضہ کر کے مالک بن سکتا ہے۔ دوسری مثال ہندوستانیوں میں ہے جو قومیں انگریزی فوج میں ملازمت کر کے، اور یورپین طریقے پر سپاہی بننا نہیں سیکھ سکیں گی۔ وُہ ہندوستان کی آئندہ حکومت کبھی سنبھال نہیں سکتیں۔ میں باوجود ہزارہا اختلافات کے سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کی ہمیشہ تائید کرتا ہوں کہ وُہ میری قوم کو فوج میں بھیجنے کا حامی ہے۔ سو میں نوے فیصدی افراد جنگ میں مر سکتے ہیں۔ مگر دس جو واپس آئیں گے وُہ ہمارا اصلی سرمایہ ہوگا۔ اس لئے ہم تعلیم یافتہ طبقے کو مجبور کر دیں گے۔ کہ وہ یورپین طریقے پر فنونِ حرب سیکھے۔ انہیں اس کام میں مہارت پیدا کرنے کے لئے سوائے ترکی حربی کالج کے اور کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ اگر وہ ترکوں کی طرح پہلے اپنے آپ کو یورپین نہیں بنا لیں گے۔ ترکی حربی کالج میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ جب وُہ وہاں سے فارغ ہو کر آئیں گے۔ تو مستقبل ہند میں جب ڈومینین سٹیٹس مل جائے گا۔ اس وقت وُہ اپنے

(بقیہ صفحہ ۷۹) کاشتکاروں کو فوجی تعلیم دینا شروع کریں گے۔ اس کے لئے اُن کو کاشتکاروں کو بھی یورپین بنانا پڑے گا۔ اگر کاشتکاروں کی تحریک کا انکار کر دیں۔ تو اُن کا وجود بے کار ہو جائے گا۔ اس لئے ہم اپنی قوم سے وُہ لعنت کے جراثیم جو مسجدوں اور خانقاہوں سے پھیلتے ہیں۔ اور قوم کو نامردی سکھانے کا نام انہوں نے اسلام رکھا ہوا ہے۔ مذکورہ وقت آنے سے پہلے..... ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

ہم عام لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ کہ وُہ اپنی مادری زبانیں انگریزی حروف میں لکھنا۔ پڑھنا شروع کر دیں۔ اور اپنے خاندان کے کسی فرد کو۔ عام اس سے کہ عورت ہو یا مرد۔ ایسا نہ چھوڑیں کہ وہ اپنی زبان یورپین حروف میں نہ لکھ سکتا ہو۔ اس کے بعد اس کو ترکوں کی طرح زندگی بسر کرنا سکھانا چاہیئے۔ ترکوں میں بھی اسی طرح بے ایمان آدمی موجود ہیں جیسے ہمارے یہاں ہیں۔ مگر ترکی قوم کے ایمان میں جسے شبہ ہو سکتا ہے۔ وہ احمق ہے۔ اب ترکوں نے اپنا قومی طریقہ یورپین ازم بنا لیا ہے۔ ہم اس مسلم قوم کے ترقی یافتہ نمونے پر اپنی قوم کو تیار کرنا چاہتے ہیں۔ ان حقائق سے ہمارے بڑے بڑے عالم ناواقف ہیں۔ ان کو واقف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ نہایت نرم زبان میں ان کو یہ چیزیں سمجھا دی جائیں۔ مگر ہماری قوم میں ایک ضدی عنصر موجود ہے۔ وُہ مسلمانوں کی ہر تباہی کو قبول کر سکتا ہے۔ مگر اپنے طرز میں تبدیلی کا روادار نہیں بنتا۔ ہم انہیں منہ نہیں لگاتے۔ اور جب موقعہ ملے گا ہم انہیں ختم کر دیں گے۔ یہ میں اپنی ذہنیت کی ترجمانی نہیں کر رہا۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ ہندوستان میں انقلاب آئے گا۔ میں اس انقلابی جماعت کی ترجمانی کر رہا ہوں میں نے روس میں ٹریننگ لی ہے۔ انقلابی جماعتوں کا کافی تجربہ کیا ہے۔ وُہ سب کے سب ایک ہی مسلک پر چل رہے ہیں۔ اُن کی زبانیں مختلف ہیں۔ اُن کے مذاہب مختلف ہیں۔ مگر معاشرت کا طریقہ سب میں مشترک ہے۔

حلِّ شبہہ

ہمارے سمجھدار طبقے کو ہماری طرح جب تک ہم ہندوستان میں تھے ایک شبہ دامن گیر رہتا ہے۔ وُہ یہ کہ انگریزی کالجوں اور انگریزی خاتر سے

(بقیہ صفحہ ۸۰) ایک نوجوان جو ذہنیت لے کر آیا۔ وہ سوائے یورپین فیشن کے اور کوئی کمال نہیں رکھتا۔
وہ ملازمت سے روپیہ کماتا ہے۔ اور اپنی ضرورتیں اس قدر بڑھاتا ہے۔ کہ باپ دادا کا اندوختہ اس
فیشن پرستی کی نذر کر کے ختم کر دیتا ہے۔ پھر نزاکت، بزدلی، نامردی، کا پورا پورا نمونہ بن جاتا ہے۔ اور دن
رات اس تعریف میں لگا رہتا ہے۔ کہ یورپین بنے بغیر انسان انسان نہیں کہلا سکتا۔ ہمیں خود اس گروہ
سے کافی واسطہ پڑتا رہا۔ اور ہم اپنی پرانی ہندوستانی زندگی میں اُن سے متنفر رہے۔ اور اپنی قوم کو
اس سے بچانے کے لئے کوشش کرنا ایمانی فرض جانتے ہیں۔ اب ہماری ذہنیت بن چکی ہے۔ کہ ہم
ان نازک مزاج، نازک اندام افراد کے بجائے اپنے کاشتکاروں کو یورپین بنائیں۔ ہمارا پہلا تجربہ غلط
اور غیر مفید ثابت ہو چکا ہے۔ ہم اپنی قوم کے کارکن عنصر کو جو ہمارے ملکوں میں عموماً کاشتکار ہے۔
اقتصادی مصیبتوں میں گرفتار دیکھتے ہیں۔ اُس کو ان مصائب سے نجات دلانا قوم کی ہستی کیلئے
ضروری ہے۔ اس کی نجات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جب تک وہ اپنی اصلاح کے لئے خود کھڑا نہ ہو
مگر اس اصلاح سے پیشتر اس کو تعلیم دینا ضروری ہے۔ سرمایہ دار حکومت نے تعلیم چند افراد کے
لئے مخصوص کر رکھی ہے۔ اب یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے کاشتکاروں کو کالج کے گریجوایٹ بنا سکیں۔ مگر
یورپ کے طریقے پر کاشتکاروں کو عالم بنایا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے انہیں اپنی مادری زبان
میں لکھنا پڑھنا سیکھنا چاہئے۔ اس کے لئے ہمارا عربی رسم الخط ایک مانع قوی ہے۔ کہ ایک ایسے
انسان کو جو چوبیس گھنٹے کام میں مصروف رہتا ہے۔ اس کو یہ خط سکھانا جو ایک ایک حرف کی کئی
شکلیں پیش کرتا ہے۔ سیکھنے سکھانے والے دونوں کے لئے بے حد دشوار ہے۔ رومن حروف۔ جو
علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ حروف شناسی کے بعد ساری عمر کے لئے انسان فارغ ہو جاتا
ہے۔ ٹائپ رائٹر مشین کے توسط سے ہاتھ سے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم مسجدوں میں ٹائپ رائٹر
مشین رکھ کر اپنے بچوں کو چند گھنٹوں میں اپنی مادری زبان لکھنا پڑھنا سکھا سکتے ہیں۔ سپاہی بننے
کیلئے اتنی ہی تعلیم ضروری ہے۔ اس تعلیم پر وہ مصارف عائد نہیں ہوتے۔ جو کالج میں گریجوایٹ بننے
پر واجب آتے ہیں۔ اور نہ فیشن پرستی کا شکار ہو کر نزاکت اور بزدلی گمراہ بنا سکتی ہے +

امام عبدالعزیز حقیقت میں وہ پہلے امام ہیں، جنہوں نے امام ولی اللہ کے اصول پر ہندوستان میں قومی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

(بقیہ صفحہ ۸۱) جس وقت ہم اپنی مادری زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھ گئے۔ تو ہر زبان کے لئے ایک مرکزی پریس تعلیم دینے کے لئے کافی ہے۔ اس میں ماہوار رسالے نکلیں گے۔ ہفتہ وار پرچے ہوں گے۔ روزنامے ہوں گے۔ ہر شخص اپنی زبان میں گھر بیٹھے پڑھ سکتا ہے۔ قوموں کو اس طرح تعلیم دینے کی سہولت جس طرح اس عہد میں موجود ہے پہلے زمانے میں کسی کے خیال میں بھی نہ تھی۔ اب ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

اصلی پروگرام

مذکورہ بالا بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میرا اپنا ذاتی دوسرا پروگرام بھی ساتھ ہے۔ میں کم از کم چالیس سورتیں قرآن عظیم کی قوم کی مادری زبان میں تفسیر کر کے پریس کے ذریعہ اُن کے گھروں میں پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد اُن کو کوئی دجّال دین سے بھٹکا نہیں سکے گا۔ سوائے اُن لوگوں کے جو دجّالیت پر مطبوع ہو چکے ہوں۔ میری زندگی کا آخری مقصد یہی آخری چیز ہے۔ مگر یہ اس پہلی تعلیم پر موقوف ہے۔ اس لئے میں اس پر زور دیتا ہوں۔ اس سے بہتر کوئی اور پروگرام میرے سامنے لائیں۔ میں اُس کو مان لوں گا۔

مسلم لیگ کے اراکین کی سکیمیں جو ساری عمر انگریزی دفتروں میں کام کرتے رہے۔ یا کسی عالم کی جو سلف کے طریقے کا ماہر ہے۔ مگر اس یورپ کا ایک حرف نہیں جانتا جس نے دیور بنے، تمام اسلامی سلطنتوں کو ہضم کر لیا ہے اُن کے وہ پروگرام جو خالد بن الولید اور فاروق اعظم کا نام لے کر پیش کئے جاتے ہیں۔ میں نہیں سننا چاہتا۔ فاروق اعظم کو سمجھنے کے لئے کم از کم شاہ ولی اللہ کی حکمت کا سمجھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی ان کی حکمت کا ایک صفحہ غور سے پڑھے گا۔ تو وہ یورپ کو سب سے پہلے دیکھے گا۔ یہ سلف کا نام لینے والے بیچارے عموماً حقیقت سے بے خبر ہیں (۱۲۰ نور الحق

(الف) امام ولی اللہ نے دہلی کے علمی طبقے کو اپنے علوم سے تعارف کرایا تھا۔ اور امرائے دولت کے اشتراک سے کسی قدر سیاسی کامیابی بھی حاصل کر لی تھی جس سے اُن کا اجتماعی مرکز دہلی میں مستقر ہو گیا۔ اُسے پانی پت کے معرکے کا ایک نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔لہ

لیکن نظامِ سلطنت کی بوسیدگی سے اراکین دربار میں صوبوں کی حکومت سنبھالنے والے تو پیدا ہوتے رہے۔ مگر مرکز کو بچانے کی اہلیت کسی میں پیدا نہ ہو سکی اسی سبب سے چند ریاستوں کے ماسوا باقی حصص ہندٹہ پر مسلمانوں کی حکومت برائے نام رہ گئی۔

لہ یعنی اہل دہلی مرہٹوں سے تنگ آ چکے تھے۔ احمد شاہ نے اُن کو اس مصیبت سے نجات دلائی ایسے موقعوں پر قومی آدمی اپنی قوم کا جتنا دخل اس طریقۂ نجات میں محسوس کرتا ہے۔ اسی پر فخر کرتا ہے۔ احمد شاہ کی قوت کو دلی والے اپنی قوت نہیں کہہ سکتے۔ مگر امام ولی اللہ کی تدبیر سے وہ آیا تھا۔ اور کامیاب ہوا اس کو اپنی چیز کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے وہ معرکۂ پانی پت کی فتح کو فقط شاہ ولی اللہ کی طرف طبعاً منسوب کریں گے۔ اس لئے شاہ صاحب کی علمی خوبی اور عظمت اُن کے رگ و ریشے میں رچ جائے گی۔

ٹہ جب شاہ عالم ثانی انگریزوں کی حراست میں تھا۔ تو اس سے ایک معاہدہ کیا گیا جس کی رُو سے تمام قلمرو کی نظامت کمپنی کے حوالے ہو گئی۔ اور بادشاہ کے لئے قلعہ۔ اور اطراف دہلی تا حدود قطب صاحب کا علاقہ مخصوص کر دیا گیا۔ کمپنی گر [illegible] ج گزار قرار دی گئی۔ مگر اس طرح پر کہ

(ب) امام ولی اللہ کے زمانہ میں نادر شاہ نے ہند کے وہ صوبے جو دریائے سندھ کے غرب میں واقع ہیں (جیسے کابل، قندہار، ٹھٹھہ) ایران سے ملحق کرلئے تھے اس سے پہلے قندہار کی افغانی حکومت جو میرا ویس سے شروع ہوئی تھی۔ وہ سلطان محمد شاہ کی سرپرستی مانتی تھی۔

(بقیہ صفحہ ۸۳) ملک بادشاہ کا اور حکم انگریزی کا " مسلمانوں کے لئے خصوصًا اور ہندوستانیوں کے لئے عمومًا رعایتیں لازمی قرار دی گئیں مثلاً یہ کہ حکومت کی زبان فارسی رہے گی۔ انگریزی نہ ہوگی۔ ہندوؤں کے مقدمات کا فیصلہ پنڈت اور مسلمانوں کا مسلمان قاضی کریں گے۔

اسکے بعد شاہ عالم جب سنہ ۱۸۰۶ء مطابق سنہ ۱۲۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ اور اکبر ثانی تخت نشین ہوا۔ تو اس جدید بادشاہ پر انگریزی سرکار نے اور تنگی کی۔ اور صرف قلعہ دہلی اور حدود شہر تک حکومت کی تحدید کردی۔ باقی تمام ہندوستان کی حکومت پر خود قبضہ کرلیا۔

شمال مغربی صوبے سنہ ۱۷۶۰ء کے قریب ہی پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کا تسلط ہوگیا تھا لیکن وہ زیادہ عرصہ تک نہ رہا۔ حتی کہ سنہ ۱۸۰۰ء میں احمد شاہ کا پوتا زمان شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وہ یقینا دہلی تک پہنچتا اور انگریزی حکومت کی جڑیں اکھاڑ پھینکتا۔ مگر دفعۃً حدود افغانستان پر ایران کی جانب سے بغاوت ہوجانے کے باعث (جس کو انگریزی ڈپلومیسی کی برکت بتایا جاتا ہے) اسکو بہت تیزی کے ساتھ لدھیانے سے واپس کابل پہنچنا پڑا۔ اس روا روی میں وہ رنجیت سنگھ کو پنجاب کا گورنر بنا گیا۔ یہی رنجیت سنگھ ہے جس نے رفتہ رفتہ سنہ ۱۸۰۸ء یعنی سنہ ۱۲۲۳ھ میں پنجاب، ملتان، کشمیر، اور پشاور پر قبضہ کرکے ایک مستقل سکھ حکومت قائم کرلی۔ اور انگریزوں سے مصالحانہ معاہدہ کرلیا۔ ع ش م۔

ہندوستان کے شمالی صوبے اور یلغار نادری | لیس الهند اسم مملكة

بقیہ نوٹ ۸۴

واحدة بل هو اقليم كبير يشتمل على ممالك كثيرة. قال الشيخ محمد قاسم في تاريخ القرن التاسع عشر ليست الهند في الحقيقة امة قائمة بذاتها. بل مجموعة امم تختلف جنسا ولغة ودينا وعادات ولها في الغالب خواص طبيعية لا يشاركها فيها غيرها. قال المسعودي ذكر جماعة من اهل العلم والنظر والبحث ان الهند كان في قديم الزمان الغرة التي فيها الصلاح والحكمة فانه لما تجيلت الاجيال وتحزبت الاحزاب حاولت الهند ان تقيم المملكة وتستولي على الحوزة وتكون الرياسة فيهم. فانه معت على ذلك ونصبت لها ملكا وهو البرهمن الاكبر وجمع الحكماء فاحدث ثوانى ايامه كتاب السند هند وتفسيره دهر الدهور. ومنه فرعت الكتب كالمجسطي ومن المجسطي كتاب بطليموس وتنوزع في البرهمن فمنهم من زعم انه آدم عليه السلام وانه رسول الى الهند. ومنهم من يقول انه كان ملكا وهذا اشهر. وارض الهند ارض واسعة في البر والبحر والجبال والهند متصلة فيما يلي الجبال بارض خراسان والسند الى ارض التبت وبين هذه الممالك تباين وحروب ولغاتهم مختلفة وآراءهم غير متفقة. اه. قال كاتب الجلبي في كشف الظنون اهل الهند هم اهل الآراء الفاضلة والاحكام الراجحة. لهم التحقق بعلم الحساب والهندسة والطب والنجوم والطبيعي والالهي. وجمهور الهند صابئة ولهم في تعظيم الكواكب وادوارها آراء ومذاهب. اه. قال آزاد البلجرامي في "سبحة المرجان" ان الهند تارة يكون اعم. ويطلق على ملك دهلي والسند والدكن وغيرها و جزيرة سرانديب ناحية من الدكن وكابل برزخ بين الهند وخراسان ومن مدة داخلة في مملكة الهند. ويطلق على ملك دهلي فقط وهو قسيم السند اه قلت البلاد التي تاتي مياهها الى نهر السند. مثل كابل ورماوالاه من جنوب

(بقیہ صفحہ ۸۵) هند وكش. وكذلك البلاد التى يتكلمون بالپشتو المتشعبة من سنسكرت مثل قندهار وما والاها فهى داخلة فى الهند حقيقة لا تختلف باختلاف الحكومات. ونما فرت فى حل المشكلات المتعلقة بتاريخ كابل تقرر عندى ان كابل من الهند بلا ارتياب وانما تردد المورخون من المسلمين وغيرهم فى كونه من الهند لعدم تفطنهم بحقيقة الاسماء المستعملة ووجوه تفسيرها

قال الاستاذ ذكاء الله الدهلوى فى تاريخ الهند. عربی میں غیر قوموں کے ناموں کی تعریب کے لکھنے کا قاعدہ اختیار کیا گیا ہے. اس سبب سے ناموں کا پتہ لگانا نہایت دشوار ہے فرنگی محققین نے ان ناموں کی تحقیق میں بہت سے کورے کاغذ سیاہ کئے. مگر بے سود. ان ناموں کی تحقیق ان محققین کا کام ہے. جو عربی اور سنسکرت ہر دو کے فاضل ہوں. سنسکرت دانی سے تحقیق کر سکتے ہیں. کہ اصل نام کیا تھا. اور عربی دانی سے یہ کہ کیونکر اس کی تعریب ہوئی. ایک تاریخ میں لکھا ہے. کہ بادشاہان کابل کا نام رتبیل کوئی کہتا ہے رتبیل. کوئی رنبیل. کوئی زبیل. کوئی رت بال. کوئی رت ٹھیل. کوئی زن بل لکھتا ہے. جو ایک بامعنی ہندو نام ہے. یہ بھی محققین نے تحقیق کیا ہے کہ کابل میں جو ترک کوہستان تبت سے آئے تھے. ان کا مذہب بدھ تھا. ان ترکوں سے برہمنوں کے ہاتھ. اور برہمنوں سے راجپوتوں کے ہاتھ سلطنت منتقل ہوئی.

قلت لما جاء الترك كان الموضع الذى بنوا فيه كابل مرعى للبقر فكان اسمها "گئوپال" ثم صار كابل سوا سم حاكمها الذى اخذ منه المسلمون "رام پال" فغيروه وحرفوه فجعلوا رتبيل وغيره والله اعلم.

یلغار نادری

۵ ار ذیقعدہ ۱۱۵۱ھ محمد شاہ کے عہد میں امیر الامرا صمصام الدولہ متوفی ۱۱۵۱ھ کی بے تدبیری سے صوبہ کابل اور سرحدہائے ہند کا انتظام مختل ہو گیا دباین جہت مفسدہ عظیم. کرورود نادر شاہ بہندوستان باشند روکے داد. (۱) صوبہ دار کابل ناصر خاں مرد صالح بود. مگر باسوائے شکار و تلاوت و عبادت کار دیگر نداشت. بعد چندے چوں نادر شاہ بر

(بقیہ صفحہ ۸۶) تخت ایران متمکن گردید۔ بہ قلعہ قندہار رسیدہ اورا تا یک سال محاصرہ کرد۔ تا آنکہ شہزادہ را با
در تخریب آں اتمام یافت۔ بعدہ بر قلعہ یلغار آوردہ اورا فرو گرفت۔ (۲) دراں زماں صوبہ دار کابل از
کابل گریختہ بہ پشاور آمدہ صوبہ داری کابل مے نمود۔ از ایں نادر شاہ بصوب غزنین و کابل در حرکت
آمد و کابل را فتح نمودہ۔ خود دراں تا ہفت ماہ توقف داشت۔ (۳) بعد ازاں از کابل بجلال آباد
رسیدہ۔ بصوب پشاور در حرکت آمد۔ بعد ازاں در مملکت پنجاب خاصہ در شہر لاہور فزع قیامت
برخاست۔ و بتاریخ ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۵۱ھ میان ہر دو لشکر میدان کارزار گرم شد۔ (صمصام الدولہ کشتہ شد۔
برہان الملک (سعادت خاں والئے اودھ) و آصف جاہ چند کروڑ روپیہ از طرف محمد شاہ ادا نمودہ با نادر
صلح نمودند۔ ۲ ذی الحجہ محمد شاہ۔ و ۸ ذی الحجہ نادر شاہ در قلعہ دہلی نزول فرمود۔ و بروز عید اضحیٰ خطبہ
بنام نادر شاہ در مسجد جامع و مساجد دیگر خواندہ شد۔ بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ بوقت عصر بعض ہندیاں مشہور کردند
کہ نادر شاہ درگذشت۔ و بر لشکریانِ او کہ در شہر دو دو و سہ سہ پراگندہ شدہ مے گردیدند حملہ نمودہ قتل
شاں آغاز نہادند۔ ہنگامہ تا صبح ۱۱ ذی الحجہ گرم ماند۔ ۱۱ ذی الحجہ نادر شاہ از قلعہ سوار شدہ بقتل عام
فرمان داد۔ بعد نصف روز نادر ندائے اماں در داد۔ و نادر شاہ چوں زود تر معاودت را ارادہ

داشت۔ تمامی مملکت سندھ و صوبہ کابل را با بعضے محال پنجاب۔ کہ بہ تنخواہ صوبۂ کابل است از
مملکت ہندوستان و تصرف محمد شاہ وضع نمودہ ملحق بہ مملکت ایران ساخت و بتاریخ ۷ ماہ صفر ۱۱۵۲ھ
از شاہجہان آباد مراجعت نمود۔ (سیر المتاخرین ص ۷۹ تا صفحہ ۸۲ ج ۲ محمد نور الحق ۷ نومبر ۱۹۳۱ء)

۲۵ میر اویس نے ایران پر حملہ کیا۔ اور یہ سلسلہ اس قدر چلا کہ ایران میں افغانی حکومت
قائم ہو گئی جس کے ردِ عمل کے لئے نادر شاہ پیدا ہوا۔ میر اویس کی حکومت ایران کی دشمن تھی۔
مگر اس کا تعلق محمد شاہ کی حکومت سے دوستانہ تھا۔ اور محمد شاہ بھی اس کی سرپرستی کرتا تھا۔ اور
میر اویس بھی محمد شاہ کا فرماں بردار دوست تھا۔ اسی بنا پر سیر المتاخرین کے مصنف کو جو مذہباً شیعہ
اور ایرانی شیعہ حکومت کا طبعاً طرفدار ہے۔ یہ کہنا پڑا: "از عجائب واقعات اینکہ سلاطین صفویہ با سلاطین
ہند مطلقاً رجوعے در ہیچ باب نہ بودہ۔ و بابر بادشاہ و ہمایوں پسر او کہ مورد التفات شاہ اسمٰعیل صفوی

و شاہ طہماسپ بودہ اند، ظاہر و آشکار است۔ و باوجود فقدانِ جمیع اغراض سلاطین صفویہ بنا بر پاس مروت ارسال سفرا و مراسلات تہنیت و تعزیت مسلوک داشتہ احیائے مراسم یگانگت می نمودند و ازیں طرف بنا بر جریان از اوصاف آدمیت و وفا، ایں سلوک نامعمول نمے گشت۔ چنانچہ باوجود شیوع یافتن حوادث و فتن در ممالک ایران و مسلط شدن شاہ طہماسپ ثانی بر تخت موروثی خود۔ بعد تنبیہ افاغنہ و استیصال و اخراج مفسدان محمد شاہ راہ ہر گز رسم پرسش و تہنیت بخاطر نگذشت بلکہ با امیر اویس افغان راہ آشنائی و مودّت مسلوک داشتہ۔ و با حسین پسر میر اویس مذکور نیز در آواخر کہ ضابط قندہار شدہ بود۔ با آنکہ بہ بتان لشکر کشیدہ، در قتل و غارت و خرابی آں دیار تقصیرے نکردہ بازگشت۔ نوبتے طریق مراسلہ مفتوح شد الخ صفحہ ۴۷۹۔

واضح ہے کہ مغربی افغانوں نے ایران پر حملہ کیا۔ ان کا سردار محمود خاں تھا۔ اس نے سنہ ۱۱۳۴ھ میں اصفہان کو فتح کر لیا۔ اور حسین شاہ صفوی شاہ ایران کو قید کر لیا۔ دار الخلافہ پر قبضہ کر کے خود بادشاہ ہو گیا۔ تین برس سلطنت کر کے سنہ ۱۱۳۷ھ میں مر گیا۔ بعد ازاں اس کا رشتہ دار اشرف جانشین ہوا۔ شاہ ایران تو افغانوں کی قید میں تھا۔ مگر شہزادہ طہماسپ وہاں سے نکل کر شمال مغربی اضلاع میں جو اب تک افغانوں نے فتح نہیں کئے تھے۔ بادشاہ بن گیا۔ سنہ ۱۷۲۷ء میں قسمت سے اس کو ایک لائق اور مستقل مزاج آدمی مل گیا۔ اور وہ نادر تھا۔ اس کا اصلی نام نادر قلی خاں پسر امام قلی تھا۔ قوم اس کی افشار تھی۔ وہ کچھ رتبہ کا آدمی نہ تھا بعض اس کو پوستین دوز بتاتے تھے۔ نادر کے لڑکے کی شادی جب محمود شاہ کی بیٹی سے ہوئی ہے۔ اور دلھن والوں نے دستور کے مطابق دولھا سے اپنی سات پشت تک نام پوچھے۔ تو نادر نے کہا۔ بگو داماد شما پسر نادر شاہ است و نادر پسر شمشیر تا ہم چنیں تا ہفتاد بار بشمارید۔ نادر سنہ ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی شہامت و جلاوت و سرعت کے کام دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے۔ کہ ملک کے ملک اور صوبے کے صوبے فتح کرتا چلا گیا۔ سب سے عظیم الشان کام اس کا یہ تھا۔ کہ اس نے ایران کو سنہ ۱۱۴۳ھ میں بالکل پٹھانوں سے پاک صاف کر دیا تھا۔ اس کے عوض بادشاہ نے اپنی نصف سلطنت و صوبہ خراسان۔ مازندران سیستان۔ کرمان اس کو بخش دئے۔ اس نے سنہ ۱۱۴۸ھ میں

نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے صوبہ کشمیر و لاہور و ملتان بھی لے لیا۔ اس طرح کچھ صوبے دہلی کی حکومت سے علیحدہ ہو گئے ہم قندھار کی اس حکومت کو بھی ہندوستانی حکومت مانتے ہیں جیسے حیدر آباد دکن کی حکومت ہندی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸۸) ایران کی سلطنت کو وُہ وسعت دی کہ اس کی حدود اپنی قدیمی صورت پر قائم ہو گئیں۔ ۱۱۵۰ھ میں خاندان صفویہ کا خاتمہ ہوا۔ اب وُہ مستقل بادشاہ بن گیا اور ۱۱۵۱ھ میں ہندوستان پر آندھی کی طرح چڑھ آیا۔ ھ۔ تاریخ ذکاء اللہ ص ۲۴۸ ج ۹۔

احمد شاہ ابدالی

۱۱۶۰ھ میں نادر شاہ اپنے ملازموں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ احمد خاں درّانی پہلے نادر شاہ کے ہاں یساول تھا۔ پھر رفتہ رفتہ بڑا افسر بن گیا جب نادر مر گیا۔ تو خود غزنین اور قندھار پر مسلط ہو گیا۔ اور وہاں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کرایا۔ نادر شاہ کے زمانے سے ناصر خاں صوبہ دار کابل تھا۔ احمد خاں ابدالی نے بھی اس کو بدستور اپنے عہدے پر قائم رکھا۔ مگر پانچ سو اردرّانی اس کے ساتھ کئے۔ تاکہ پانچ لاکھ روپیہ جس کے دینے کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ ابھی بھیج دے۔ ناصر خاں کابل پہنچکر وعدے سے پھر گیا۔ احمد شاہ نے اس پر لشکر کشی کی وہ بھاگ کر پشاور پہنچا جب احمد شاہ اس طرح سرحد پر آیا تو اس نے سرحد اور پنجاب کا بُرا حال دیکھا۔ اس پر وُہ لاہور کی طرف بڑھا۔ جب محمد شاہ کو خبر ہوئی۔ تو اُس نے دلّی سے ایک فوج جرّار روانہ کی۔ احمد شاہ لاہور پر قابض ہو کر ستلج کے کنارے پہنچا۔ اس کے پاس بارہ ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی۔ کیونکہ وُہ فوج کی کثرت کی بجائے اس کی طاقت و قوت پر زیادہ اعتماد رکھتا تھا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کو اس نے سرہند پر قبضہ کر لیا۔ اور آگے بڑھا ستلج کے کنارے ۱۵ ربیع الاول سے ۲۸ ربیع الاول تک دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہوئی۔ اسی اثنا میں جاوید خواجہ سرا نے جو بادشاہ کے منہ چڑھا ہوا تھا۔ شاہ درانی کو صلح کا پیغام دیا۔ بادشاہ محمد شاہ نادر گردی دیکھے ہوئے تھے۔ اس نے ملتان

(ج) امام عبد العزیز کے زمانے میں کلکتہ سے[1] دہلی تک انگریزوں کا معنوی تسلط ہو گیا تھا۔ دکن میں مرہٹے اور پنجاب میں سکھ، دہلی کی سلطنت مسلمانوں سے چھیننا چاہتے تھے۔ ان کے مقابلے میں لکھنؤ، حیدر آباد، پھر میسور کی مسلم حکومتیں تھیں۔ جو سلطانِ دہلی کا احترام رکھتی تھیں ۔

(بقیہ صفحہ ۸۹) اور لاہور ہر دو صوبے دے کر صلح کر لی۔ اور غنیمت جانا کہ بلا ٹلی۔ احمد شاہ یہ ہر دو صوبے معین الملک پسر قمر الدین خاں کو دے کر واپس چلا گیا۔ پھر ۱۱ ستمبر ۱۱۷۰ھ کو دوبارہ دہلی آیا۔ اور دلی کو اس طرح لوٹا۔ کہ نادر گردی کو بھی مات کر دیا۔ وہ خود تو نادر کی طرح سفاک و بیرحم نہ تھا۔ مگر اس کی سپاہ نادری سپاہ کی نسبت زیادہ اجڈ تھی۔ لوٹ کا کام دو ماہ تک جاری رہا۔ بعد ازاں سلطنت کے حصے اپنی مرضی سے کر کے امرا میں تقسیم کئے اور شوال ۱۱۷۱ھ کو واپس گیا۔ ھ۔ سیر و تاریخ ذکاء اللہ۔

[1] شاہ عالم ثانی (متوفی ۱۲۰۶ھ) بکسر کی لڑائی میں (جو ۲۲ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو ہوئی) کچھ نہیں ہوا۔ لڑائی کے بعد دوسرے دن شام کو وہ خود انگریزی لشکر میں چلا گیا۔ اور انگریزوں سے یہ عہد و پیمان کیا کہ شروع سال ۱۱۸۰ھ سے بنگال۔ بہار۔ اڑیسہ تینوں صوبوں کی دیوانی بلا شرکت غیرے کمپنی بہادر کو دی گئی۔ اور خراج دیوانی جو اب تک لیا جاتا تھا۔ معاف کیا گیا۔ اور چھبیس لاکھ روپیہ جو پہلے نواب دیتا تھا۔ اس کا ادا کرنا کمپنی کے ذمہ کیا گیا۔ اور سرکار بنارس و غازی پور بطور جاگیر کے سرکار کمپنی کو دی گئی صوبہ الہ آباد بادشاہ کے پاس رہا۔ انگریزوں نے بادشاہ کی سالانہ کچھ نقدی بھی مقرر کر دی۔ اور نواب بنگال صوبہ دار رہا۔ اور کمپنی نظامت اور مال کے کاموں میں اس کی شریک رہی۔ نواب کی نظامت کا خرچ اٹھانا اور بادشاہ کا نذرانہ ادا کرنا کمپنی کا کام تھا۔ اس طرح بادشاہ الہ آباد میں انگریزوں کا ایک پنشن دار ہو گیا۔ اب تیموری خاندان کے بادشاہ کے پاس صرف صوبہ الہ آباد تھا۔ اور آمدنی میں وہ روپیہ تھا۔ جو انگریز اس کو دیتے تھے۔ ھ۔ تاریخ ذکاء اللہ ص ۳۱۲ ج ۹۔

(د) امام عبدالعزیز نے سب سے پہلے فتویٰ دیا کہ ہندوستان کے جس قدر حصے غیر مسلم طاقت کے قبضے میں جا چکے ہیں، اُن قطعات میں اگرچہ برائے نام سلطان دہلی کا دخل

بقیہ صفحہ ۹۰ نوٹ **سکھ** ۱۷۶۲ء کے دوران میں سکھوں نے پنجاب میں بہت زیادہ اودھم مچایا۔ اور دہلی پر آفت لانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس وقت پھر شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ کی امداد کی۔ سکھوں نے سارے ملک میں غدر مچا رکھا تھا۔ اپریل ۱۷۶۲ء میں وہ لاہور آیا۔ سکھ بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔ آلا جاٹ نے سرہند میں دو لاکھ فوج جمع کر رکھی تھی۔ شاہ ابدالی نے ۱۵۰ کوس دو روز میں طے کرکے اُس پر حملہ کیا۔ اور شکست دی جس میں سکھوں کے بیس ہزار آدمی قتل ہو گئے۔ اس کے بعد وُہ کبھی ہندوستان نہیں آیا۔ ہ تاریخ ذکاءاللہ ص ۲۱۸/۹

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے اشعار ذیل میں (جو آپ نے اپنے چچا شاہ اہل اللہ کے نام لکھ کر روانہ کئے) سکھوں کے پیدا کردہ اضطراب کا صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں:۔

جَزَى اللّٰهُ عَنَّا قَوْمَ سِکھہ وَ مَرْهَتْه | عُقُوْبَةَ شَرٍّ عَاجِلاً غَيْرَ آجِلِ
وَ قَدْ قَتَلُوْا جَمْعًا كَثِيْرًا مِنَ الوَرٰى | وَ قَدْ اَوْجَعُوْا فِیْ اَهْلِ شَاْهٍ وَ جَاهِلِ
لَهُمْ كُلَّ عَامٍ نَهْبَةٌ فِیْ بِلَادِنَا | يَخُوْضُوْنَ فِيْنَا بِالضُّحٰى وَ الْاَصَائِلِ

فَهَلْ هٰهُنَا مِنْ مَعَاذٍ لِعَائِذٍ؟
وَ هَلْ مِنْ مُغِيْثٍ يَتَّقِی اللّٰهَ عَادِلِ

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔

اَ یَا مُرْدِ اَنْتَ فَالْقَلْبُ مُنْجَزِعٌ | مِنْ قَوْمِ سِکھہ وَ اِنَّ الْخَوْفَ مَعْقُوْلُ
اَنْفَاهُمُ اللّٰهُ عَنْ هٰذِهِ الدِّيَارِ فَهُمْ | شَرُّ الْاَعَادِیْ وَ هُمْ مِنْ جِنَّةٍ غُوْلُ

فَوَّضْتُ اَمْرِیْ وَ اَمْرَ النَّاسِ كُلِّهِمُ
اِلَى الْاِلٰهِ وَ اِنَّ الْحِفْظَ مَاْمُوْلُ

نا تا جاتا ہو۔ تو بھی وہ سب کے سب دارالحرب[۱] ہیں

دارالحرب[۱] کا فتوٰی

اس فتوٰی کی تفصیل کے لئے فتاوٰی عزیزیہ جلد اول طبع مجتبائی دہلی ص۱۷ و ص۱۸۵ میں موجود ہے، وہاں ملاحظہ ہو ۱۲ نور الحق۔ ۲۸ نومبر ۱۹۶۱ء

(فائدہ) واضح رہے کہ (د) نمبر کا تعلق براہِ راست اس عبارت سے ہے جس کی نص یہ ہے۔ امام عبدالعزیز حقیقت میں وہ پہلے امام ہیں جنہوں نے الخ۔ اور نمبر (الف، ب، ج) میں ہندوستان کی سیاسی کیفیت کا تذکرہ ہے کہ سلطان دہلی کی حکومت محض برائے نام تھی۔ اس پر امام عبدالعزیز حکم دیتے ہیں۔ کہ یہ برائے نام حکومت ملک کو دارالاسلام نہیں بنا سکتی۔ مسلمانوں کی یہاں زبردست قومیں موجود ہیں۔ اُن کا فرض ہے یا تو ہجرت کر جائیں۔ یا دشمن سے لڑ کر اپنی اور اسلامی حکومت بنائیں ہر وہ شخص جو دارالحرب میں رہتا ہو یہ اس کا مذہبی فرض ہے۔

ہم نے یہاں (مقالہ مذکورہ میں) ہجرت کا ذکر قصداً چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ یہاں کی اکثر آبادی ہندو سے مسلمان ہوئی ہے۔ ان کے مرشد اور استاذ بیشک باہر سے آئے۔ اور پھر بادشاہوں نے یہاں ایسے خاندان جو حکومت کرتے رہے چھوڑے۔ مگر ایسی حالت میں کہ اب اُن کے پاس حکومت نہیں رہی۔ یہ تینوں (استاذ، مرشد، خاندان شاہی) فرقے ایسے ہیں جو ہندو سے مسلمان نہیں ہوئے۔ جگمران کو اپنا ملک چھوڑے اتنا زمانہ گزر چکا ہے۔ کہ انہیں وطن میں کوئی شخص نہیں پہچانتا۔ ایک سید اگر مکہ معظمہ میں جائے گے تو عام ہندوستانی کی طرح سمجھا جانے گا۔ یہی حال افغانوں کا افغانستان میں اور ترکوں کا ترکستان میں ہے۔ ہمارے سامنے نہایت شریف افغان خاندان سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوان ہندوستانی کابل میں گئے۔ تاکہ اپنی قومی حکومت کی ترقی میں مدد دیں۔ مگر وہ عام ہندوستانیوں سے زیادہ ذلیل ہو کر واپس گئے۔ لہذا ہم نہیں مانتے کہ کوئی ہندوستانی ہندوستان سے ہجرت کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ اسلئے اُن کا فرض یہی ہوگا۔ کہ دارالحرب میں رہ کر اس کو دارالاسلام بنانے کی سعی کریں۔ یہ کام آسان نہیں ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ نظامِ حکومت جب متغلب طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو تو یہ فرض ملت پر عائد ہوتا ہے۔ ملت کا اس سے تغافل برتنا اور تقاعد اختیار کرنا حرام ہے۔ بلکہ ہر ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ اس غلبے کو ختم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا ارادہ کرے۔ پھر جیسے حالات پیش آتے رہیں اسی لحاظ سے اپنا اجتماعی نظام قائم کرتا رہے۔

امام ولی اللہ نے تو دہلی کے اعلےٰ طبقے کو اپنے علوم سے تعارف کرایا تھا۔ مگر امام عبدالعزیز نے قوم کے متوسط طبقے کو بیدار کر کے عوام کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا یہی قومی حکومت کی تاسیس ہے بفضلہٖ تعالیٰ امام عبدالعزیز اپنے مشن میں کامیاب ہوئے[1] جس سے وہ سراج الہند کہلائے۔

(بقیہ صفحہ ۹۲) اس کے لئے استاذوں کی ضرورت ہے۔ اور امام عبدالعزیز نے ایک سلسلہ اساتذہ کا تیار کر دیا ہے۔ تاکہ وہ ہر سمجھدار آدمی کو قابلِ اطمینان طریق سے راستہ بتا سکیں۔

مسلمانوں کی مخالف سیاسی طاقتوں نے عوام کو امام عبدالعزیز کی تعلیم و تربیت یافتہ جماعت سے بدگمان کرنے کے لئے مسلسل کوششیں کی ہیں۔ اور جو اُن کے دام میں پھنس گیا۔ وہ اس ہدایت کے سرچشمے سے سیراب نہیں ہو سکا۔ مولانا عم فیضہم ۱۲ محمد نور الحق بوقت شام ۲۔ نومبر ۱۹۴۱ء

[1] عوام اور ظاہر بین خواص امام عبدالعزیز کے کام کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔ وہ انقلاب کے معنی۔ انقلاب کا پروگرام۔ اس کے ابتدائی مدارج جانتے ہی نہیں ہیں۔ امام عبدالعزیز امام ولی اللہ کے علوم کے مخزن ہیں۔ امام ولی اللہ نے اپنی تشریحات انقلاب کو دہلی میں اس ایمپائر کے سانچے میں

جملۂ معترضہ | اسلام کی تاریخ میں ایک واقعہ گزر چکا ہے، جسے تاریخ نے امام عبدالعزیز کے زمانہ میں دُہرایا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۹۲) بیٹھ کر لکھا ہے جس کو وہ خود برباد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کام آسان نہیں ہے۔ حجۃ اللہ کا فقط ایک فقرہ "وما تراہ من ملوك بلادك يغنيه عن حكايا تهم" ہمارا مدعا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ امام عبدالعزیز اس باپ کا بیٹا ہے۔ وہ برٹش حکومت کا قبضہ تسلیم کرتا ہے اور اس کو راضی رکھ کر اپنے انقلاب کے لئے سارے ہندوستان میں بارود بچھا دیتا ہے۔ پہلی بار اس چیز کا کامیاب نہ ہونا، اُن لوگوں کے لئے اُس کی قیمت گھٹا دیتا ہے۔ جو انقلاب کے مدارج کو جو طبعی طور پر پیش آتے ہیں نہیں سمجھتے۔

ہمارے ملک میں جو قومی تحریک ہندوستانی حکومت بنانے کی جاری ہے۔ اُس کے دو ماخذ ہیں۔ ایک برٹش نیشنل تحریکات سے فکر لینا۔ دوسرا ہندوستانی قومیتوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے اُن کی ذہنیت کو بیدار کرنا۔ پہلا فکر اجنبی ہے۔ ہندوستانی مجموعی حیثیت سے اُس کو کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ دوسرے فکر کی علمبرداری فقط امام عبدالعزیز کے طریقے کے اتباع کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی شخص ہندوستان میں قومی حکومت کا نام نہیں لے سکتا جب تک امام عبدالعزیز کا اتباع اپنے لئے لازم قرار نہ دے۔ دنیا کے عمومی انقلاب کی تاثیر سے ہم اس پر راضی ہو گئے کہ امام عبدالعزیز کی قومی حکومت کی صورت یوربین ہو۔ اب یہاں ہندوستان میں ہندوستان کی دو ہزار سال پہلے کی قومیت کو زندہ کرنا ناممکنات سے ہے۔ امام عبدالعزیز کے اتباع پر جن لوگوں کو جمع ہو جانا چاہیے۔ اُن کی پریشان دماغی نے دنیا سے اس حقیقت کو مخفی کر دیا ہے۔ مگر ہمارا نوجوان بیدار ہونے کے بعد سالہا سال کا کام چند دنوں میں پورا کر دے گا۔

جب شام کی عربی حکومت پر عراقی[۱] غالب آ رہے تھے۔ اس زمانے میں امام ابو حنیفہ نے فراستِ خداداد سے متاثر ہو کر عراقی فقہ کی تنظیم عقلیت کے اعلیٰ اصول پر مکمل کر دی۔ یہ تنظیم اگر اُسی حالت میں رہتی جو امام ابو حنیفہ کی ذہنیت کا کا نتیجہ تھی۔ تو اعلیٰ عقلمندوں کے سوا کوئی نہ سمجھ سکتا۔ اور جیسے بہت سے ائمہ کے مذاہب مندرس ہو گئے۔ یہ فقہ بھی فروغ نہ پاتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے عجمی ذہنیتوں کی آسانی کے لئے فقہ حنفی کی ترویج کے سامان پیدا کر دیئے! امام ابو یوسف نے جو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں عربی نسل کے ذکی الفطرۃ استاذ تھے۔ امام محمد کو اپنا رفیق بنایا اور اپنے استاذ کی فقہ[۲] کو متوسط طبقے تک پہنچانے کا کام پورا کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک امام ابو حنیفہ کا مذہب دُنیا میں قائم ہے۔

---

[۱] عراقی درحقیقت ایرانی نومسلموں کی اکثریت کا دوسرا نام ہے۔

[۲] عراقی فقہ وُہ ہے جسے عراق کے عرب ائمہ، صحابہ اور تابعین مرتب کر چکے تھے۔

[۳] **حنفی فقہ** امام ابو حنیفہ انقلابی سیاست کے مالک تھے۔ فقہ کو ایسے طریقے پر مرتب کرنا چاہتے تھے۔ کہ ایرانی ذہنیت اُسے آسانی سے قبول کر سکے۔ کتاب وسنت سے استنباط عرب کی ذہنیت کے لئے بہت مناسب ہے۔ وُہ قرآنِ عظیم بچپن سے سمجھتے ہیں۔ احادیث اور آثار کے متعلق بھی ان علماء کو فی الجملہ علم ہوتا ہے۔ اُن کے نزدیک اکثر مسائل کتاب وسنت سے بہ آسانی مستنبط ہو سکتے ہیں۔ بعض دقیق مسائل میں وُہ کسی امام کی تقلید پیدا کر لیتے

(بقیہ صفحہ ۹۵) ہیں۔ اسی سے وُہ شافعی یا مالکی کہلاتے رہے۔ مگر جب خلافت کا نظام ایرانیوں کے ہاتھ آگیا۔ اُن کی ذہنیت اس طرز تفقہ کی معتاد نہیں تھی۔ وُہ ہر چیز کو ایک عقلی اصول کے اندر حل کرنا ضروری جانتے ہیں۔

شبہ اور جواب عام طور پر یہ لوگ امام ابوحنیفہ کی فقہ پر ایک اعتراض وارد کیا کرتے ہیں کہ اس میں عام اہل سنت سے تفرد اختیار کیا گیا ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہ کی ذہنی تاثیر کا نتیجہ ہے۔ ہم نے جب کتاب الآثار للامام محمد پڑھی تو ہمیں اس شبہے پر ہنسی آئی۔ ہر ایسا قول جس میں امام ابوحنیفہ عام اہل علم سے متفرد سمجھے گئے اور اس کو شاذ قرار دیا گیا۔ وہ اقوال سب کے سب ابراہیم نخعی سے منقول پائے۔ ابراہیم نخعی عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں ایک مسلّم امام ہیں۔ سفیان بن سعید ثوری بھی انہی کے طریقے کے ایک عالم ہیں۔ آگے چل کر امام بخاری کا ابراہیم نخعی سے خصوصی انتساب ہے۔ (بخاری اسحاق سے۔ وُہ عبداللہ ابن مبارک سے، وہ سفیان ثوری سے، وہ تلامذۂ ابراہیم نخعی سے۔ وہ منصور، اعمش، حماد، حکم، ہیں۔ وہ اول الذکر سفیان کے محدث ہیں۔ اور دو آخر الذکر فقہ میں اُن کے استاذ ہیں۔) امام ابوحنیفہ کا یہ خصوصی کمال ہے کہ وُہ ابراہیم کی فقہ کو معقول بنا دیتے ہیں۔ اور اُس میں سے آیندہ ضرورت کے مطابق مسائل استنباط کرنے کیلئے قواعد وضع کر دیتے ہیں۔ اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو ایرانی فقہا اور منتظمین خلافت کبھی اسلامی فقہ کو چلا نہ سکتے۔

امام ابوحنیفہ کا یہ ایسا احسان ہے جس کی امت اسلامیہ ہمیشہ ممنون رہے گی۔

مگر اس کے ساتھ اُن کی انقلابی سیاست اس فقہ کو کامیاب ہونے نہیں دیتی۔ عام اہل علم ان کا نام سن کر بھاگتے ہیں۔ کہ کہیں ہم بھی حکومت کے عتاب میں نہ آجائیں۔

امام ابویوسف نے اس مشکل کو حل کر دیا۔ یہ عباسی خلافت کے ساتھ ہو گئے اور امام صاحب کے مسلک یعنی علویوں کی تائید . . . . سے دست کش ہو گئے۔ اس طرح عباسی خلافت کو چلانے کے لئے جس قدر قانون کی ضرورت تھی انہوں نے امام ابوحنیفہ کی فقہ سے مدد لے کر اُسے منظم کر دیا۔

(بقیہ صفحہ ۹۶) (الف) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک فقہا کا مرجع خلیفہ راشد رہا۔ فقہا اپنے اجتہاد پر عمل کرتے اور اُن کا اختلاف مضر شکل میں ظاہر نہ ہوتا تھا۔ اسلئے کہ اُن کے عمل کے لئے زمینیں مختلف تھیں۔ مثلاً ایک فقیہ نے مغرب میں ایک طرح کا حکم دیا۔ دوسرے نے مشرق میں اس کے خلاف کہا۔ لوگوں کو یہ علم ہی نہ ہو سکا۔ کہ یہ دو فقیہ مختلف رائے رکھتے ہیں۔ اس لئے کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ البتہ حجاز میں یا مدینہ منورہ میں (بہ زمانِ خلیفہ راشد) اگر فقہا کا اختلاف ظاہر ہوتا تو خلیفہ راشد کا حکم اس کا فیصلہ کر دیتا۔ اس سے وُہ اختلاف بھی ضرر کے درجے تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔

(ب) اس کے بعد بنی امیہؓ کے دَور میں ساری توجہ فتوحاتِ اسلامیہ پر مرکوز رہی۔ اور فقہا کا طرزِ عمل ویسا ہی رہا۔ جیسے خلافت راشدہ میں تھا۔ یعنی مختلف ممالک میں اگر کوئی اختلاف تھا۔ تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا تھا۔ اُدھر صوبے کے گورنر کو اپنے لئے قاضی مقرر کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

جب کبھی مرکز خلافت میں نزاع پیدا ہوتا۔ تو بنی امیہؓ کا خلیفہ اتنا علم رکھتا تھا۔ کہ وُہ فقہا کے مختلف اقوال سُن کر ایک قول کو ترجیح دے سکے۔ ہم نے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے بعض فتاویٰ ایسے دیکھے۔ کہ آج تک فقہا اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر خلیفہ ترجیح سے عاجز آ جاتا۔ تو فقہائے مدینہ کا فیصلہ دریافت کر لیتا۔ (واضح رہے کہ بنی امیہؓ نے علمی مرکز دمشق میں منتقل نہیں کیا تھا۔ عباسیوں نے سیاسی مرکز اگر بغداد کو بنایا تو علمی مرکز بھی وہیں منتقل کر لیا۔ اسی لئے ان کے خلیفہ نے امام مالکؒ سے کہا کہ مؤطا کی تعلیم بجائے مدینہ کے بغداد میں آ کر دیجئے۔ مگر امام مالک مرکز کو چھوڑنے پر کب تیار ہو سکتے تھے؟ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ نور الحق)

(ج) عباسی دَور میں نئی چیز پیدا ہوتی ہے۔ مدینہ منورہ کے بجائے بغداد علمی مرکز بنتا ہے۔ اور خلیفہ میں اتنی علمیت نہیں کہ وُہ ترجیح دینے کی استعداد رکھتا ہو۔ جیسے بنی امیہؓ کے خلفاء میں تھی۔ تمام خلافت کے اطراف بعیدہ سے مختلف فتاوی مرکز میں جمع ہونے لگے۔ اس لئے کہ اب حکمران طاقت ایرانی ہے وُہ کسی فقیہ کے فتویٰ کو نہ سمجھ سکتی ہے۔ نہ ترجیح دے سکتی ہے۔ (صوبہ کے گورنروں کے اختیا

(بقیہ صفحہ ۹۷) منتقل ہیں۔ اس لئے ہر اختلاف کو وُہ بھی مرکز کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔)

ان حالات میں خلیفہ کا رفیق ایک زبردست عالم ہونا ضروری ہے۔ جو اس ایرانیت کے تمام جھگڑوں سے اُس کو نجات دلا سکے۔ اس کے لئے پہلے پہل خلیفہ منصور نے سعی کی۔ کہ اہل مدینہ اُس کے طرف دار بنیں۔ مگر اُن کا توافق نہیں ہو سکا۔ منصور محتاج ہوا۔ کہ اہل عراق کے فقہاء سے استمداد کرے وہ امام ابوحنیفہ کو اس کا اہل سمجھتا تھا۔ مگر حضرت امام کے سیاسی اختلافات کے باعث وُہ اُن سے استفادہ نہ کر سکا۔ امام ابویوسف نے یہ ہمت دکھائی اور تمام ممالک خلافت کی قضا کو منظم کر دیا (جس سے آپ کا لقب قاضی قضاۃ العالم ہوا۔ تاج التراجم ابن قطلوبغا۔ نورالحق) عدالتوں میں مراتب قائم کر کے خلافت کو اپیل کی آخری عدالت بنا دیا۔ اس کے لئے ضروری تھا۔ کہ تمام قلمرو میں ایک ہی قانون نافذ ہو۔ امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ کی فقہ پر غور کر کے ایک قابل عمل نظام نامہ مرتب کر لیا۔ اور امام محمد بن حسن شیبانی کو اس کی تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا۔ اب جو قاضی امام محمد کے ہاں سے پڑھ کر نکلے گا۔ فقط وہی کسی مملکت میں قاضی بنایا جائے گا۔ چھوٹے قاضی وُہ اپنے تلامذہ سے منتخب کر کے مقرر کرے گا۔ اس طرح ان دو بزرگوں (ابویوسف و محمد) کے اتفاق سے تمام ممالکِ خلافت ایک قانون کے پابند ہو گئے۔

یہ خلافت عباسیہ کا سب سے قابلِ فخر زمانہ ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ کا کمال جس قدر مانا جائے گا۔ اس کے ساتھ امام ابویوسف اور امام محمد بھی فراموش نہیں کئے جا سکتے (یہ ہے فقہ حنفی اور ائمہ حنفیہ کی حقیقت؟ مع اوفی تعبیرٍ۔ وللتفصیل موضع آخر۔ ولنعم ما قیل ؎

داستانِ عہدِ گل را از نظیری بشنوید
عندلیبِ آشفتہ تر گفتہ است ایں افسانہ را
نورالحق)

ہماری سمجھ میں جو کام امام ابویوسف اور محمد ہر دو نے کیا۔ شاہ ولی اللہ کی فقہ، تصوف اور حدیث کو رواج دینے میں اکیلے امام عبدالعزیز نے کیا۔ یہ صحیح ہے کہ اُن کے دو بھائی شیخ رفیع الدین اور عبدالقادر اُن کے معاون تھے۔ مگر فیصلہ کن رائے فقط شاہ عبدالعزیز کی ہوتی تھی۔ ان کی اس

(بقیہ صفحہ ۹۸) اطاعت نے ہندوستان کو شہنشاہ عالمگیر کے بعد پھر ایک دفعہ ایک قانون (فقہ حنفی عزیزی) کا پابند بنا دیا۔ اب آپ ہندوستان میں کوئی عالم حنفی نہیں پائیں گے جس پر شاہ عبدالعزیز کا احسان نہ ہو۔ مارق اور باغی ہر اجتماع میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اُن کی وجہ سے کوئی اجتماعی قوت بدنام نہیں ہو سکتی۔ –ع۔ محمد نورالحق العلوی۔

ؔ اقوام میں کسی تحریک کو محفوظ کرنے کا یہ اساس ہے۔ جو چیز متوسط طبقہ میں آجائے وہ فنا نہیں ہو سکتی۔ ادنٰی طبقہ اس کی تقلید کر لیتا ہے۔ اور اعلیٰ طبقہ جو کچھ کہتا ہے۔ اُس کی عملی صورت یہی ہوتی ہے۔ جو متوسط طبقہ میں ہے۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ میں اس کو رسوم سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک حقیقت اور حکمت کو جب تک رسم نہ بنایا جائے۔ وہ انسانیت کے لئے مفید نہیں ہو سکتی! امام ولی اللہ تمام شرائع الٰہیہ کے اندر رسوم کو مرکز مانتے ہیں۔ قرآن عظیم نے اس کو معروف کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

ہماری قوم کے ذکی الفطرۃ عقلمند اعلیٰ علوم فوراً لے لیتے ہیں۔ مگر اُن کو متوسط طبقے تک پہنچانا ضروری نہیں سمجھتے۔ کیونکہ انہوں نے حکمت عملی کسی استاذ سے نہیں سیکھی۔ اُن کی ساری محنتیں خود اُن کی اپنی ذات تک محدود ہوتی ہیں حتیٰ کہ اُن کی اولاد بھی اُن کے مشرب کی تائید نہیں کرتی۔

امام ولی اللہ امام ربانی کے بعد ایک عظیم الشان مجدد ہیں۔ انہوں نے اپنے اتباع میں عمل کرنے والے افراد کا بہت بڑا مجموعہ تیار کر دیا ہے۔ وہ متوسط طبقے تک اپنے علوم کو پہنچانا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے اہلحدیث بھائی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دقیق مسائل سے حظ اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ آیا یہ لطیف علوم ہندوستان کا متوسط طبقہ بہ آسانی قبول کر سکتا ہے؟ اس کے لئے عربی ذہنیت موزون ہے۔ انہوں نے بڑی بڑی محنتوں سے چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنالی ہیں۔ اور اس خیال سے اپنی طبیعتوں کو تسلی دے لیتے ہیں۔ کہ زمانہ قیامت کے قریب آگیا ہے۔ اس لئے ہماری تحریکیں کامیاب نہیں ہوتیں۔ اُن کے لئے شاہ ولی اللہ کی حکمت کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس کے بعد وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی متوسط طاقت کو جو حنفی مذہب رکھتی ہے۔ پریشان کرنا خود بخود چھوڑ دینگے۔ یہ امام عبدالعزیز کی طے شدہ مصلحت ہے جس پر اُنکے اتباع جب تک کام کرتے ہیں کامیاب رہتے ہیں۔ؔ

اللہ تعالیٰ نے اپنی غیر متناہی رحمت کا دروازہ ہندوستانی مسلمانوں کیلئے کھول دیا۔ اور امام ابو یوسف کے واقعے سے ملتا جلتا ایک واقعہ دہلی کی تاریخ میں دہرادیا۔ اگر امام عبدالعزیز اپنے والد ماجد امام ولی اللہ کی حکمت، اور اُن کی فقہ، و تصوّف و فلسفہ اور سیاست کے مخصوص طریقے متوسط طبقے تک نہ پہنچاتے۔ تو آج امام ولی اللہ کو صحیح طور پر پہچاننے والا مشکل سے دستیاب ہو سکتا۔ اس طرح ہندوستانی مسلمان اس نعمت سے (جو تمام انسانیت کے لئے ابرِ رحمت ہے۔) محروم ہو جاتا۔

امام عبدالعزیز نے سب سے پہلے امام ولی اللہ کے علوم کو علماءِ زمانہ کے اذہان تک پہنچانے کے لئے سلسلۂ تصانیف شروع کیا۔

(الف) امام ولی اللہ کی تفسیر "فتح الرحمان" کو سمجھانے کے لئے فتح العزیز لکھی۔ تفسیر عزیزی ہر ایک عالم بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ مگر یہ لوگ اس کو فتح الرحمان کے غوامض حل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے۔ اس لئے "الفوز الکبیر" کے اصول پر قرآن دانی مفقود ہو رہی ہے۔ مثلاً مقطعات کی جو تفسیر شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اور "فتح العزیز" میں "الم" کی تفسیر پڑھنے کے بعد وہ چیز آسان ہو جاتی ہے۔ فتح العزیز میں عوام کی طبیعت کو جذب کرنے کے

لئے اُن کے مسلمات کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اُس میں بعض چیزیں حدیث کے فنِ تنقید کی رُو سے غیر ثابت بھی آجاتی ہیں کیونکہ یہاں اُن کا مطلب تنقید سکھانا نہیں بلکہ اپنے والد کی حکمت کو عوام تک پہنچانا ہے۔ پس وُہ حدیث غیر ثابت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بنا کر پیش نہیں کرتے۔ بلکہ اس جہت سے پیش کرتے ہیں۔ کہ وُہ اُن کے مخاطبین کا مسلّمہ امر ہے۔

(ب) "ازالۃ الخفاء" کا مقدمہ "تحفہ اثنا عشریہ" لکھا۔ شیعہ نے پہلے قرآن عظیم کی معرفت کو امام مہدی کی آمد سے معلّق بنایا۔ اُس کے بعد امام مہدی کی آمد پر توہمات کے پردے ڈال دئے۔ اس طرح اُن کی دعوت مسلمانوں کو قرآن عظیم کی برکات عامہ سے محروم کرنے کا ایک ذریعہ بن گئی۔[1]

---

[1] روی الخطیب بسندہٖ عن ابی زرعۃ الرازی۔ قال اذا رایت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذٰلک ان الرسول حق والقراٰن حق وما جاء بہ حق۔ وانما ادی ذٰلک الینا کلہ الصحابۃ۔ وھؤلاء یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ۔ والجرح بھم اولی وھم زنادقۃ من الکتابۃ للخطیب م۔ اصابہ ص۱۰ ولما جاء عند الرشید شاکر راس الزنادقۃ۔ واراد ان یضرب عنقہ۔ قال اخبرنی لم تعلمون اول ما تعلمون المتعلم منکم الرفض والقدر۔ قال اما قولنا بالرفض فانا نرید الطعن علی الناقلۃ فاذا بطلت الناقلۃ اوشک ان نبطل المنقول ہ خطیب بغداد ص۳۰/۴ ام فضل اللہ

ایرانی حکومت کی مسلسل کوشش سے فرقہ اثنا عشریہ نے امام عبدالعزیز کے زمانہ میں شمالی ہندوستان میں بھی اپنا مرکز بنالیا تھا۔ اُن کے مسموم پروپیگنڈے سے متوسط اذہان کو بچانے کے تحفہ اثنا عشریہ لکھا گیا ہے۔ علماء زمانہ تحفہ اثنا عشریہ کو مزے لے کر پڑھتے رہے لیکن اُسے ازالۃ الخفا سمجھنے کا واسطہ نہیں بنا سکے۔ چنانچہ جس مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ وہ پورا نہیں ہوا۔

(بقیہ صفحہ ۱۰۱) تورپشتی حنفی (معاصر سعدی) (لہ ترجمۃ فی طبقات السبکی) کتاب المعتمد باب سوم فصل چہارم میں لکھتے ہیں: در خلافت ابوبکر سخن گفتند چہ آں مفضی میشود بطعن در جملہ صحابہ بطعن در ایشاں مفضی میشود بطعن در دین۔ زیرا کہ قرآن و احادیث و احکامیکہ ازاں مستفاد است از صحابہ بمارسیدہ است۔ و چوں حال ایشاں براں وجہ اعتقاد کنند کہ مبتدعاں میگویند، بر نقل ایشاں اعتبار نماند پس شریعت ثابت نشود۔ (خطبہ دواجع الیواقیت والجواھر للشعراوی ص۲۲۶)

ہندوستان میں شیعی مرکز[۱]

سلطان محمود نے ۳۹۱ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا، اور پشاور کے قریب مقام ہنڈ پر جیپال والئے لاہور کی فوج کو شکست دی۔ نواح ملتان میں سلطان سے پہلے قرامطہ نے اپنی سلطنت قائم کر رکھی تھی۔ ملتان کا مشہور عظیم الشان مندر جسے شیخ الاسلام محمد بن قاسم ثقفی نے محض اس لئے نہ چھیڑا تھا کہ وما البد الا کنائس النصاری والیھود و بیوت النیران المجوس" قرامطہ نے اس کو مسمار کر کے وہاں اپنا گورنمنٹ ہاؤس تعمیر کر لیا تھا۔ سلطان نے قرامطہ کو شکست دے کر اس عمارت کو مسجد کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

(ب) جب مغلیہ خاندان کا بانی ہمایوں اپنے لڑکے اکبر کے ساتھ ہندوستان سے فرار ہوا۔ تو خود سیدھا شاہ اسمعیل صفوی کے پاس ایران پہنچا۔ ایرانی حکومت سے ایک باقاعدہ معاہدہ کرنے کے بعد فوجی امداد لے سکا۔ اور کامیاب ہوا۔ وہ معاہدہ کیا تھا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(بقیہ صفحہ ۱۰۲) ہمارے نزدیک ہندوستان مستقل خلافت کا مستحق ہے۔ اکبر نے اپنی خلافت کا دعویٰ کیا۔ اس لئے کہ ہمایوں ایران کی تابعداری کا وعدہ کر آیا تھا۔ تو اکبر کو ملکی حکومت پیدا کر کے استقلال کے دعویٰ کی ضرورت ہوئی۔ اس نے ہندوستان کو ساتھ ملایا۔ تاکہ ملکی حکومت پیدا ہو۔ اور ایرانی حکومت سے کہا جا سکے۔ کہ جس حکومت نے تابعداری کا وعدہ کیا تھا وہ نہیں رہی۔ اس کے بجائے ایک نئی قومی ملکی حکومت قائم ہے۔ جسے معاہدہ معلومہ سے ذرہ برابر تعلق نہیں سو اضح رہے کہ ہندوؤں کا ملانا اکبر کی ایجاد نہیں۔ بشیر شاہ۔ فیروز شاہ۔ ناصر الدین حسن، یہ کام پہلے کر چکے تھے۔ مگر ملکی حکومت بنانا یہ اکبر کی ایجاد اور اس کی ابتداع ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ بیرم خاں والد عبدالرحیم خانخاناں کے توسّل سے ہمایوں کا معاہدہ شاہ ایران سے طے ہوا۔ ورنہ شاہ ایران ہمایوں کو امداد دینا دل سے کسی طرح نہیں چاہتا تھا۔ جب ہمایوں نے منظور کر لیا۔ کہ میں شیعہ مذہب کو وہاں رائج کرونگا۔ اور شیعہ ریجنٹ (بیرم خاں) کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ تو کہیں جا کر امداد دی گئی جب اکبر تخت نشین ہوا۔ اور اس کو اپنی سلطنت کی حقیقت سمجھ میں آئی۔ تو سب سے پہلے اس نے بیرم خاں کو علیحدہ کیا۔ بیرم خاں ایران کی راہ سے حج کے لئے جانا چاہتا تھا۔ اکبر نے اس کو روک دیا۔ اور پھر قتل کرا دیا۔ اس کے بعد کوئی ریجنٹ ایران سے ہندوستان کو نہیں آیا۔ اکبر نے شیعیت کی بنیاد کاٹنے کے لئے ہندوستان سے اسلامی حکومت کو ختم کر کے اس کی بجائے ملکی حکومت پیدا کی۔ اس پر نہ تو کوئی سنی خلیفہ دباؤ ڈال سکتا ہے۔ اور نہ کوئی شیعہ بادشاہ تحکم چلا سکتا ہے۔ اکبر جیسا انصاف پسند ہندوستان نے پیدا نہیں کیا۔ قانون کے سامنے اس کا بیٹا اور دشمن مساوی تھے :۔

جلال الدین اکبر بادشاہ

ہم ترم محترم میں علماء۔ مشائخ۔ سلاطین ہر سہ کے لئے فرداً فرداً نام لے کر کلام الٰہی وغیرہ اذکار کا ثواب ان کی روحوں کو بھیجتے تھے۔ مگر اکبر کو چھوڑ دیتے تھے۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک چبوترہ ہے۔ جو کافی بلند ہے۔ مگر ہے سادہ۔ اس پر اکبر تن تنہا کھڑا ہے۔ اور سامنے دار پر ایک شخص لٹک رہا ہے اور ہم

(بقیہ صفحہ ۱۰۳) ٹکڑے دیکھ رہے ہے۔ ہم نے اس کی تعبیر یہ کی۔ کہ ہند میں انصاف کرنے والا فقط اکبر ہے جس نے انصاف کی روح کو قائم رکھا۔ اور ہندو و مسلم کو یکساں موقع دیا۔ کہ وہ انصاف سے متمتع ہو یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ مسلمان انصاف سے متمتع ہوں۔ اور ہندو بوجہ ہندو ہونے کے رہ جائے قال تعالیٰ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ ۔ الآیۃ۔ دین الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ انصاف کی روح زندہ رہے اس کا مضاف الیہ خواہ کوئی ہو۔ اس بلند نشین پر فقط اکبر ہی بیٹھا ہے۔ اور دار انصاف کی دار ہے۔ جہانگیر نے سونے کی زنجیر کیوں بندھوائی؟ اس کو تو عیاشی سمجھا جاتا ہے۔ وہ اکبر کا بیٹا تھا۔ جو انصاف کو عام کرنے آیا تھا۔

جب اکبر نے ملکی حکومت پیدا کر لی۔ اور بیرونی اسلامی دنیا سے اس کا تعلق منقطع ہو گیا تو اب دو صورتیں تھیں۔ اوّل یہ کہ مختلف مذاہب کو غیر معتبر قرار دے کر لادینیت پر ساری مملکت کو جمع کیا جائے جس کا تجربہ اب یورپ میں ہو رہا ہے۔ مگر اکبر نے یہ احتمال قریب بھی نہ پھٹکنے دیا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ مختلف مذاہب کو تسلیم کر کے ہر ایک کو پوری آزادی دی جائے۔ اور قانونِ حکومت کی جو شخص خلاف ورزی کرے اس سے مواخذہ ہو۔ خواہ ہندو ہو یا مسلم دوسرے لفظوں میں مذہب آزاد ہے جب تک حکومت سے مصادم نہ ہو۔ یہ اکبر کا بنایا ہوا قانون ہے جس پر انگریز اب عمل کر رہے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بڑا عالی دماغ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دینِ الٰہی اس ملک میں جو مختلف مذاہب کا مجموعہ ہے۔ حکومت چلانے کے لئے بادشاہ اور اس کی انتظامی کونسل کا کیا طرز عمل ہوگا؟ اس کے لئے اکبر نے دین الٰہی کا فقرہ ایجاد کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بادشاہ اور اس کی مرکزی کونسل کسی خاص مذہب کے طرفدار نہیں ہونگے۔ مگر مطلق مذہب کی پابندی سے بھی اپنے آپ کو آزاد نہیں کرینگے اور لادینیت نہیں آنے پائے گی۔ یعنی خدا کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کریں گے۔ ایک ہندو اللہ کی حکومت کی تفسیر ایک طرح کرتا ہے۔ اور ایک سنی مسلمان دوسری طرح اور ایک شیعہ تیسری طرح ان اختلافات سے حکومت کو تعرض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ پرائیویٹ طور پر بادشاہ اور ارکان کونسل

(بقیہ صفحہ ۱۰۴) اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے۔ اس یکسانی کو دین الٰہی سے تعبیر کیا گیا۔ اس
وسیع مملکت کے لئے اس سے بہتر غیر اسلامی نظام ناممکن تھا۔

ہماری رائے میں جو کام اکبر نے شروع کیا وہ اساساً صحیح تھا۔ اور عملاً غلطیاں اس لئے ہوئیں
کہ اس عظیم الشان کام کو چلانے کے لئے آدمی میسر نہیں آتے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ ضرورتیں خدا
تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ کے ذریعے پوری کر دیں۔ شاہ صاحب نے اس کام کو مکمل کر دیا۔ جو اکبر نے
شروع کیا تھا کیونکہ وہ بھی اسلام کو انسانیت کی تفسیر بناتے ہیں۔ آپ تمام ادیان کو منطبق کر سکتے ہیں۔ ان
کے طریقے پر ایک مسلم عالم اس نظام سلطنت کو چلا سکتا ہے۔ جو اکبر کا مقصد تھا۔ اگر ہندوستانی
دماغ شاہ صاحب کے طریقے کا عالم بننے کے بعد نظام سلطنت چلانے کا ارادہ کر لے تو اس کے
مقابلے میں کوئی اجنبی حکومت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کافر ہو یا مسلم۔ شاہ صاحب کی حکمت پڑھنے
کے بعد اگر کوئی اسلامی ممالک کی سیر کرے تو اس کے سامنے یہ بات آجائے گی کہ وہ اپنا فقہی مذہب
چلانے کی اہمیت رکھتے ہیں۔ اور اگر مختلف مذاہب کو اپنے یہاں اجازت دیں یا اجازت دینے
پر مجبور کر دئے جائیں۔ تو سوائے لادینیت کے اور کوئی نظام حکومت اُن کے یہاں کامیاب نہیں
ہو سکتا۔ ٹرکی میں جا کر دیکھ لو یا دیکھو کہ کس طرح عرب و افغانستان ٹرکی کا تتبع کر رہے ہیں! اب اسلامی
ممالک کی یہ حالت ہے کہ وہاں یا اکبر کا دین الٰہی ہے۔ یا لادینیت اگر شاہ صاحب کی حکمت کا رواج
ہوتا تو وہ ممالک اس مرض میں مبتلا نہ ہوتے۔

اکبر کے کارکن جو غلطیاں کرتے تھے۔ اور اسلامی حدود سے باہر نکلتے تھے۔ ان کی اصلاح
کا ابتدائی کام حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے شروع کیا۔ اور وہ مجدد مان لئے گئے۔ مگر امام
ربانی نے فقط کام شروع کیا تھا۔ اس کی تکمیل محمد شاہ کے عہد میں شاہ ولی اللہ نے کی۔ شاہ صاحب
کو کام کرنے کا اُس وقت موقع ملا جب دلّی کی سلطنت اصلی معنوں میں مسلمانوں کے ہاتھ سے جا
چکی تھی۔ اس لئے اس تعلیم کے نتائج اس وقت پھیل نہ سکے۔

قال الشیخ الاجلّ فی کتاب "التمهید فی ائمۃ التجدید" السلطنۃ الهندیۃ

(بقیہ صفحہ ١٠١) صار برنامجها برنامج السلطنة الملية الوطنية بعد ما احدثه السلطان جلال الدين محمد اكبر من تبديل السلطنة الاسلامية بالوطنية ۹۹ وكان ذلك تدبيرًا منه لتاليف قلوب الصابئين الهند بين المائلين الى الحكومة السابقة للسلطان شير شاه الافغان الهندى. لكونه وطنيًا ولانه ما كان يميز فى العدل بين المسلم والصابى. وقد بدأ منه للتخلص من حق السلطنة الصفوية الايرانية. لان اباه السلطان نصير الدين همايون كان قد عقد بتسليم بعض الحقوق للايرانيين على السلطنة الهندية. لما استعان بهم فى استرداد ملكه من اولاد السلطان شير شاه. فنصب نفسه خليفة على الممالك الهندية.

ثم استمر على ذلك ولده السلطان نور الدين جهانگير. ثم ولده السلطان شهاب الدين شاهجهان. مع اصلاح مناسب منهما لبعض الشئون فلما تعطل السلطان شاهجهان فى سنة ١٠٦٩. بسبب الفالج قبض على ازمة السلطنة ولى عهده وولده الاكبر دارا شكوه. وكان مغرقًا فى اصول السياسة الوطنية مفرطًا فى تنفيذ المساوات بين العناصر المختلفة. ثم قام ولده الثالث السلطان محى الدين عالمگير بمنازعته وتغلب عليه. فلما تم له الامر سعى فى تنظيم السلطنة على اصول الخلافة الاسلامية فى سنة ١٠٦٩ھ بالاختصار.

۲؎ شمالی ہند جنوبی ہند میں پہلے حیدرآباد۔ گولکنڈہ میں ابوالحسن تانا شاہ کا مرکز تھا جسے سلطان عالمگیر نے ختم کر دیا۔ ١٠ اواخر ذی قعدہ ١٠٩٨ھ کو ابوالحسن گرفتار ہو کر دولت آباد کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ سیرة المتاخرین کا شیعہ مصنف لکھتا ہے: "استحکام قلعہ گولکنڈہ وخوبی حیدرآباد ولطافت آب وہوائے آں سرزمین زیادہ ازانست کہ دریں مختصر تواں نگاشت۔ چوں ابوالحسن زیادہ از دیگراں بلہو ولعب وعیش وطرب رغبت داشت۔ رواج فسق وفجور دراں دیار زیادہ تر شد وعالمگیر کہ درظاہر خودرا بکسوت اہل صلاح مے آراست وتشبہ بتارکین دنیا مے جست۔ شہر

جملہ معترضہ | تعجب اس بات پر ہے کہ یورپ کی قومیں جو پہلے عیسائی تھیں اور آج کل نیچری ہیں۔ قرآن عظیم کا انکار کرتے ہوئے، اس کے معارف سے رہنمائی حاصل کر رہی ہوں۔ اور مسلمان کامل ایمان کا مالک ہوتے ہوئے یہودیوں کی طرح فقط تلاوتِ الفاظ پر اکتفا کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ مسلمان اپنے سامنے کوئی واضح پروگرام نہیں رکھتا۔ اور شیعہ کی طرح کسی بڑے رہنما کا منتظر بیٹھا ہے امام ولی اللہ کا طریقہ مسلمانوں میں اس مرض کی جڑیں اکھیڑنے کا ضامن ہے۔

(ج) امام ولی اللہ کے معارف میں مؤطا امام مالک کی اہمیت[1] اظہر من

(بقیہ صفحہ ۱۰۶) مذکور را (حیدرآباد را)، بدار الجہاد موسوم ساختہ بقتل وغارت اہالی آں وخرابی شہر مذکور پرداخت۔ وغرض اصلی از تحصیل خزائن نقود وجواہر کہ در سرکار ابوالحسن شہرت میداشت واستیصال اکابر علمائے شیعہ۔ وانقیاد عامہ مومنین کہ دراں شہر بودند نیز مقصود او بود۔ (ص ۲۴۹ نور)

اس کے بعد لکھنؤ میں محمد شاہ کے آخری عہد میں مستقل مرکز پیدا ہو گیا۔ اس مرکز سے دہلی پر غلبہ حاصل کرنے کی مسلسل سعی جاری تھی۔ جس کو روکنے کے لئے شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ کی دیوار کھڑی کی۔ جب عوام شیعہ کے پراپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں تب کہیں انہیں ازالۃ الخفا پڑھایا جا سکتا ہے۔

[1] اہمیت مذکورہ کی پوری تفصیل رسالہ "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" میں دی جا چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ امام ولی اللہ "وصیت نامہ" میں فرماتے ہیں "چوں مبتدی قدرت بر زبان عربی یافت موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی بخوانانند۔ وہرگز آں را معطل نگذارند۔ کہ اصل علم حدیث است۔ وخواندن آں فیضہا دارد۔ ومارا بسماع جمیع آں مسلسل است۔ بعد ازاں از قرآن عظیم

الشمس ہے۔ امام ولی اللہ نے اُسے اپنے مذاق کے موافق نئی ترتیب سے مدوّن کیا ہے جس کا نام المسوّٰی من المؤطا ہے۔ حدیث و فقہ میں یہی کتاب سراج الہند نے حکیم الہند سے پڑھی۔

امام عبدالعزیز نے اپنے خاندان نے نوجوانوں کی تربیت میں اُسے قرآن عظیم کے بعد اساسِ اوّل بنایا۔ اس طرح علماء کو اس طرف متوجہ کیا۔ اس کتاب پر پوری توجہ کرنے سے فقہ حنفی میں محققین (یعنی مجتہد منتسب جیسے ابن الہمام) پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کی برکت ہے کہ ہم نے اپنی سیاحت میں مولٰینا شیخ الہند اور اُن کے مشائخ سے زیادہ عقلمند فقہاء، اسلامی ممالک میں نہیں دیکھے۔

ہم نے اہل حرم محترم کو امام ولی اللہ کی کتاب المسوّٰی پڑھائی۔ وہ اس کی قدر کرنے لگے۔ انہوں نے اُس کو اپنے مطبع میں چھاپا۔ اور اپنے مدارس کے نصاب میں داخل کر لیا

مجھے یاد ہے۔ کہ حضرت مولانا شیخ الہند بہت پہلے زمانہ سے

بقیہ صفحہ ۱۰۷۔ درس گویند باں صفت کہ صرف قرآن بخوانند۔ بغیر تفسیر و ترجمہ گویند۔ و در آنچہ مشکل باشد در نحو یا در شان نزول متوقف شود و بحث نماید۔ و بعد فراغ از درس التفسیر جلالین را بقدر درس بخوانند۔ و دریں طریق فیض ہا است"۔ مہ منہ ۱۱۱ ۱۲

امام ولی اللہ کی کتابوں کو دارالعلوم دیوبند کے درجۂ تکمیل میں داخل کرنے کی ہدایت دے چکے ہیں۔ مگر ابھی تک اُس پر عمل کرنے کا زمانہ نہیں آیا۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔

امام ولی اللہ قریش کی زبان، اور اُن کی معتدل معیشت و معاشرت کو اپنی اولاد میں خاندانی مفاخر کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔[1]

---

[1] یہ حصّہ وصیت نامہ سے ماخوذ ہے۔ قال الامام ولی اللہ۔ ما مردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان آبائے ما بغربت افتادہ اند۔ وعربیت نسب، وعربیت لسان، ہر دو فخر ما است کہ ما را بسید اولین و آخرین و افضل انبیاء و مرسلین۔ فخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نزدیک مے گرداند۔ شکر این نعمت عظمیٰ آن است کہ بقدر امکان عادات و رسوم عرب اوّل کہ منشاء آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلّم۔ از دست ندہیم و رسوم عجم و عادات ہنود را در میان خود نگذاریم۔ (ص ۵ نور الحق) امام ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عہدی کو قیصر و کسریٰ کے تکلّفات برباد کرنے کے بعد تعمیری نمونہ بنایا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عہدی اپنے خاندان کی معیشت و معاشرت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ اس خاندان کی چیزیں اگر خاندانی طور پر اُن کی اولاد میں قائم رہیں۔ تو وہ ہمیشہ قرآن کے انقلاب کو مکمل کرنے کا نمونہ بن سکتی ہیں۔ اسی لئے شاہ صاحب اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہیں۔ وُہ جو انقلابی پروگرام بنا چکے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اُن کی اولاد آگے بڑھ کر اُس میں حصہ لے۔ اُن کی طبیعت کو متوجہ کرتے ہیں، کہ وہ اپنے خاندانی مفاخر کو عام اہل زمانہ کے طریقے پر حاصل کرنے کی کوشش کریں حکمت کے اصول پر یہ تعلیم کا آسان قاعدہ ہے۔ ع

امام عبد العزیز نے اُن کی وصیت[1] پر عمل کر کے شرفا ہند کیلئے سرمایہ داری اور اُس کی ترقی یافتہ صورت، شاہنشاہی، کی لعنتوں کا سمجھنا آسان کر دیا۔

جہانگیری اور شاہجہانی عہد کے تنعم کی یادگار رسمیں، جو افلاس کے زمانے میں اعلیٰ خاندانوں کی ہمت کو گھن کی طرح کھا رہی تھیں۔ اُن سے سوسائٹی کو پاک کرنے کے لئے امام عبد العزیز کے تربیت یافتہ نوجوان کھڑے ہو گئے۔ اور کامیابی سے اس کام کو سرانجام پر پہنچایا۔ ان اصلاح یافتہ خاندانوں کی خواتین کے ایثار سے ہزاروں مجاہدین کا لشکر کم از کم دس سال تک روٹی کھاتا رہا۔ اور کسی فرعون اور قارون کے آگے سر جھکانے پر مجبور نہیں ہُوا۔ ورنہ امیروں کے اندوختہ خزانوں پر تو اوباش نوجوان اور بداخلاق عورتیں مسلط رہیں۔

امام عبد العزیز کی اس تربیت کی دوسری برکت یہ ظاہر ہوئی کہ ہندوستانی اعلیٰ خاندانوں کے نازو نعمت سے پلے ہوئے نوجوانوں کا لشکر سندھ کے راستے سے قندھار و کابل ہو کر پشاور کے پہاڑوں اور جنگلوں میں مرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

---

[1] اُن کے خاندان کے نوجوان شرفاء دہلی کے دوسرے نوجوانوں کے ساتھ مل کر رہتے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۰) ان میں جو چیزیں پیدا کر دی گئیں وہ دو بیے نوجوانوں میں طبعی طور پر تاثیر کرتی تھیں۔ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ مولانا اسمٰعیل شہید سوسائٹی کے ہر طبقے میں جاتے تھے۔ وہ اپنے خاندان کے امام تھے۔ اس خاندان کے نوجوان اُن کے پیچھے چلتے تھے۔ جسدن وہ وعظ کہنے کے فاحشہ عورتوں میں گئے۔ تو مولانا محمد یعقوب دہلوی (متوفی ۱۲۸۲ھ) برادر مولانا محمد اسحاق (متوفی ۱۲۶۲ھ) اُن کے پیچھے پیچھے۔ مگر نظر بچا کر جا رہے تھے۔

[۲] انسان اپنی ضرورتوں سے فارغ نہیں ہوتا تاکہ اُس کا دماغ فراغت سے کوئی اعلیٰ فکر سوچ سکے۔ اس سے ہمتیں خود بخود پست ہو جاتی ہیں۔ جب تک خاندان کی زندگی کا بوجھ ہلکا نہ کر دیا جائے۔ اولوالعزم طبائع اپنے لئے راستہ نہیں پاتیں۔ وہ خاندان کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اور خاندان اُن کو ایک لمحہ کے لئے فرصت نہیں دیتا۔

دُعاۃِ حزب [۳] دُعاۃ کا سلسلہ امام ولی اللہ کی تنظیم میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ وہ حزب کی زندگی کے پروگرام میں انہی (دعاۃ) کو امارت کا درجہ دیتے ہیں۔ امام عبدالعزیز نے امیر شہید، مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسمٰعیل کو دُعاۃ کا نظام قائم کرنے کیلئے سیاحت ہند کے لئے روانہ کیا۔ (۱۲۳۰ھ) میں امام عبدالعزیز نے اصلاح و تبلیغ کے دائرے کو وسعت دی۔ ایک جماعت تعلیم و تدریس کے لئے دہلی میں مامور فرمائی مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب مولانا رشید الدین خاں (متوفی ۱۲۴۵ھ نور) مفتی صدرالدین (متوفی ۱۲۸۵ھ نور) اس جماعت کے مقتدر ارکان ہیں۔ دوسری جماعت اطراف دہلی میں تبلیغ و ارشاد کے لئے روانہ کی۔ امیر شہید نے ان ہر دو حضرات مظفر نگر۔ سہارن پور۔ رام پور۔ بریلی۔ شاہجہان پور وغیرہ کا دورہ کیا۔ تفصیلات سوانح احمدیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (راجع ترجمہ رشید الدین و صدرالدین فی ابجد العلوم ص۹۱۷ والتمہید ص۲۱۶ نورالحق) یہ لوگ دورہ کر کے زمین تیار کر آئے۔ اس کے بعد امام عبدالعزیز نے ان کو حکومت کی امارت قائم کرنے کے لئے مقرر کیا۔ یہ جہاد کریں گے۔ حکومت بنائیں گے۔ (۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو دو سال گیارہ ماہ بعد سید شہید مع اپنے ہمراہیوں کے سفر حج سے واپس تشریف لائے۔ ذی الحجہ ۱۲۳۹ھ سے

(بقیہ صفحہ ۱۱۱) جہاد کی تیاری شروع کردی گئی۔ مولانا محمد اسمٰعیل و مولانا عبدالحی ترغیب جہاد کے لئے اطراف ہند کا دورہ کرنے لگے۔ جب تقریباً دو ہزار مجاہدین کا اجتماع ہوگیا۔ تو امیر شہید نے اُن کے تین حصے کردئے۔ اور کوچ کا حکم دیا۔ کچھ عرصہ ٹونک کر بیٹھا [?] اجمیر شریف، پھر دہلی آئے۔ سنہ ۱۲۴۱ھ کے آغاز میں دیوبند، سہارن پور، پانی پت، کرنال، تھانیسر وغیرہ سے گزرتے ہوئے مالیر کوٹلہ پہنچے۔ وہاں سے ممدوٹ بہاول پور، حیدرآباد سندھ، شکار پور، جاگن، خان گڑھ، درڈھاوڑ، درہ بولان، پشین قندھار اور کابل سے گزرتے ہوئے براہ خیبر داخل پنجاب ہوکر پشاور تشریف لائے۔ پشاور سے ہشت نگر میں پہنچکر موضع خویشگی میں قیام فرمایا۔ پھر نوشہرہ تشریف لے گئے۔ نور الحق [?] اور دوسری جماعت جو اُن کے پیچھے تیار ہورہی تھی۔ اُن کو دعاۃ کا کام سپرد کردیا گیا۔ اُن میں مولانا ولایت علی (متوفی سنہ ۱۲۶۹ھ نور) اور مولینا سید محمد علی رامپوری (متوفی سنہ ۱۲۵۸ھ نور) مشہور عالم ہیں۔ تنبیہ: دعاۃ کا نظام شروع سے آخر تک مولانا اسحاق کے ہاتھ رہا ہے۔ "سوانح احمدیہ" کے مصنف نے امیر شہید کے مناقب اس طرح بڑھا چڑھا کر لکھے ہیں۔ کہ مولانا اسحاق کی شخصیت گم ہوگئی ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے۔ کہ مولانا ولایت علی نے مولانا اسحاق کے بالمقابل اپنی پارٹی بنائی۔ اور سوانح احمدیہ کا مصنف اس پارٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر پھر بھی اس کے قلم سے بعض واقعات ایسے نکل گئے ہیں جن سے ہمارے مطلب پر روشنی پڑتی ہے۔ مولانا محمد اسحاق نے ایک ہنڈی پنج تار بھیجی۔ وہاں وہ وصول نہ ہوسکی۔ اُسکی بازیافت کے لئے سیٹھ پر عدالت عالیہ آگرہ میں دعویٰ کیا گیا۔ اور ڈگری مولانا محمد اسحاق کے نام ملی (مؤلف "سوانح احمدیہ" نے یہ واقعہ اس لئے لکھا۔ کہ یہ تحریک برطانوی گورنمنٹ کے خلاف نہ تھی۔ براہِ دُور اندیشی شیخ غلام علی رئیس اعظم الہ آباد کی معرفت گورنر اضلاع شمالی و مغربی کو اس تیاری جہاد کی اطلاع دی گئی۔ جس کے جواب میں گورنر نے کہا جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ ہم ایسی تیاری سے مانع نہیں) مذکورہ بالا واقعہ سوانح احمدیہ میں موجود ہے۔ ہم اس ایک واقعے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اگر روپیہ روانہ کرنے کا انتظام شاہ اسحاق کے ہاتھ میں نہ ہوتا۔ تو عدالت میں وہ دعویٰ کس طرح کرسکتے تھے؟ اور ڈگری کس طرح لے سکتے تھے؟

بقیہ صفحہ ۱۱۲۔ جب مولانا محبوب علی (متوفی ۔۔۔) مجاہدین کے مرکز سے واپس دہلی پہنچے اور انہوں نے اس تحریک کے مخالف پروپیگنڈا شروع کیا۔ (کہ یہ تحریک جہاد سرے سے بے سود اور غلط اقدام ہے وغیرہ وغیرہ) تو سوانح احمدیہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کی کوششوں سے یہ فتنہ دبا اور وہ اثر باطل دور ہوا۔ اور قافلوں کی روانگی باقاعدہ شروع ہو گئی۔

دعاۃ مسجدوں میں وعظ کرتے ہیں۔ خاندانوں کے پاس کچھ اندوختہ نہیں جو رتیں اپنا زیور دے کر ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اس کے ثبوت میں مدراس کے خان عالم کی بہو کا واقع سوانح احمدیہ میں موجود ہے۔

خود ہمیں اپنا تجربہ ہے۔ کہ دہلی میں ہم نہایت تنگ حالی سے پہنچے۔ مولانا شیخ الہند کے حکم سے کام شروع کر دیا۔ ہمیں ڈھاکہ کے شریف خاندانوں کی خواتین سے روپیہ ملتا رہا ہے۔ اُس کے بعد نواب سلطان جہاں بیگم کے دو سو روپیہ ماہوار عطیہ سے ہم دہلی میں بیٹھ سکے۔

اس سے پہلے ہم نے جب سندھ میں مولانا شیخ الہند کے ارشاد پر ۱۳۱۰ھ میں کام شروع کیا تو جناب پیر صاحب العلم کے خاندان کی محترم خاتون نے اپنا سنہری ہار (عقد) بھیج دیا۔ نیز ہجرت کابل کے موقعہ پر شیخ عبدالرحیم سندھی کی بیوی اور ان کی لڑکیوں نے اپنا تمام سنہری زیور بیچکر ہمارے لئے زادِ راہ مہیا کیا۔ اور کوئٹہ تک ہمیں پہنچا کر نقدی وہاں ہمارے حوالے کی۔ ع۔ مولانا نعم فیضہم۔
(محمد نور الحق۔ بعد عصر۔ نومبر ۱۹۴۱ء)

۵ جس کا ایک نمونہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی ہیں۔ ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ فتح علی صاحب کے بیٹے اور رفیع الدین حسین خاں صاحب کے نواسے تھے۔ جو صوبہ بہار کے ناظم و رئیس تھے۔ آپ نانا کے بڑے لاڈلے تھے۔ ہر وقت ریشمی یا زریں لباس یا ڈھاکے کی جامدانی اور تن زیب کا جوڑا زیب تن رہتا تھا۔ اور خوشبو و عطر سے معطر رہتے تھے۔ انگلیوں میں سونے کی انگشتریاں اور چھلے ہوتے۔ لکھنؤ میں تھے تو وہاں کے شوقین، خوش پوشاک رنگین مزاج نوجوانوں میں آپ کا شمار تھا۔ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی حضرت مصعب بن عمیر

امام عبدالعزیز نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے تربیت یافتہ افراد سے جمعیت مرکزیہ بنائی جس میں پہلے اپنے تینوں بھائیوں (مولانا رفیع الدین، مولانا عبدالقادر، مولانا عبدالغنی) کو رکھا۔ سب سے چھوٹے مولانا عبدالغنی پہلے (۱۲۲۷ھ میں) فوت ہو گئے۔ اس لئے اہل دہلی اُن سے زیادہ آشنا نہیں ہوئے۔ مگر حضرات ثلثہ کا لفظ اہل دہلی کی زبان میں امام عبدالعزیز اور اُن کے دو بھائیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس جمعیت کی سعی سے نوجوانوں کی دوسری جماعت تیار ہو گئی۔ اس جماعت کے سرکردہ بھی تین یا چار بزرگ تھے (۱) مولانا محمد اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالغنی کے صاحبزادے (۲) مولانا عبدالحی دہلوی مولانا نوراللہ کے پوتے اور امام عبدالعزیز کے داماد (۳) مولانا محمد اسحاق، امام عبدالعزیز کے نواسے (۴) مولانا محمد یعقوب دہلوی متوفی ۱۲۸۲ھ مولانا محمد اسحاق کے بھائی (امیر شہید[1] اس حزب کے ساتھ منضم کئے گئے۔)

(بقیہ صفحہ ۱۱۳) کی طرح کیفیت بدل گئی۔ اب وہ لکھنؤ اور عظیم آباد کے بانکے نوجوان نہ تھے۔ بلکہ سید صاحب کی جماعت کے ایک جفاکش مزدور اور معمولی خادم تھے۔ رائے بریلی میں مولانا شہید سے حدیث پڑھتے اور آپ کی جماعت کے نائب تھے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور سر پر اٹھا کر لاتے۔ اور اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے۔ بھٹی گارے کا کام کرتے۔ م۔ سیرت سید احمد شہید ص۲۱۵ نورالحق

[1] سید احمد بریلوی امیر شہید، مولانا عبدالحی۔ مولانا شہید اور مولانا اسحاق کے شاگرد ہیں

(بقیہ صفحہ ۱۱۴) اُن کی تربیت شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز کی صحبت میں مکمل ہوئی۔ امام عبدالعزیز ہی نے سید صاحب کو امیر خاں نواب ٹونک کے لشکر میں بھیجکر انقلابی کام شروع کرنا چاہا۔ امیر شہید نواب مرحوم کے لشکر میں چھ سال سے زائد رہے ہیں۔ جب نواب امیر خاں کی انگریزوں سے صلح ہو گئی۔ جو سید صاحب کو کسی طرح منظور نہ تھی۔ تو سید صاحب نے امام عبدالعزیز کو ایک خط لکھا۔ اس کے چند جملے نقل کرنے سے ہمارے مطلب پر روشنی پڑے گی۔ آپ نے لکھا: "خاکسار قدم بوسی کو حاضر ہوتا ہے۔ یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔ نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے۔ اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں"۔ ہ۔ سیرت صا۔

(تنبیہ) ہمارے زمانے کے مورخین نے اس تحریک کے بیان میں بہت غلطیاں کی ہیں۔ وُہ سید صاحب کا تعلق امام عبدالعزیز سے کاٹنا چاہتے ہیں۔ اور امیر شہید کو ایک مہدیٔ منتظر کے درجے پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اُن کی حقیقت سے غفلت برتی جاتی ہے اُن کا درجہ اس سے زائد نہیں کہ وُہ شاہ عبدالعزیز کے کارکن اصحاب میں سے ایک رکن تھے۔ ایک مبصر جب امیر شہید کی سوانح حیات پر غور کرتا ہے۔ تو اس میں شاہ عبدالعزیز کی تدبیر ہی کو کام کرتے دیکھتا ہے۔ مذکورہ بالا خط سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے سید صاحب کو خاص پروگرام دے کر امیر خاں کے لشکر میں بھیجا تھا۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز کے پہلے شاگرد۔ اُن کے ہر دو بھائی۔ رفیع الدین، عبدالقادر اور مولانا عبدالحی ہیں۔ عجائبات قدرت میں سے ہے۔ کہ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی بہ ترتیب معکوس آپ کی زندگی میں انتقال کر گئے۔ پہلے شاہ عبدالغنی پھر شاہ عبدالقادر پھر شاہ رفیع الدین۔ اگر شاہ عبدالعزیز کے بعد وُہ زندہ رہتے تو شاہ رفیع الدین اور پھر شاہ عبدالقادر اُن کے قائم مقام مانے جاتے۔

شاہ صاحب کے تلامذہ کے دوسرے طبقے میں مولانا اسمٰعیل اور مولانا اسحاق وغیرہ ہیں۔ آپ سے منقول ہے کہ وُہ کہا کرتے تھے۔ الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و

بقیہ صفحہ ۱۱۰۔ اسحٰق: شاہ عبدالعزیز نے سیاسی قوت پیدا کرنے کے لئے ایک جماعت مخصوص کردی اس میں امیر شہید، مولانا شہید، مولانا عبدالحی سمجھنے چاہئیں۔ سیاسی قوت کے غلبہ کے بعد جو جماعت نظام پیدا کرنے کے لئے درکار ہوگی۔ ہم آج کی اصطلاح میں اس کو وزارت داخلیہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے شاہ اسحاق کو موزون قرار دیا۔ اور اپنی مسند پر اُن کو بٹھایا۔ ہم سید صاحب کی جماعت کو وزارت حربیہ۔ اور وزارت خارجیہ کے مجموعی سے زیادہ درجہ دینا نہیں چاہتے۔ حکومت کا نظام قائم کرنے میں جو مرتبہ وزارت داخلیہ کا ہے۔ اس کو سمجھنا چاہیئے جیسے بدن میں خون۔ انقلاب کا کوئی امام فقط لڑنا اور باطل کو شکست دینا اپنا کمال نہیں سمجھتا۔ وُہ اس باطل نظام کو شکست دے کر اس سے بہتر نظام پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے بنا بریں امام عبدالعزیز کی اس تقسیم کی فقط وہی لوگ قدر کر سکتے ہیں۔ جو انانز کزم سے آگے حقیقی انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

امام عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ کی اعلیٰ سیاست سے علیحدہ ہو کر فقط ہندوستان میں اُن کے طریقے کو منظم بنانا مقصد حیات بنایا۔ اور اس میں کامیاب ہوئے۔

اسی طرح شاہ محمد اسحاق نے امام عبدالعزیز کی اس سیاسی مصلحت سے علیحدہ ہو کر اُنکے نظام کو ہندوستان میں قائم رکھنا اپنا مقصد حیات بنایا۔ ۱۲۳۹ھ میں شاہ عبدالعزیز کا انتقال ہُوا۔ اسی سال سید صاحب اور اُن کے رفقاء (مولانا اسمٰعیل۔ و مولانا عبدالحی وغیرہ) نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ ۱۲۴۲ھ میں سید صاحب کی امامت پر اجماع منعقد ہُوا۔ اور وہی اختلافات کا منبع بن گیا۔ چار سال تک سیاسی جد و جہد جاری رہی۔ ۱۲۴۶ھ میں یہ لوگ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ اس زمانے میں شاہ اسحاق اُن کو روپیہ اور آدمی بھیجکر مدد دیتے رہے۔

قلت وانتقلت امامة الحزب الدهلوی بعد وفات مولانا محمد اسحاق (۱۲۶۲ھ) الی اخیه الشیخ محمد یعقوب الدهلوی المکی (المتوفی ۱۲۸۲ھ) ولد الشیخ محمد یعقوب شقیق الشیخ محمد اسحاق۔ ۱۲۰۰ھ۔ وقد بشر بولادتهما

(بقیہ صفحہ ۱۱۶) و بھجرتھما الی الحجاز الامام ولی اللہ۔ قال الشیخ محمد عاشق فی القول الجلی حضرت شاہ ولی اللہ فرمودند۔ آگاہی آمد ایں فرزنداں کہ لطف الٰہی ایشاں را بما عطا کردہ است۔ ہمہ سعدا اند۔ نوعے از ملکیت در ایشاں ظہور خواہد کرد۔ لیکن تدبیر غیب تقاضا مے کند۔ کہ دو شخص دیگر پیدا شوند۔ کہ در مکہ و مدینہ سالہا احیاء علوم دین نمایند و ہماں جا وطن اختیار کنند۔ از طرف مادر نسب ایشاں بما متمکن باشد۔ زیرا کہ آدمی زادہ بوطن مادر بمیلاں طبع دارد۔ و انتقال جماعت کہ والدہ ایشاں متمکن باشد۔ بسر زمینے مستحیل است۔ مگر بقسر قاسرہ۔

قال الامیر القنوجی بعد ذکرہ حکیناہ من القول الجلی بحروسطور گوید کہ مصداق ایں آگاہی سوائے ہر دو نواسہ حضرت شاہ عبد العزیز۔ کہ مولانا محمد اسحاق و مولانا محمد یعقوب اند۔ بظاہر معلوم نمے شود۔ کہ ایشاں از دہلی وطن خود ہجرت نمودہ۔ در مکہ اقامت فرمودند۔ و سالہا سال باحیاء روایت حدیث باہل عرب و عجم پرداختند۔ ھ۔ قلت لیس معنی احیاء العلوم مقتصرا علی روایۃ الحدیث فقط بل یشتمل الدعوۃ الی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر والدعوۃ الی الجھاد ولاعلاء کلمۃ اللہ۔ کانا مشتغلین بالاحیاء لعلوم الدین بھذا المعنی الی اخر حیاتھما۔ والشیخ محمد یعقوب اخذ عن جدہ الامام عبد العزیز وعن اصحابہ الکبار عموما وعن الشیخ محمد اسحٰق خصوصا۔ اخذ عنہ الشیخ مظفر حسین الکاندھلوی والامیر امداد اللہ۔ و شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم من اساطین الطائفۃ الدیوبندیہ توفی الشیخ محمد یعقوب فی ۲۸ ذی القعدہ ۱۲۸۲ھ فکان تاسیس المدرسۃ الدیوبندیۃ فی ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ ومن بعد ذلک سمی الحزب الدھلوی بالطائفۃ الدیوبندیۃ۔ ھ۔ کتاب التمہید ص۲۱۵ ۱۲

خواص کی ان جماعتوں کو تیار کرنے کے ساتھ امام عبدالعزیز نے عوام کو اپنے مقاصد سے آشنا کرنے کے لئے ہر ہفتہ میں دو دن[1] وعظ کہنا شروع کیا۔ جس پر آپ آخر عمر تک عمل کرتے رہے! اس طرح عوام میں مستقل بیداری اور خواص کو وعظ کے ذریعہ سے تربیت فکری کا طریقہ سکھاتے رہے۔

امام عبدالعزیز سے تربیت پاکر اُن کے داعی اطراف ھند میں پھیل گئے۔ اس زمانے کے ایک عالم نے اس لئے سیاحت کی کہ اُسے علم حدیث کا کوئی ایسا استاذ ملے جو امام عبدالعزیز کا شاگرد نہ ہو۔ مگر ہند میں اُسے ایک مدرس بھی ایسا نہ ملا۔

امام عبدالعزیز کے ساتھ اُن کی جمعیت مرکزیہ کے ہر دو طبقوں نے انہی کے منہاج پر خواص اور عوام کی تربیت کے لئے مختلف کتابیں لکھیں۔

---

[1] ہفتہ میں دو بار منگل اور جمعہ کو دہلی کوچہ چیلاں۔ پرانے مدرسہ میں مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی جس میں خواص و عوام مور و ملخ سے زیادہ جمع ہو جاتے تھے۔ مخالفین کے اعتراضات تقریر سنتے ہی مرتفع ہو جاتے تھے۔ طرز بیان ایسا دلکش تھا۔ کہ ہر مذہب کا آدمی مجلس وعظ سے خوش ہو کر اٹھتا تھا۔ آپ کی کوئی بات کسی کو گراں نہ گذرتی تھی۔

اس کے ساتھ پابندی کا یہ عالم تھا۔ کہ اشتداد مرض کے زمانے میں جب اُن کے وعظ کا دن آیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ اور دو آدمی مونڈھے پکڑے رہو۔ لیکن جب بیان کرنا شروع کر دوں۔ تو دونوں شخص مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد کی تعمیل ہوئی۔ اور آپ

(الف) خواص کے لئے امام ولی اللہ کے فلسفہ کی تشریح میں مولانا رفیع الدین نے اسرار المحبۃ[1] اور تکمیل الاذہان کے ساتھ مختلف رسائل لکھے۔ حملۃ العرش کی تحقیق میں اُن کا ایک رسالہ اس قدر اعلیٰ فکر دیتا ہے۔ کہ امام عبدالعزیز نے وُہ رسالہ اپنی تفسیر میں نقل کر دیا ہے۔ ایسا ہی تفسیر آیہ نور میں اُن کا رسالہ بے نظیر ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۸) نہایت اطمینان سے وعظ کہتے رہے۔ گو لب و لہجہ میں ناتوانی اور کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن استقلال ویسے ہی رنگ جمائے ہوئے تھا۔ ھ۔ ش۔ م صـ۳۲۱ ۱۲

[2] یہ عالم دراصل غیر ہندوستانی ہیں۔ نام یاد نہیں ہے۔ ۱۲ نور الحق

مولیناؒ رفیع الدین کی تصانیف

[1] اسرار المحبۃ کا ایک قدیم نسخہ۔ پرنسپل مولوی محمد شفیع صاحب (اورنٹیل کالج لاہور) کی لائبریری میں موجود ہے۔ گذشتہ ماہ اگست ۱۹۴۱ء میں خاکسار راقم نے اس سے استفادہ کیا۔ نقل لینے کا ارادہ تھا۔ لیکن ناگہاں بیمار پڑنے کے باعث یہ کام سرانجام نہ پا سکا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرًا۔ رسالہ مذکورہ میں یہ دکھایا ہے۔ کہ محبت سب اشیاء میں ساری ہے۔ اور قرآن حکیم کی جس قدر آیتیں محبت کے متعلق تھیں۔ اُن کو ساتھ ساتھ حل کرتے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر صرف فارابی اور بوعلی سینا نے کچھ لکھا ہے۔ بوعلی سینا کا قصیدہ اُن کے پیش نظر ہے یعنی "ھبطت الیک من المکان الارفع الخ۔ اس کے جواب میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے تجمبًا لشیخ فیلسوف المعی۔ خفیت علیہ منارۃ من مشرع۔ مقطع یہ ہے۔ ثم الصلوٰۃ النبی وآلہ۔ والحمد للہ العلی الارفع۔ رسالہ محبۃ کے تین جزء ہیں۔ تحصیل۔ تذییل۔ تفصیل۔ دیکھو ابجد العلوم صـ۲۵۴۔

خواص کے لئے مولانا محمد اسمٰعیل شہید نے "عبقات" لکھی جس میں شیخ محی الدین بن عربی (متوفی ۶۳۸ھ نور) اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ نور) کی تحقیقات سے مقابلہ کر کے، امام ولی اللہ کی حکمت کا تفوق دکھایا ہے

(بقیہ صفحہ ۱۱۹) (۲) رسالہ تکمیل الاذہان کا اکثر حصہ ابجد العلوم میں آچکا ہے۔ ملاحظہ ہوں صفحات ۱۲۷ تا ۱۳۲ و ۲۳۵ تا ۲۷۰ بالفاظہ دیگر حصہ منطق کے ماسوا ساری کتاب ابجد میں آگئی ہے اس کتاب کے مختلف نسخے حسب ذیل مقامات پر موجود ہیں:۔

(۱) پیر صاحب العلم سندھ کی کتابخانہ میں اس کا ایک نسخہ تھا جس سے راقم عاجز نے اپنا نسخہ نقل کیا۔ اور نسخہ منقولہ اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ (۲) حافظ عبدالعزیز ولد مولوی احمد صاحب بہاولپور (۳) مولوی عبدالتواب ملتانی۔ (۴) مولوی عبدالعزیز یا مولوی عبدالتواب کے نسخے سے مولانا نجم الدین صاحب سابق ہیڈ مولوی اورنٹیل کالج نے اپنا نسخہ نقل کرایا۔ (۵) مولوی سلطان محمود ملتان۔ شاہ رفیع الدین کی تصانیف کی ایک عام خصوصیت شیخ محسن نے یانع جنی میں یہ بیان کی ہے۔ کہ ان میں بکثرت رموز خفیہ درج ہوتی ہیں جن پر بمشکل اطلاع نصیب ہوئی ہے۔ نیز یہ کہ وہ تھوڑے سے الفاظ میں جہانِ معنی آباد کر دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں خصوصیتیں تکمیل الاذہان میں نمایاں ہیں۔ کتاب مذکور میں چار باب ہیں۔ منطق۔ فن تحصیل۔ امور عامہ۔ تطبیق الآراء۔ ایسی جامع کتاب پہلے نہیں لکھی گئی۔

۳۔ رسالہ حملۃ العرش کا تذکرہ شیخ محسن نے یانع جنی میں کیا ہے۔ تفسیر عزیزی مطبوعہ بمبئی میں تفسیر سورۃ الواقعہ۔ آیت "ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذٍ ثمانیۃ" شاہ عبدالعزیز نے وہ رسالہ نقل کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ برادر فضائل آئین کمالات آگین شیخ محمد رفیع الدین سلمہ اللہ وزادہ فی الدنیا والدین فتوحًا و برکاتًا۔ متواترًا و متوالیا۔ در بعضے تصنیفات خود چنیں نوشتہ اند۔ کہ حملۃ العرش تبعے باشند کہ حامل کمالات اربعہ الٰہیہ اند۔ یعنے ابداع و خلق و تدبیر و تدلّی الخ ص ۹۹ مگر گمان غالب یہ ہے۔ کہ منقول شدہ عبارت رسالہ مذکورہ کا ٹکڑا ہے۔ پورا رسالہ نہیں۔ واللہ اعلم ۱۲۔ محمد نور الحق۔

(ب) عوام کے لئے مولانا رفیع الدین (متوفی ۱۲۳۳ھ نور) نے قرآن عظیم کا لفظی ترجمہ ہندی[۱] میں کیا جس کی مدد سے دہلی کے عوام مولانا عبدالعزیز کے وعظ سے پورے مستفید ہوتے رہے۔

مولانا عبدالقادر (متوفی ۱۲۳۰ھ نور) نے قرآن عظیم کا با محاورہ[۲] ترجمہ لکھا "موضح القرآن" کے تشریحی ارشادات آج تک محققین علماء کے لئے بصیرت افزا بن رہے ہیں۔

مولانا عبدالحی نے "لغات القرآن"[۳] لکھی، مولانا محمد اسمٰعیل نے اپنی عربی کتاب "رد الاشراک"[۴] کا ترجمہ "تقویۃ الایمان" لکھا۔ یہ کتاب اگر پانچسو برس پہلے لکھی جاتی، تو ہندوستانی[۵] مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھ جاتا۔ مولانا محمد اسحٰق نے "مشکوٰۃ" کا ہندی میں ترجمہ کیا۔

تفسیر آیۂ نور (۱) شیخ محسن نے یانع جنی میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ تفسیر آیۃ اللہ نور السمٰوٰت والارض میں رسالہ "سطعات" از حکیم الہند امام ولی اللہ موجود ہے۔ شاہ رفیع الدین کا یہ رسالہ اسی کی تکمیل ہے دوسرے حکماء اس مسئلے کو کس طرح حل کرتے ہیں۔ وہ سب اقوال اس میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ اس میں ایک نئی بات یہ ہے۔ کہ پہلے حکماء کے چار فرقے بیان کئے جنہوں نے حقائق اشیاء میں بحث کی ہے۔ پانچویں فریق کا امام اپنے والد و جد کو لکھا ہے۔ کہتے ہیں۔ ھو اعمہم فکراً و اجمعہم عدداً۔ یعنے فکر وسیع اور جامعیت رکھتے ہیں۔ پھر ہر ہر مسئلے میں پانچوں مذہب علیحدہ علیحدہ نقل کرتے جاتے

(بقیہ صفحہ ۱۲۱) ہیں۔ وہ مذاہب حسب ذیل ہیں۔ سلف اہلحدیث ۔ متکلمین ۔ صوفیہ کرام ۔ حکما (اشراقیہ و مشائیہ) یہ چاروں فرقے حقائق اشیاء یعنی اُن کی حکمت سے بحث کرتے ہیں۔

۵۔ امام ولی اللہ کا مسلک ان سب سے اجمع ۔ اتم ۔ ابقن ہے ۔ رسالہ مذکورہ کا ایک نسخہ ریاست بہاولپور ۔ احمد پور شرقیہ ۔ مولوی عبدالعزیز ولد مولوی احمد صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ ہمارے پاس بھی مکہ معظمہ میں اس کی ایک نقل پہنچی ۔ معلوم نہیں کہ ہماری کتابوں کے ساتھ اس کو بھی ہندوستان لایا گیا ہے یا نہیں ۔ م

لہ واضح رہے کہ اس زمانہ میں اُردو کو عموماً ہندی ہی کہا جاتا تھا۔

سلہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کے متعلق ۔ "واقعات دہلی" ص۲۰۶ میں مذکور ہے کہ یہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں ہوا شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کا ایک ایڈیشن مطبع مفید عام آگرہ میں نواب شاہجہان بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال کے حکم سے چھپا تھا ۔ اس میں شاہ عبدالقادر کا دیباچہ بھی دیا ہے ۔ فرماتے ہیں: "اس بندۂ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی فارسی ترجمہ کر گئے ہیں سہل و آسان ۔ اب ہندی زبان میں قرآن شریف کو ترجمہ کرے ۔ الحمد للہ کہ ۱۲۰۵ھ میں میسر ہوا ۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے بعض فوائد "موضح القرآن" کے تاریخی نام سے لکھے ۔ اس سے بھی ۱۲۰۵ھ حاصل ہوتا ہے۔

(تنبیہ) اس عبارت سے خیال گذرتا ہے ۔ کہ شاہ عبدالقادر اپنے بھائی کے اردو ترجمہ سے مطلع نہیں ۔ بہت ممکن ہے کہ شاہ رفیع الدین نے اسی سال یا اس کے بعد ترجمہ لکھا ۔ م نور ۔ بعض پرانے ثقات سے سنی ہوئی بات ہے کہ شاہ رفیع الدین نے صرف چند سورتوں کا ترجمہ کیا ۔ اور مولانا عبدالحی نے پورا کیا ۔ دونوں ترجموں پر مولوی نذیر احمد نے اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے ۔ وہ وہاں ملاحظہ ہو ۔ م نورالحق

سلہ لغات القرآن از مولانا عبدالحی دہلوی ۔ فارسی زبان میں ہے ۔ طبع ہو چکی ہے ہمیں طالب العلمی کے زمانہ میں دیوبند میں مفت تقسیم ہو کر ملی تھی ۔ مکررات کو حذف کر کے وہ اعلیٰ الترتیب مشکل الفاظ

(بقیہ صفحہ ۲۲۱) کا ترجمہ فارسی میں دیتے جاتے ہیں۔ مثلاً لاریب فیہ میں لاریب کا ترجمہ۔ متقین کے معنے۔ علی ہذا القیاس، اس طرز سے لغت یاد ہو کر قرآن عظیم کا سمجھنا سہل ہو جاتا ہے۔

لکھ یعنی اس میں شرکیہ رسوم کا اثر نہ آنے پاتا۔ حنیفی طریقہ، ہندوستان کی پرانی سیکالوجی سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ اگر یہ تعلیم ایک ہندوستانی سلیم الفطرۃ کو ملتی۔ تو وُہ دوسری قوموں سے اسلامیت میں بہت آگے بڑھ جاتا۔ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ بغداد سے جب علوم خراسان آئے۔ تو وُہ لوگ تشبیہ اور تجسیم کے جھگڑوں میں اس قدر پریشان ہوئے کہ اسلام کی صحیح تعلیم سے پیچھے رہ گئے۔ ہندوستانی تجلی الٰہی کے مسئلے کو بہت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اور حنیفی طریقہ بھی اسی تجلی الٰہی کے ذریعہ سارے علوم و اسرار معرفت الٰہی سکھاتا ہے۔ تجلی کے مسئلے کو خراسانیوں نے نہیں سمجھا۔ اس لئے مسلمانوں کو بہت پیچھے ڈال دیا گیا۔ قرآن عظیم ان کی ذہنیت سے منطبق ہی نہیں ہوتا جب تک وُہ اس کی کوئی تاویل نہ کر لیں۔ صوفیہ کرام کے وجود نے اس مصیبت کو کم کرنے کی یقیناً کوشش کی ہے۔ مگر وُہ صاحب بیان نہیں کہ علماء اُن سے استفادہ کرتے۔ وُہ صاحب حال ہیں بے شک۔ جو اُن کی صحبت میں پہنچ نکل گیا

قال الشیخ عم فیضہم فی کتاب التمہید ص۲۴۳۔ وکتابہ فی التوحید کنت قرأتہ قبل اظہار الاسلام ونفعنی اللّٰہ بہ فی فہم ردالاشراک حتی صار سبباً لاہتدائی بالاسلام۔ قالامام محمد اسمٰعیل شیخی وامامی۔ انی احبہ کثیراً مثل ما یحب الناس ائمۃ مذاہبہم۔ استشہد فی ۲۶۔ ذیقعدہ سنۃ ۱۲۴۶ھ محمد نور الحق۔ صبح ۰۴۔ نومبر ۱۹۴۱ء۔

لکھ الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق الدہلوی ثم المکی۔ قال الشیخ محسن فی الیانع الجنی۔ ہو من اصحاب الامام عبد العزیز ابن بنتہ اخذ عن جدہ عبد العزیز وجلس بعدہ مجلسہ۔ وکان معروفاً بالعلم والورع۔ ویقال انہ ولد علی التقوی۔ ترجمتہ للمشکوۃ معروفۃ مرغوب فیہا۔ ہاجر الی مکۃ واقام بہا سنین ثم توفی بہا سنۃ ۱۲۶۲۔ انتہی۔ قلت وترجمۃ الشیخ للمشکوۃ قد دمجہا الشیخ قطب الدین الدہلوی تلمیذہ فی مظاہر الحق شرح المشکوۃ۔ فصار نفعہ عاماً والشیخ قطب الدین

۵ امام عبدالعزیز کی تعلیم وارشاد کا اثر حجاز سے گذر کر استانبول پہنچا۔ غالباً شیخ خالد کردی اس کا واسطہ بنا جس نے مولانا غلام علی کی خدمت میں سلوک کی تکمیل کی ہے! اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی صحبت کے توسط سے امام عبدالعزیز سے مستفید ہوا۔ خالد کردی کا ایک شعر مشہور ہے۔ کہتا ہے کہ میں علماء خراسان کی خدمت میں پھرا لیکن طبیعت مطمئن نہ ہوئی۔ اور وہاں میں مولانا غلام علی کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا۔ تو وہ لوگ مانع ہوئے۔ مگر میں اُن کے اثر میں نہیں آیا ؎

بدہلی ظلمت کفر است. گفتند و بدل گفتم
بظلمت رو اگر در جستجوئے آب حیوانی

خالد کردی کے شیخ طریقت مولانا غلام علی بھی امام عبدالعزیز کے اصحاب میں سے تھے۔ استانبول کے علماء کی طرف سے امام عبدالعزیز کی خدمت میں دعوت نامہ آیا کہ اگر آپ آستانہ تشریف لائیں، تو یہاں کی تمام علمی جماعتیں آپ کی سیادت میں کام کریں گی۔ مگر امام عبدالعزیز نے اپنے والد ماجد امام ولی اللہ کے ہندیؒ کام کی تکمیل سے علیحدہ ہونا پسند نہیں کیا۔

بقیہ صفحہ ۱۲۳۔ ھو خلیفۃ الشیخ محمد اسحاق صاحب التصانیف الکثیرۃ۔ مثل جامع التفاسیر ومظاہر حق۔ وظفر جلیل وغیرھا۔ وکان من خواص اصحاب الشیخ محمد اسحٰق وترجمتہ للمشکوۃ ومجمعا النواب فی شرح المشکوٰۃ۔ ونفع اللہ بہ کثیراً من عبادہ توفی الشیخ قطب الدین بالمدینۃ المنورۃ ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء تمہید ص ۲۱۷۔

(حاشیہ صفحہ ۱۲۱) سلہ یہ روایت زبانی ہے اور مشائخ دیوبند میں متوارث چلی آتی ہے کیونکہ مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی وغیرہ کا ادھر تعلق تھا۔ دعوت نامہ میں ایسے الفاظ ہیں کہ ہم آپ کی کفش برداری کو فخر سمجھتے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی "اشاعۃ السنۃ" میں غالباً اس کے متعلق کچھ مواد مل سکے۔ ہ

شیخ خالد کردیؒ[۲]

حضرت شیخ غلام علی (عرف عبداللہ) مجددی مظہری "مجدد مائۃ ثالث عشر" شمار ہوتے ہیں۔ دہلی کی خانقاہ مجددیہ انہیں کے نام سے آباد ہے آپ کی ذات سے اس قدر فیض جاری ہوا۔ کہ بقول شاہ عبدالغنی محدث دہلوی شاید ہی اگلے مشائخ میں کسی سے اس قدر فیض ہوا۔ ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو صرف ایک شہر انبالہ میں آپ کے پچاس خلفا تھے۔ آپ ہی کے خلیفہ شیخ خالد کردی تھے۔ جن کے مناقب میں علامہ شامی نے مستقل رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام سل الحسام الهندی لنصرة مولانا خالد النقشبندی ہے۔ یہ رسالہ مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ سنہ ۱۲۲۴ھ میں ان کا براہ ایران پورے ایک سال کے سفر کے بعد دہلی پہنچنا۔ اور شاہ غلام علی کی خدمت میں پہنچکر فیضیاب ہونا اور قطب ارشاد بن کر واپس وطن جانا اور وہاں مرجع خاص وعام ہونا مفصل ذکر کیا ہے۔ وقال في ذلك ليلة دخوله بلدة دهلى انشاء قصيدة طنانة في ذكر وقائع السفر وتخلص الى مدح شيخه. مطلعها۔

كملتْ مَسَافةُ كَعبة الآمال — حَمْدًا لِمَنْ قَدْ مَنَّ بِالإِكمالِ

مَنْ نوَّر الآفاقَ بعد ظلامِهَا — وهَدَى جميع الخلق بعد ضلال

اعنى غلام على القرم الذى — من لحظه يحيى العظام البالى

ذكر القصيدة بكمالها في اليانع الجنى۔ قال الشيخ مراد القزانى في ذيل الرشحات: ولد الشيخ غلام على سنة ۱۱۵۶ھ في قصبة بٹالہ۔ يتصل نسبه بسيدنا على كرم الله وجهه۔ ولما وصل الى مولانا مظهر سنة ۱۱۸۰ھ واظب على الاخذ منه الى خمس عشرة سنة۔ وتوجه الطالبون اليه من جميع البلاد

(بقیہ صفحہ ۱۲۴) وقد انتشر الاخذون عنہ فی جمیع اقطار الارض شرقاً وغرباً و عجماً. وعربا توفی الشیخ غلام علی سنہ ۱۲۴۰ھ. قلت کان الشیخ عبد اللہ من کبار اصحاب الامام عبد العزیز الدھلوی.

والشیخ خالد یتصل نسبہ بسیدنا عثمان من طریق ابیہ، وامہ من السادات العلویۃ. اخذ عن الشیخ عبد اللہ الدھلوی الطریقۃ النقشبندیۃ المجددیۃ. ثم اجتمع اخیرًا بالشاہ عبد العزیز بن الشاہ ولی اللہ الدھلوی. ملک العلماء فی عصرہ. وذلک باشارۃ شیخہ. فاجازہ بجمیع ما یجوز لہ روایتہ توفی سنہ ۱۲۴۲ھ. انتہی. قالہ الشیخ مراد القزانی فی ذیل الرشحات م کتاب التمہید ص ۲۱۹ و ص ۲۲۰.

شاہ عبد الغنی محدث دہلوی نے شیخ خالد کا ایک فارسی قصیدہ نقل کیا ہے جس کے انسٹھ شعر ہیں۔ مطلع اور زمین ملاحظہ ہو ؎

خبر از من دہید آں شاہ خوباں را بپنہانی	کہ عالم زندہ شد بار دگر از ابر نیسانی

شیخ کی مدح میں کہتے ہیں۔

امام اولیا سیاح بیدائے خدا بینی	ندیم کبریا سباح دریائے خدادانی
مبین راہنمایاں شمع جمع اولیاء دین	دلیل پیشوایاں قبلۂ اعیانِ روحانی
چراغ آفرینش مہر برج دانش و بینش	کلید گنج حکمت محرم اسرار سبحانی
امین قدس عبد اللہ شہ کز التفات او	دہد سنگ سیاہ خاصیت لعل بدخشانی
مقطع۔ زجام فیض خود کن خالد درماندہ را سیراب	کہ او لب تشنہ مستسقی و تو دریائے احسانی

اسی قصیدہ کا وہ شعر ہے جو متن میں مذکور ہے۔ حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی اپنے رسالہ تذکرہ حضرت شاہ غلام علی میں لکھتے ہیں۔ مولانا خالد شہر زوری کردی در علماء ہند فے الجملہ مدح حضرت شاہ عبد العزیز مے نمودند۔ رش م ص ۱۲۸ ۱۲ محمد نور الحق

(الف) جن لوگوں نے امام ولی اللہ، امام عبدالعزیز، اور اُن کے رفقا کی کتابیں نہیں پڑھیں، وہ حزب ولی اللہ کے امتیازی خواص اچھی طرح نہیں سمجھ

(بقیہ صفحہ ۱۲۶) میں نے مکہ معظمہ میں خالد کردی کے مطبوعہ مکاتیب دیکھے۔ سال بھر میں ایک بار وہ دہلی خط لکھا کرتے تھے۔ اور حجاج کی معرفت پہنچانے کا انتظام تھا۔ خط میں مولانا محمد اسمٰعیل شہید کا تذکرہ اس طرح کرتے جیسے کوئی کسی کا صدیق حمیم ہو۔ ساتھ ہی شیخ خالد مولانا شہید کے علمی تفوق کا بھی بہت زیادہ معترف ہے۔ ان خطوط میں حضرات ثلاثہ کی اصطلاح خاص طور پر برتی جاتی ہے۔

۵ غرض یہ ہے کہ گو علماء استنبول نے آپ کو دعوت دی۔ مگر آپ نے ایک تو اس لئے تسلیم نہ کیا۔ کہ وہ اپنے والد کے کام کو ترک کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ حجاز چھوڑ کر ہند واپس آگئے تھے۔ اس کے علاوہ شاہ عبدالعزیز کو علم ہے۔ کہ اُن کا مقرر کردہ پروگرام استنبول میں بیٹھ کر پورا ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسرے علماء اس کو ماننے کے لئے آسانی سے تیار نہیں ہوں گے۔ کیونکہ مسلکوں کا کافی اختلاف موجود ہے۔

واضح رہے کہ شاہ ولی اللہ کا مخاطب اعلیٰ طبقہ ہے۔ وہ تمام دنیا میں ایک ہی رنگ رکھتا ہے اس لئے اُن کی باتیں دوسرے ممالک میں اسی طرح مانی جا سکتی ہیں۔ جیسے ہندوستان میں مگر شاہ عبدالعزیز اعلیٰ طبقہ کو چھوڑ کر متوسط اور عوام کو مخاطب بنا کر وہی عالی علوم ان تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تاکہ یہ علوم راسخ ہو سکیں۔ ظاہر ہے کہ متوسط طبقہ ہر ملک کا جدا جدا ہوتا ہے۔ تو اب جو خصوصیات امام عبدالعزیز کے طریقے میں موجود ہیں۔ وہ صرف مخاطبین کی ضرورت کی وجہ سے ہیں۔ علمی طور پر اُن کو اس بلند فکری سے نیچے اترنے کی، خود اپنی طبیعت کے رو سے، نیز اپنے خصوصی ماحول (مثلاً خاندان تلامذۂ والا) کے رُو سے۔ کوئی ضرورت نہیں۔

اسی فرق کا نتیجہ ہے۔ کہ شاہ ولی اللہ فقہ حنفی اور شافعی کو مساوی درجہ دیتے ہیں۔ اور شاہ عبدالعزیز فقط فقہ حنفی سے مقید ہیں۔

سکتے۔ اس حزب کے مقاصد کی توضیح میں جس قدر دنیائے اسلام کی مشترک زبان عربی میں لکھا گیا ہے۔ اس سے بہت زیادہ پہلے فارسی[1] میں۔ اور پھر خالص ہندی میں تحریر ہوا۔ عربی، ترکی ممالک اُن سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکتے۔

(ب) امام ولی اللہ اور امام عبدالعزیز کے زمانہ میں ہندوستان سے باہر جس قدر اسلامی تحریکیں پیدا ہوئیں جیسے ایران میں بابی۔ نجد میں وہابی، یمن میں زیدی۔ وُہ خاص خاص پروگرام لے کر اُٹھیں۔ حزب ولی اللہ کی ہندوستانی تحریک اُن میں کسی سے نہ تو مقصد میں اشتراک رکھتی ہے نہ اُس کا طریق عمل کسی تحریک کے ساتھ مشتبہ[2] ہو سکتا ہے۔

(ج) حزب ولی اللہ کا بابی تحریک سے اشتباہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ کیونکہ فرقہ شیعہ کی غلطیوں سے عوام و خواص کو بچانا۔ اس حزب کے ذاتیات میں داخل ہے۔

---

[1] یعنے ہندی فارسی میں۔ نہ ایرانی فارسی میں۔ ہ

[2] کیونکہ شاہ صاحب کا ان تحریکات کے ساتھ ایک آئنڈیا (نصب العین) میں اختلاف موجود ہے۔ شاہ صاحب حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جو اختلاف پیدا ہوا۔ اس کو اسلامیت میں سند بننے نہیں دیتے۔ عام طور پر مسلمان قرون مشہود لہا بالخیر کی تعیین تابعین کے دور تک کر لیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کی پہلی صدی اُن کے ہاں قابل استناد ہے۔ تو اس فرق سے تحریکات کے ذاتی جوہر

(د) البتہ عرب کی نجدی تحریک سے حزب ولی اللہ بعض امور میں اشتراک رکھتا ہے اس لئے ظاہر بین دونوں کو یکساں مان سکتے ہیں۔

عرب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کے اتباع میں سے شیخ محمد بن[1] عبدالوہاب توحید کی دعوت دینے کے لئے اُٹھتے ہیں۔ حزب ولی اللہ میں بھی توحید کی دعوت اسی طرح موجود ہے۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا احترام بھی دونوں تحریکوں میں مسلّم ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۲۸) میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک شیعہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں ایک چیز کو حق سمجھتا ہے۔ وہ اس کو پہلے تین خلفاء کے زمانے پر ترجیح دینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اور شاہ ولی اللہ کے ہاں یہ ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کا مقصد خلافت راشدہ کا احیا ہے۔ بہت سے مذاہب مستحدثہ جو پہلی صدی میں پیدا ہوئے۔ دوسرے علماء کے طریقے پر سنون سے متشابہ ہو سکتے ہیں۔ اور شاہ صاحب کے طریقہ پر یہ ناممکن ہے۔

رہا پروگرام کا فرق۔ یہ تو ہر ہر طریقے میں اظہر من الشمس ہے۔ شاہ صاحب اپنے پروگرام میں عقل، نقل، کشف، ہر سہ کو جمع کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ اس طرح کا پروگرام نہیں بناتے۔

[1] الشیخ محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان صاحب نجد الذی تنسب الیہ الطائفۃ الوہابیۃ ولد سنۃ ۱۱۱۱ھ بالعیینۃ من بلاد نجد وہم بیت فقہ لما اراد نشر دعوتہ خرج الی الدرعیۃ واطاعہ امیرہا محمد بن سعود من آل مقرن وہذا فی حدود سنۃ ۱۱۵۹ھ۔ وانتشرت دعوتہ فی نجد وشرق بلاد العرب الی عمان

بقیہ صفحہ ۱۲۹۔ ولم یخرج عنها الی الحجاز والیمن الا فی حدود سنة ۱۲۰۰ھ۔ قال محمد بن ناصر الحازمی تلمیذ الشوکانی۔ هو رجل عالم۔ متبع الغالب علیه فی نفسه الاتباع۔ و رسائله معروفة۔ وفیها المقبول والمردود۔ واشهر ما ینکر علیه خصلتان کبیرتان الاولی تکفیر اهل الارض بمجرد تلفیقات لا دلیل علیها۔ وقد انصف السید الفاضل العلامة داؤد بن سلیمان فی الرد علیه فی ذلك۔ والثانیة التجاری علی سفك الدم المعصوم بلا حجة ولا اقامة برهان۔ وکان یعلن ان من دعا غیر الله او توسل بنبی او ملك او عالم فانه مشرك۔ شاء او ابی۔ اعتقد ذلك امر لا و تعدی ذلك الی تکفیر المسلمین جمهورهم۔ فکفر محمد بن بن عبد الوهاب من دعاء الاولیاء وکفر من شك فی کفره وکان یجاهد من خالفه۔ ولو بالاغتیال وینهب الاموال ویکفر الامة المحمدیة فی جمیع الاقطار فهو رجل علم من الشریعة شطرا ولم یمعن النظر ولا قرء علی من یهدیه نهج الهدایة ویدله علی العلوم النافعة ویفقهه فیها۔ بل بعضا من مؤلفات الشیخ ابن تیمیه ومؤلفات تلمیذه ابن القیم وقلدهما من غیر اتقان مع انهما یحرمان التقلید قال الشیخ السید محمد امین المعروف بابن عابدین فی رد المحتار شرح الدر المختار فی باب البغاة ۳۰۹ کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد، وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة۔ لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون، واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتی کسر الله شوکتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام سنة ۱۲۳۳ انتهی۔ اغاروا علی الحرم المحترم نصف النهار یوم السبت ثامن شهر المحرم سنة ۱۲۱۵ توفی الشیخ محمد بن عبد الوهاب سنة ۱۲۰۶ قبل غارة الحرم وانما کان ذلك من ولده عبد الله بن محمد بن عبد الوهاب امام الوهابیة۔ م۔ ابجد العلوم ص ۸۷۔

امام ولی اللہ نے شیخ ابراہیم کروی مدنی کے کتب خانہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے کافی استفادہ کیا ہے۔ ازالۃ الخفا میں بعض اساسی مسائل[1] ایسے موجود ہیں، جو یقیناً "منہاج السنۃ" سے لئے گئے ہیں۔ امام ولی اللہ شیخ ابراہیم کی اتباع میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی یکساں عزت اور عظمت مانتے ہیں، اور اس میں امام ربانی شیخ احمد سرہندی کو بھی شامل کرتے ہیں۔ کہ ان کے بعض بیانات[2] کے اخلاق سے ان کے مطالب کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الشیخ ابراهیم الکردی[1] عارف بفنون العلم من الفقه والحدیث والعربیة والاصلین وله تصانیف فی ذلك رحل الی بغداد والشام ومصر والحرمین وصحب القشاشی وروی عنه الحدیث وکان یتکلم بالفارسی والکردی والترکی والعربی کان مجلسه روضة من ریاض الجنة۔ وکان یرجح کلام الصوفیة علی الحقائق الحکمیة ویقول هؤلاء الفلاسفة تمادوا عثورًا علی الحق ولم یهتدوا الیه۔ وتاریخ وفاته انا علی فراقك یا ابراهیم لمحزونون۔ ھ ابجد ص۹۲۶۔

[1] فتنہ عثمانؓ سے پہلے جو زمانہ گذرا اس میں شاہ صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ اختلاف ہوا ہی نہیں جس قدر اختلاف مروی ہے وہ مشورہ شروع کرنے میں جیسے اختلاف ہوتے ہیں اس نمونے کا ہے۔ مگر فیصلہ میں اختلاف ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ایک چیز پر متفق ہو کر اٹھتے تھے۔ اس پر شاہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں بسط سے زور دیا ہے۔ اور یہ ان کی بہت بڑی علمی اساسی چیز ہے۔ اور شیخ الاسلام

(بقیہ صفحہ ۱۴۱) ابن تیمیہ منہاج میں اس کو ایک آدھ سطر میں لکھ جاتے ہیں۔ تو اس امر کا اعتراف نہ کرنا علمی طبقے میں معیوب ہے۔ ہم شاہ صاحب کی اس لئے عزت نہیں کرتے کہ وہ تمام چیزیں از خود ایجاد کرتے ہیں۔ وہ سلیم الفطرت ہیں۔ اور ائمہ متقدمین کی صحیح سے صحیح باتیں ہی لیتے ہیں۔ یہ اُن کی عظمت کا راز ہے۔ وہ شیخ اکبر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے یکساں طریقے پر اُن کی اچھی تحقیقات قبول کر لیتے ہیں۔

؎ امام ربانی کے بعض اقوال پر عرب و ہند میں سخت انکار کیا گیا۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو "درجہ خلت" میرے ذریعہ نصیب ہوا۔ شاہ صاحب اُسکی توجیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ بیان کی پیچیدگی اور الفاظ کی کوتاہی اور عدم مساعدت ہے۔ ورنہ اُن کا مطلب صحیح ہے۔ جس میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کو فتح کیا۔ اور یہاں اسلامی سلطنت قائم کی۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کا غلبہ ممالک اور ادیان پر یہ آپ کے ذاتی کمالات میں داخل ہے۔ مگر ہندوستان پر غلبہ متحقق ہونے میں سلطان محمود واسطہ بنتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تشریح میں امام ربانی واسطہ بن سکتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ امام ربانی کے بیانات میں الفاظ کی گونہ تنگی ہے امام ولی اللہ مکتوبات ص پر فرماتے ہیں۔ مکتوب در دفع شبہات مکتوب حضرت مجدد کہ درباب خلت وحصول ایں مرتبہ عظمیٰ بہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ وساطت بعض افراد امت وآں افراد را امراد از نفس خود داشتہ اند۔ مکتوب چہارم از جلد ثالث وغیر آں تصریح کردہ اند۔ کہ آنحضرت را صلے اللہ علیہ وسلم بعد ہزار سال بواسطہ بعض افراد امت مقام خلت حاصل شد و باشارہ مفہوم مے گردد کہ مراد ازاں فرد ذات مجدد است۔ وایں مقدمہ بظاہر مورد اشکالات کثیرہ شدہ است۔ آنچہ پیش فقیر متحقق شدہ ایں است کہ غرض شیخ اثبات اصل خلت است۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ در اول امر بغیر توسط و اثبات توسط خود در فیضان خلت بر بنی آدم تا ایں معنی کہ بہ توسط او بعد ہزار سال ہر دبار حصہ ازاں خلت یافتند و دریں جا ہیچ خدشہ لازم نمے آید زیرا کہ فضائل اضافیہ مثل مقتدا و متبوع بجز شدن۔ بتوسط خلق متحقق

ایسا ہی مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمانؒ جو حجۃ اللہ البالغہؒ سے ماخوذ ہے۔ شیخ محمد عبد الوہاب کی کتاب التوحیدؒ کی طرح بعض مقامات پر ایک ہی سی بات لکھی ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۳۱۔ شدہ است۔ وہم چنیں ہر علمے کہ بسبب او در جمیع مہتدی شوند۔ واتباع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ورست کنند۔ وآں عالم واسطۂ عموم دعوت ومقتدا بودن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مرآں قوم را خواہد بود۔ ص ۲۰۸-۲۰۹۔ نور الحق۔

حزبِ دہلوی اور حزبِ صادق پوری

قال الشیخ عم فیضہم فی کتاب التمهید ص۱۳۳ الحزب الدهلوی۔ یمیل الی الصدر الشهید والصدر الحمید (مولانا اسحٰق) اکثر والحزب الصادقپوری الی الامیر الشهید (السید احمد) اکثر۔ وکلهم متفقون علی امامة الامام ولی الله الدهلوی۔ ثم الامام عبد العزیز۔ ثم الامیر الشهید السید احمد۔ لکن بعد ما اشتبک بعض ائمة الصادقپوریین مع الظاهریة والمحدثین وزیدیة الیمن وحنابلة النجد وخرجوا عما کان علیہ الصدر الشهید۔ حدث الاختلاف الکثیر بین العلوم والمعارف بین الحزبین۔

واذا امعنت النظر فی تقویة الایمان للصدر الشهید۔ وکتاب التوحید تجد الفرق بینهما ظاهرًا فی مسئلة عدم مغفرة المشرک و مسئلة نفی التوسل۔ وکذالک اذا امعنت فی اصول الفقه للشهید وارشاد الفحول الشوکانی وجدتهما متباینین فی الاستدلال بالاجماع وغیرہ۔ و کذا اذا قرأت کتاب العبقات للصدر الشهید وجدت مسلکہ فی فلسفة ابن العربی مخالفًا لمسلک شیخ الاسلام ابن تیمیہ واصحابہ من الحنابلة۔ و

ہندوستان میں جس قدر اہل علم حزب ولی اللہ کے مخالف ہیں۔ وہ ان
اشتراکی مواقع کی بنا پر دونوں تحریکوں کو ایک بنانے کے لئے کافی سے زیادہ
کوشش کر چکے ہیں۔

(۵) مگر جب اچھی طرح غور کیا جائے۔ تو یہ اشتباہ دُور ہو جاتا ہے! امام
ولی اللہ کی عقلیت اور اُن کا فلسفہ، وحدۃ الوجود کے مسئلے پر مرتکز ہے۔ وہ
امام ربانی کی وحدۃ شہود کو بھی وحدت وجود سے تطبیق دیتے ہیں! اور شیخ الاسلام
ابن تیمیہ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں سے جس قدر شدید نفرت رکھتے ہیں وہ دنیا
کو معلوم ہے۔ جب کہ دونوں تحریکوں کی ذاتیات میں اس قدر اختلاف ہو۔ تو
اُن کو محض بعض امور کے اشتراک سے ایک نہیں کہا سکتا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۳) کان الشیخ السید نذیر حسین الدھلوی یتبع الصدر الشہید فی
عدم تکفیر ابن العربی۔ قال فی کتاب الحیات بعد الممات: میاں صاحب طبقہ علماء کرام
میں شیخ محی الدین ابن العربی کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اور "ختم الولایۃ المحمدیہ" کہہ کر پکارتے تھے۔
مولانا بشیر الدین قنوجی جو شیخ اکبر کے مخالف تھے۔ ایک مرتبہ دہلی اسی غرض سے تشریف لائے کہ
اُن کے بارے میں میاں صاحب سے مناظرہ کریں۔ دو مہینے دہلی میں رہے روزانہ مجلس مناظرہ گرم
رہی۔ مگر میاں صاحب اپنی عقیدت سابقہ سے جو شیخ اکبر سے تھی۔ ایک تل برابر بھی پیچھے نہ ہٹے آخر
مولانا ممدوح دو ماہ کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ علیٰ ہذا القیاس مولانا ابو الطیب شمس الحق نے بھی
شیخ اکبر کے متعلق کئی دن تک متواتر میاں صاحب سے بحث کی۔ اور فصوص الحکم پر اعتراضات جتائے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۴) میاں صاحب نے پہلے تو سمجھایا۔ مگر جب دیکھا کہ ابھی لا نسلم ہی کے کوچے میں ہیں تو فرمایا۔ کہ فتوحات مکیہ شیخ اکبر کی آخری تصنیف ہے۔ اور اس لئے ان کی سب تصانیف ماسبق کی ناسخ ہے اس جواب پر وہ سمجھ گئے۔ انتہیٰ۔ وکذلک رجع الی عدم التکفیر الامیر القنوجی فی کتابہ "التاج المکلل" حیث قال المذهب الراجح فی مسلک ابن العربی علی ماذهب الیہ العلماء المحققون الجامعون بین العلم والعمل۔ والشرع والسلوک۔ السکوت فی شانہ۔ وصرف کلامہ المخالف لظاهر الشرع الی محامل حسنۃ۔ وکف اللسان عن تکفیرہ وتکفیر غیرہ من المشائخ الذین ثبت تقواهم فی الدین وظهر علمهم بین المسلمین وکانوا فی الذروۃ العلیا من العمل الصالح محمد نور الحق۔

طریقہ امامؒ ولی اللہ وطریقہ محمد بن عبداللہ عرب النجدی

الامام ولی اللہ قد بنی طریقتہ

علی عرض المجتهدات علی السنۃ والکتاب وتطبیق الفقهیات بهما فی کل باب؟ وقبول ما یوافقها من ذلک، ورد ما لا یوافقها۔ کائنا ما کان۔ وکذلک ابن ابنہ المولی محمد اسمٰعیل الشهید اقتفی اثر جدہ ولم یکن لیخترع طریقا جدیدا فی الاسلام کما یزعمہ الجهال۔ وطریقہ هذہ الکل مذهب حنفی۔ وشرعۃ حقہ مضی علیها السلف والخلف وهو رحمہ اللہ احیی کثیرا من السنن السمأت وامأت عظیما من الاشراک والمحدثات حتی نال درجۃ الشهادۃ۔ ولکن اعداء اللہ و رسولہ تعصبوا فی شانہ وشان اتباعہ واقرانہ حتی نسبوا طریقتہ هذہ الی الشیخ محمد بن عبدالوهاب النجدی ولقبوهم بالوهابیۃ۔ وان کان ذلک لا یجدیهم نفعا لانهم لا یعرفون نجدا ولا صاحب نجد۔ بل هم اهل بیت علم الحنفیۃ واصحاب النفوس الزکیۃ قالہ الامیر القنوجی فی الحطۃ۔ ھ۔ کتاب التمهید موقف ثالث فی شیوع الحدیث فی الهند

اس کی مزید تفصیل کے لئے ش۔ م صفحہ ۱۷۱ ملاحظہ ہو۔

ایسا ہی مولانا شہید کی تقویۃ الایمان کا التوسل فی الدعاء کو جائز قرار دینا اور شرک اصغر کے مرتکب کو کافر نہ مانتے ہوئے غیر مغفور قرار دینا۔ دو اساسی مسئلے ہیں جو کتاب التوحید کے مناقض ہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے اتباع ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتے جو مولانا محمد اسمٰعیل شہید کے ان دو مسئلوں میں تابع ہوں۔ ایسی حالت میں دونوں تحریکوں کو ایک سمجھنا سرسری سمجھ کا مغالطہ ہے۔

التوسل فی الدعاء

مثلاً خدا تعالٰی سے استدعا کی جائے۔ بحرمت فلاں یا بحق فلاں کہہ کر تو اس توسل کو ابن عبدالوہاب نہایت شدت سے ممنوع قرار دیتا ہے۔ مولانا محمد اسمٰعیل کے ہاں یہ توسل ناجائز نہیں ہے۔ تقویۃ الایمان میں اس کے جواز کی تصریح کرتے ہیں۔ لیکن ہاں شیخ عبدالقادر شیئاً۔ جہاں ذات الٰہی کو توسل کے درجہ پر لایا گیا ہے۔ ہر دو کے ہاں ناجائز ہے۔ یہ ہے توسل فی الدعاء کا مسئلہ جس میں ہر دو طرف ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔

دوسرا مسئلہ حسب ذیل ہے۔ آیۃ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔ کی تفسیر میں ہر دو کا اختلاف ہے۔ اس آیت کا ظاہری اقتضا یہی ہے کہ شرک غیر مغفور ہے۔ اور ماورا شرک دوسرے کبائر قابل مغفرت ہیں۔ یہ اس آیت کا ظاہری تقاضا ہے۔ اب شرک کا لفظ دو درجوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ شرک اکبر، شرک اصغر۔ شرک اکبر تو یقیناً کفر ہے۔ کسی شخص کا اہل اسلام میں سے اس میں اختلاف نہیں کہ وہ غیر مغفور اور ابدی عذاب کا باعث ہے۔ شرک اصغر کو اہل علم کبائر میں شمار کرتے ہیں۔ ابن الوہاب اس کو شرک اکبر سے ملاتا ہے

(بقیہ صفحہ ۱۳۶) چونکہ نص میں عموم ہے اس لئے وُہ اس میں تخصیص کی اجازت نہیں دیتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو مسلمان شرک اصغر میں مبتلا ہو۔ اُس کا اسلام ان کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ مثلاً مسئلہ یا شیخ اور من حلف بغیر اللہ فقد اشرک، وغیرہ امور۔ یہاں عام اہل علم اور ابن عبدالوہاب کا اختلاف واضح ہوگیا۔

محاکمہ مولانا شہید یہاں حکم کے طور پر ایک فیصلہ کرتے ہیں۔ وُہ فرماتے ہیں شرک اصغر کی بھی جس قدر سزا مقرر ہے وُہ مغفور نہیں ہوگی۔ شرک اصغر کبائر میں شامل نہیں۔ اس کی سزا اس کے مرتکب کو ضروری طور پر بھگتنا پڑے گی۔ مگر وُہ کفر کے برابر نہیں۔ تاکہ ابدیت عذاب اس میں ثابت ہو۔ ابن عبدالوہاب آیت مذکورہ میں شرک کی تخصیص سے مانع تھا۔ ہم نے بھی اس کی تخصیص نہیں کی۔ بلکہ اس کا عموم برحال رکھا۔ اور عموم بحال رکھ کر حکم میں۔ جو اہل علم کا متفقہ مسئلہ ہے اصحابہ اور تابعین کے عہد سے لے کر، کہ شرک اکبر و اصغر میں فرق ہے۔ اُس کو قائم رکھا۔ مولانا محمد اسمٰعیل اس تحقیق میں منفرد ہیں۔ مسلمانوں میں ہم نے اب تک کسی عالم کے کلام میں اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں دیکھا۔ (تقویۃ الایمان) میں ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ الخ کے متعلق جو فائدہ لکھا۔ اس میں اس کی تصریح کردی۔ ہم نے نجدی علماء کو لطافت سے اس پر متنبہ کیا۔ وہ سُن کر حیران رہ گئے پھر بھی انہوں نے اس پر بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اس سے اُن کے امام کی ساری اساس منہدم ہو جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وُہ مولانا شہید کی بات کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے انہوں نے اس بات پر کوئی انکار نہ کیا۔ اور مولانا شہید کی عظمت کا اعتراف کرلیا۔

ان حالات کے بعد ہم کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہر دو تحریکیں ایک ہیں۔ ہندوستان سے بعض اہلحدیث مکہ معظمہ میں آتے رہے۔ اور نجدیوں کو یقین دلاتے رہے۔ کہ مولانا اسمٰعیل شہید تمہارے ہم مسلک ہیں ہم نے جب ان کو مابہ الفرق سمجھایا۔ تو وُہ حیران رہ گئے۔ کہ یہ اہلحدیث کیسے ہیں۔ کہ اپنے امام کی باتوں کو بھی نہیں سمجھتے۔ ہم نے کہا۔ یہ اور زیادہ تعجب انگیز ہے۔ کہ وُہ کتاب سلیس اُردو میں لکھی ہوئی ہے

(۷) یمنی تحریک کے ایک بزرگ امام شوکانی محقق محدث ہیں۔ اور حزب ولی اللہ کے اتباع میں سے بعض فرقے مستقل طور پر اُن کی اتباع کا دم بھرتے ہیں۔ وُہ دیکھتے ہیں۔ کہ اتباع سنت کی تفصیلی دعوت میں امام شوکانی حزب ولی اللہ کا ساہم ہے۔ مگر حقیقت شناس جانتے ہیں۔ کہ شوکانی زیدی ہیں اس لئے حنفیہ سے گو بعض مسائل میں اشتراک ضروری ہے۔ پھر بھی وہ حجیت اجماع پر صاف رائے نہیں رکھتے۔ قاضی شوکانی کی کتاب "ارشاد الفحول" اور مولانا شہید کا رسالہ اصول فقہ ملا کر پڑھئے۔ تو فرق واضح ہو جائیگا۔

امام شوکانی[1] هو محمد بن علی بن محمد الشوکانی ولد ۲۸، ذیقعدہ سنہ ۱۱۷۲ قد رزق سعۃ التبحر فی العلوم علی اختلاف اجناسها و انواعها واصنافها و سعۃ التلامذۃ المحققین۔ وسعۃ التالیف المحررۃ یبلغ عددها الی (۱۱۴) کتابا۔ منها۔ کتاب نیل الاوطار لانظیر له فی تحقیق المسائل اعطی فیه المسائل حقها فی کل بحث علی طریق الانصاف وعدم التقید بمذهب الاسلاف وکان یقول انه لم یرض عن شیٔ من مولفاته سوا لا مما هو علیه من التحریر البلیغ وقرئ علیه مرارا وانتفع به العلماء۔ وکان تالیفه فی ایام مشائخه فنبهوه علی مواضع منه حقه تحرر۔ وشوکان اسم بلدۃ هجرۃ۔ توفی الشوکانی فی جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۵۰۔ انتهی ابجد العلوم ص ۸۷۷

قال الشیخ عم فیضهم انی اخذت فقه الامام محمد بن علی الشوکانی عن الشیخ الامام الحسین بن محسن الیمانی ۔عن محمد بن نصر الحازمی واحمد بن

بقیہ صفحہ ١٣٨۔ محمد بن علی الشوکانی۔ کلاهما عن الامام محمد بن علی الشوکانی۔ واشتغلت
بالاستفادة عن کتبہ مدة طویلة۔ وانی معترف بان اللہ اعاننی بتلك التصانیف
علی فہم طریقة المحققین. لکن ما وافقت الشوکانی فی کثیر من مجتہداتہ و
الذی اعتقد فی حقہ انہ عالم منصف۔ مجتہد فی الاصول والفروع۔ یرید ان
ینصر السنة. لکن لا یوافق اهل السنة الفقهاء ولا اهل الظاهر منهم فی
جمیع ما یعتمدونہ۔ ومن اجل البدیهیات عند من وقف علی طریقة الامام
ولی اللہ الدهلوی واتباعہ انهم لا یوافقون الشیعة الامامیة منهم والزیدیة
لا فی الاصول ولا فی الفروع. فلنذکر ههنا اولا واحدا من کلام الشوکانی و من
کلام الولی اللہیین حتی یتضح الفرق۔

قال الشوکانی فی "ارشاد الفحول" اختلف علی تقدیر امکان الاجماع فی
نفسہ۔ وامکان العلم بہ۔ وامکان نقلہ الینا۔ هل هو حجة شرعیة۔ فذهب
الجمهور الی کونہ حجة۔ وذهب النظام والامامیة وبعض الخوارج الی انہ
لیس بحجة۔ وانما الحجة فی مستندہ ان ظهر لنا۔ وان لم یظهر لنا لم نقدر للاجماع
دلیلا تقوم بہ الحجة۔ ثم ذکر جمیع ما وصل الیہ نظرہ من ادلة القائلین بحجیتہ
واجاب عنها۔ وقال فی آخر تلك المباحث۔ والحاصل انك اذا تدبرت ما ذکرنا
فی هذہ المقدمات وعرفت ذلك حق معرفتہ تبین لك ما هو الحق الذی لا
شك فیہ ولا شبهة۔ ولو سلمنا جمیع ما ذکرہ القائلون بحجیة الاجماع وامکانہ
وامکان العلم بہ فغایتہ ما یلزم من ذلك ان یکون ما اجمعوا علیہ حقا۔
ولا یلزم من کون الشیء حقا وجوب اتباعہ۔ کما قالوا کل مجتهد مصیب ولا
یجب علی مجتهد آخر اتباعہ فی ذلك الاجتهاد بخصوصہ۔ واذا تقرر ذلك علمت
ما هو الصواب وستذکر ما ذکرہ اهل العلم فی مباحث الاجماع من غیر

بقیہ صفحہ ۱۳۹۔ تعرض لرفع ذلك اكتفاء بهذا الذى قررنا۔ انتهى۔

وقال الشيخ الامام محمد اسمٰعيل الشهيد فى كتابه اصول الفقه ص۲۱ فوه) الاجماع يثبت الاحكام۔ الاجماع اما بسيط وهو اتفاق المجمعين على امر واحد۔ اومركب وهو اتفاقهم على قولين او اكثر۔ بشرط اشتراك الامر الواحد فيهما والاجماع اما حقيقى وهو اتفاق المجمعين قولاً اوما فى حكمه كالسكوت الذى يدل على التقرير۔ واما حكمى وهو بخلافه والاجماع اما قوى وهو اتفاق جميع الماضيين والحاضرين من المسلمين۔ اومتوسط وهو اتفاق اهل الحق كذلك وذا لا يتصور الا باتفاق الصحابة۔ اوضعيف وهو الاتفاق بعد الصحابة۔ والاجماع الحقيقى البسيط۔ قويًا كان اومتوسطًا قطعى۔ وهو مثل الخبر المشهور ثباتًا وتعارضًا۔ وعدا ذلك ظنى بالتشكيك انتهى۔ فان شئت تفصيل هذا الكلام فارجع الى كتب جده الامام ولى الله الدهلوى لا سيما ازالة الخفاء وعندى امثلة كثيرة لبيان الاختلاف الجوهرى فى الطريقتين۔ واكتفيت منها بهذا المثال الواحد لان مع هذا الاختلاف لا يمكن الاتحاد فى تعيين الجادة القويمة۔ فالمسائل التى تثبت بالاجماع المتوسط داخلة فى الجادة القويمة عند الوليين۔ دون الامام الشوكانى۔ م كتاب التمهيد ص۲۱

حجیت اجماع پر مدار ہے صدیق اکبر کی خلافت کا مصحف عثمان کے متبوع ہونے کا۔ ہم جدید اصطلاح میں اجماع کے عوض جمعیۃ مرکزیہ کا فیصلہ استعمال کرتے ہیں۔ آج جس چیز کو جمعیۃ مرکزیہ کا فیصلہ کہا جاتا ہے۔ وہی اس زمانے کا اجماع ہے۔ اس کی حجیت کے بغیر کبھی کوئی سیاسی تحریک دنیا میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا شیعہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر اہل سنت کا مدار ہی سراسر اسی پر ہے تو ان ہر دو مسلکوں کا فرق غور کرنے والے سے زیادہ دیر تک مخفی نہیں رہ سکتا۔

(ذ) امام ولی اللہ کی تحریک کے لئے اگر کوئی بزرگ سلف صالح کا رتبہ رکھتا ہے۔ تو وُہ فقط امام ربانی، شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی کے وجود میں منحصر ہے۔ اُن کو امام ولی اللہ اپنے طریقے کا ارہاص[1] مانتے ہیں۔ امام ربانی نے جو کام شروع کیا تھا، امام ولی اللہ نے اس کو مکمل کر دیا۔

---

[1] رھص الحائط بنی رھصہ۔ والرھص من الحائط۔ اول صف منہ والرھص الطین الذی یبنیٰ بہ۔ ھق۔ ارہاص سے مراد یہاں راہ صاف کرنے والا ہے۔ مثلاً ہمیں عمارت بنانا ہے۔ تو زمین میں جس قدر نشیب و فراز ہیں۔ ان کو ہموار کرنا ارہاص کا درجہ رکھتا ہے عمارت بعد میں کوئی دوسرا شخص آکر بنائے گا۔

مجددِ الفِ ثانی[2] میں نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے استبعاداً تذکرہ کیا۔ کہ شاہ صاحب حضرت مجدد کو ارہاص لکھتے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا۔ کہ بہت بڑی بات ہے یعنی حضرت مجدد بہت بڑی ہستی ہیں، اس لئے شاہ صاحب کا یہ لکھنا خود شاہ صاحب کے حق میں یعنی اُن کی عظمت ثابت کرنے کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت نے یہ جواب میرے استبعاد کے پیش نظر فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب مکتوبات میں فرماتے ہیں۔ پس خلاصۂ کلام آنست کہ بعد از الف فتح دورہ دیگر شدہ است، کہ بہ بعض اعتبارات، اجمالِ فیوض متقدمہ است۔ مثلاً احوالِ قلب و روح و سر و غیر آں ہمہ مجمل شدہ ہیئت جمعیت پیدا کردہ۔ و بہ بعض اعتبارات تفصیل فیوض متقدمہ است مثلاً مسائل حجر بحت و انانیت کبریٰ دریں دورہ مفصل تر است۔ از ادوار سابقہ۔ و بالجملہ شیخ مجدد ارہاص ایں دورہ اند۔ بسا معارف مختصۂ ایں دورہ۔ کہ از زبان شیخ بطریق رمز و ایماء سر زدہ۔ و شیخ قطب ارشاد این دورہ است. بر دست وے بسیارے از

(۱۰) اس جمعیتِ مرکزیہ کی جدوجہد سے جب تحریک کے مبادی کا تعارف ملت سے اچھی طرح ہوگیا۔ تو امام عبدالعزیز ایک ایسے نوجوان کی راہ دیکھ رہے تھے۔ جو عسکری معاملات سے طبعی دلچسپی رکھتا ہو۔ تاکہ انقلاب کے دوسرے حصے کی تکمیل کرائیں۔

بقیہ صفحہ ۱۴۱۔ مگروہاں بادیہ طبیعت و بدعت خلاص شدہ۔ فقیر وراکثر معارف کہ شیخ بزبانِ فتح دورہ آوردہ مصدق اوست ص۹ تا ۹۔ قلت امام ربانی ارہاص ہیں۔ اسی پر ہم آپ کے ارشاد ذیل کو حل کرتے ہیں: "کارخانۂ عظیم دیگر بمن حوالہ کردند۔ برائے پیری و مریدی نہ خریدہ اند۔ و مقصود از خلقتِ من تکمیل و ارشادِ خلق نیست۔ معاملہ دیگر است۔ و کارخانہ دیگر" مکتوب ششم دفتر دوم۔ فسانہ طرازوں اور قصہ گو حضرات نے ان تصریحات کے دوسرے ادنیٰ محامل قرار دئیے ہیں۔ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

عبارت مذکورہ بالا صریح ہے۔ کہ امام مجدد اس دورہ کے ارہاص ہیں۔ تفہیمات الٰہیہ کی عبارت ذیل میں یہ مذکور ہے۔ کہ قیم اس دورہ کے امام ولی اللہ ہیں۔ فتم الامر وللہ الحمد۔ قال فی التفہیمات۔ ومثال ذٰلک بحسب ھٰذہ الدورۃ وھٰذا الشان الذی نحن فیہ وبحسب قیم ھٰذہ الدورۃ واماما۔ ان السابقین توغلوا فی وحدۃ الوجود ورجعت معرفتہم الی اللہ فانتقش فی الملاء الاعلیٰ علم وھو بیان الفرق بین التنزل الذی ھو اتحاد حقیقی وتغایر اعتباری، و بین التنزل الذی ھو تغایر حقیقی واتحاد اعتباری۔ وجاء الشیخ المجدد فجاء حولہ فقال مرۃ العالم موجود خارجی وقال مرۃ اخری العالم موھوم متقن وقال مرۃ العالم ظل الاسماء ولم یبین الامر علیٰ ما ھو علیہ۔ فجاء قیم الدورۃ فکشف حقیقۃ الامر۔ ھ ص۱۱۱ و ص۱۱۱۔

اللہ کی رحمت سے۔ امام ولی اللہ سے مستفید مولانا ابوسعید (ذکیہ شاہ علم اللہ) کے خاندان کا ایک نوجوان سید احمد شہید ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۷ء میں امام عبدالعزیز کی دعوت میں شرکت کے لئے آیا۔ موصوف انہیں اس مطلب کے لئے زیادہ موزوں دیکھتے تھے۔ اس لئے اُن کی تربیت میں خاص توجہ صرف کرتے رہے۔

(الف) سید احمد شہید نے عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد اسحاق، اور مولانا محمد اسمٰعیل سے پڑھیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور حدیث مولانا عبدالقادر کے درس میں سنتے رہے۔ اور انہیں کی صحبت میں سلوک مکمل کیا۔

سید احمد الامیر الشہید کی تعلیم و تربیت

امام عبدالعزیز کے خواص اصحاب جن کے رگ و ریشہ میں حزب ولی اللہ کی خصوصیات سرایت کر چکے ہیں۔ اور ایک لمبے زمانے سے اُن کی تربیت پر توجہ مرکوز رہی ہو۔ وُہ صرف وہی لوگ تھے جن کا تذکرہ ہم نمبر (۶) میں کر چکے ہیں۔ امیر شہید دراصل اُس حزب سے نہیں۔ بلکہ بعد میں منضم کئے گئے۔ اُن میں کشفی کمالات تھے۔ سپاہ گری کی تعلیم تھی۔ سید تھے اس لئے اُن کو امام عبدالعزیز نے امارت جہاد کے لئے موزوں قرار دیا۔ مگر اس خیال سے کہ کہیں حزب مذکور کی راہ سے ہٹ نہ جائیں۔ اُن کے ساتھ دو وزیر اپنے مکمل تربیت یافتہ لگا دیئے۔ مگر اپنا صحیح اور پورے معنوں میں جانشین حضرت شاہ اسحاق کو مقرر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا حم فیضھم نے نمبر (۶) میں امیر شہید کا تذکرہ نہیں کیا۔ میں نے بعد میں جب آپ سے اُسکی وجہ

بقیہ صفحہ ۱۴۳۔ دریافت کی تو آپ نے مذکورہ بالا جملے فرمانے کے بعد اس نمبر (۱۰) کی طرف اشارہ کر کے میری استبعاد کو دور فرمایا ۔ ۱۰ محمد نور الحق ۔ ستمبر ۱۱ نومبر ۱۹۴۱ء۔

کہتے ہیں کہ کتاب دیکھتے تھے تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا ۔ غرض کتاب و سنت سے زائد چیز کے دیکھنے سے اُن کی بصارت روک دی گئی تھی ۔ اس کا یہ مطلب تھا ۔ کہ شاہ ولی اللہ کے طریقے کا صاحب کشف اس سے زیادہ علوم کا محتاج نہیں ہے ۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ سید صاحب دینی علوم جس قدر ایک امیر کے لئے ضروری ہیں ۔ اُن کی تحصیل کر چکے ہیں ۔ اُن کی کشف سے نئی دینی تعلیم ثابت نہیں ہو گی ۔ اب یہاں سید صاحب کو امی ثابت کرنے کی سعی کی جاتی ہے ۔ یہ محض غلط ہے ۔ شاہ اسحاق صاحب کے اشارے سے مولانا عبدالحی اُن سے ملے اور بیعت کی ۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی کے کہنے پر مولانا اسمٰعیل نے بھی بیعت کر لی ۔

حضرت نے مجھے فرمایا کہ پڑھنے سے امیر شہید کی طبیعت پر بوجھ پڑتا تھا ۔ اور کشف طبعی پر یہ چیز گراں گذرتی تھی ۔ اس لئے اُن کو سماع کے لئے حکم دیا گیا ۔ تو اس طرح جس قدر شرعی علوم کی ضرورت تھی ۔ انہوں نے حاصل کر لئے ۔ گو وہ تحصیل عالمانہ طریقہ پر نہ تھی ۔ ہم اس کا تجربہ سندھ کے اپنے دوسرے مشائخ میں رکھتے ہیں ۔ وُہ عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھے ہوئے تھے ۔ قرآن شریف کا ترجمہ اور حدیث کی کتابیں سنتے ہیں ۔ جو عالم انہیں سناتا ہے وہ اُن سے بدرجہا زیادہ علم رکھتا ہے مگر جس وقت اُن کو ایک شرعی مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحقیق ہو جاتا ۔ تو جس طرح وُہ اپنی جماعت میں انقلاب پیدا کر دیتے تھے ۔ اس کا عشر عشیر بھی وُہ عالم پیدا نہیں کر سکتا ۔ اس طرح پر ہم سید صاحب کو ایک عالم مانتے ہیں ۔ اُن کے مناقب لکھنے والے دھوکہ دیتے ہیں ۔ کہ وہ پڑھے لکھے نہ تھے ۔ بلکہ سب چیزیں کشف سے اُن کو حاصل تھیں ۔

اُن کی خواہش دراصل یہ ہے ۔ کہ سید صاحب کا جو تعلق تلمذ شاہ عبدالعزیز سے ہے وہ کاٹ دیا جائے ۔ اور وُہ ایک امام مہدی کے طور پر مانے جائیں ۔ ان لوگوں نے اس تحریک کو بڑا نقصان پہنچایا شاہ علم اللہ جن کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے ۔ اُن کے فرزند سید محمد ضیاء ، اُن کے بیٹے سید

(الف) سید احمد دہلوی "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں۔ سید احمد بریلوی اوائل حال میں شوق طالب علمی میں، وطن سے وارد شاہ جہان آباد ہو کر مسجد اکبر آبادی میں فروکش ہوئے۔ اور صرف و نحو میں فی الجملہ سواد حاصل کیا۔ اکثر خدمت مسجد اور اُس مقام کے واردوں، خصوصاً درویشانِ پاک طینت کی جو تحصیل علم باطنی کے شوق میں، جناب مولٰینا عبد القادر کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، خاطر داری اور سرانجام مہام میں ایسے سرگرم ہوئے، گویا اس امر کو اہم مہام سمجھے ہوئے تھے۔ ھ

بقیہ صفحہ ۱۴۴۔ شاہ ابو سعید ہیں۔ آپ حضرت امیر شہید کے جد مادری، اور امام ولی اللہ کے خلیفہ ہیں۔ سیرت احمدیہ صفحہ ۵ میں ہے۔ اس خاندان کے بہت سے بزرگوں نے شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحبزادوں سے ظاہری اور باطنی استفادہ کیا۔ شاہ ابو سعید۔ شاہ محمد واضح۔ سید محمد معین۔ سید محمد لقمان۔ عم امیر شہید نے شاہ ولی اللہ سے۔ اور سید قطب الہدیٰ۔ سید محمد اسحٰق۔ برادر اکبر امیر شہید نے شاہ عبد العزیز سے اور شاہ عبد القادر سے استفادہ کیا۔ اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کی برکتیں جمع ہو گئیں۔ یہ خاندان اپنا خصوصی مشرب اور مخصوص فکر رکھتا ہے۔ یہ خصوصیت امیر شہید کے خاندان میں حضرت مجدد کے خلیفہ شیخ آدم بنوری سے متوارث چلی آتی ہے۔ بنا بریں سید امیر شہید کا حزب ولی اللہ کے رنگ میں پورے طور سے رنگا جانا بعید ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب انہیں موقع ملا۔ تو انھوں نے اپنے امیر المومنین ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور تحریک ناکام رہ گئی۔

مشرقی، مغربی ہند کی رقابت تاریخ میں قدیم سے چلی آتی ہے۔ چندر بنسی۔ سورج بنسی خاندان اسی مغربیت و مشرقیت کے دوسرے عنوان ہیں۔ ہمارا یہ خیال ہے۔ کہ رقابت مذکورہ بعد از اسلام بھی قائم رہی۔ اور امیر شہید کے وقت بھی وہ بروئے کار آئی۔ امیر شہید مشرقی ہند رائے بریلی سے

(ب) ذکر اللہ جب اُن کی طبیعت میں راسخ ہوگیا۔ تو اُن کی عالی دماغی اور اولوا العزمی سے ایسے کلمات صادر ہوتے جو ایک ایسے مصلح کی زبان سے نکلتے ہیں جو تمام انسانیت کو راہ راست پر لانا چاہتا ہو۔ وُہ کلمات سُنکر امام عبدالعزیزؒ نے فرمایا۔ "تِلْكَ خَيَالَاتٌ تُرَبِّيْ بِهَا أَطْفَالُ الطَّرِيْقَةِ" یعنے اسی طرح اُن کے فطری جوہر کی تربیت ہو رہی ہے:۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۵) تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے عام مریدین بھی بہار وغیرہ کے ہیں۔ اس کے بالمقابل مغرب یعنی دہلی ہے۔ وُہ لوگ دہلوی تحریک کو اپنا بنانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے مولانا ولایت علی بہاری نے مولانا اسحاق کے خلاف دوسری جماعت تیار کی۔ وُہ مولانا اسحٰق اور حزب دہلوی کو اس میدان سے دُور ہٹانا چاہتے ہیں:۔

تربّی بہا اطفال الطریقۃ جب کوئی پہلوان شاگردوں کو سکھاتا ہے تو استاد خود اُن کے آگے گر جاتا ہے شاگرد سمجھتا ہے کہ میں نے استاد کو گرا لیا۔ اس سے اس کی تربیت مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح پر خیالات اُس کی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں امیر شہید سے بلند باتیں سرزد ہوتی ہیں کہ میں یوں کروں گا۔ اور اس طرح کر دکھاؤنگا۔ اس سے اُن میں عالی حوصلگی پیدا ہو رہی ہے۔ سید صاحب کا ایک جملہ ہے جو سوانح میں منقول ہے "کہ انہوں نے اپنے اہلبیت میں سے کسی آدمی سے کہا۔ کہ اگر تمہیں کوئی کہے کہ سید احمد فوت ہوگیا ہے۔ تو جب تک تم یہ نہ دیکھو۔ کہ ہندوستان سے کفر نکل گیا ہے اور رافضیوں سے فلاں فلاں عیب جاتے رہے۔ اور عربوں سے فلاں خرابی دور ہوگئی۔ ترکوں کی فلاں کمزوری رفع ہوگئی ہے۔ جب تک یہ ساری باتیں پوری نہ ہوں کبھی یقین نہ کرنا کہ سید احمد فوت ہوگئے ہیں"۔ یہ ہے ترجمہ تلک خیالات تربّی بہا اطفال الطریقۃ یعنے عالی حوصلگی۔

(ج) ۱۲۲۵ھ ۱۸۱۱ء میں امام عبدالعزیز نے انہیں تربیت عسکری[1] کے لئے امیر خاں (والئے ٹونک) کے لشکر میں بھیجا۔ ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ء میں جب امیر خاں کی انگریزوں سے صلح ہوگئی۔ تو واپس امام عبدالعزیز کی خدمت میں دہلی پہنچے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۶) مجھے بڑا تعجب ہوا۔ جب سوانح احمدیہ کے مصنف نے مکتوبات سید احمد کو شروع کرنے سے پہلے امام عبدالعزیز کا ایک خط نقل کیا جس میں یہ الفاظ ہیں۔ واقعہ ہے کہ کسی نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے دریافت کیا کہ سید صاحب بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ اس پر آپ نے اس کو لکھا "تلك خيالات تربي بها اطفال الطريقة" ہمارے خیال میں سوانح احمدیہ کا مصنف اس خط کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکا۔ ورنہ وہ مکاتیب سید صاحب کی ابتدا اس خط سے نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اس رشتہ کو کاٹنا چاہتا ہے۔ ھ

الامیر الشہید[1] کی تربیت عسکری

قال مولانا الشیخ عم فیضہم فی کتاب التمہید۔ الامیر الشہید۔ قرء ترجمۃ القرآن علی الشیخ عبدالقادر۔ واخذ الطریقۃ الجشتیۃ و القادریۃ و النقشبندیۃ والمجددیۃ من الامام عبدالعزیز۔ واسس الطریقۃ المحمدیۃ لاحیاء الجادۃ القویمۃ۔ من السنۃ النبویۃ وارسلہ الامام عبدالعزیز لتحصیل المہارۃ فی الامور العسکریۃ فی سنۃ ۱۲۲۵ (۱۸۱۰) واستخلفہ الامام عبدالعزیز سنۃ ۱۲۳۱ (۱۸۱۶) لامامۃ الدعوۃ الی اتباع السنۃ والجہاد وجعل معہ من العلماء مولٰنا عبدالحی الصدر السعید۔ ومولانا اسمٰعیل الصدر الشہید کانوا وزیرین وکان امرہم بالشوری بینہم۔ واذا اتفق الثلٰثۃ علی شی یکون مثل حکم الامام عبدالعزیز۔

فاعلنوا الدعوۃ بالجہاد فی سنۃ ۱۲۳۶ (۱۸۲۱)۔ ویدعوا باعمال الحج وفرغوا

(بقیہ صفحہ ۱۴۰) منها فی سنة ۱۲۳۹ (۱۸۲۴) وشرعوا فی اعداد القوة الی سنة ۱۲۴۱ (۱۸۲۵) ثم هاجروا الی بلاد الافاغنة وجبالهم. واقاموا حكومة موقتة كان اميرها السيد احمد. فی ۱۲ جمادی الاخرة سنة ۱۲۴۲ھ (۱۰ نومبر سنة ۱۸۲۶م)، وبايع الافاغنة اكثرهم بامامة الامير وصاروا يطيعونه فی اوامر الشرع الاسلامی. وكذلك بايع امامة الامير من كان من الولی اللهيين بالهند وكانوا يمدونهم بالاموال والرجال. وهذا الامر كان مركز ادارته الدهلی. وكان الصدر الحميد مولانا محمد اسحٰق مديرا۔

فكان الحرب بينهم وبين المتغلبين على مسلمی الفنجاب سجالاً حتى اندهش منهم امراء الجمعية التجارية الانكلزية فاستعانوا بالمسلمين المخالفين للولی اللهيين وامدوهم بالاموال فوصلوا الی بلاد الافاغنة واوقعوا الشقاق بين الهنديين المهاجرين وبين الافاغنة الوطنيين۔

وفتنهم كانت راجعة اما الی اتهام الولی اللهيين بانهم ليسوا من الحنفية كفقهاء بلاد الافغانيين واما الی الوسوسة بان الافاغنة كيف يرأسهم امام هندی۔

فالجهال من الافاغنة اثرت فيهم الدعاية. والامير استبد برأيه فی بعض الامور وما قبل مشورة الناصحين فافضى الامر من تأثر الافاغنة الی ان قتلوا عمال الحكومة اولاً غيلة. واعانوا المحاربين ثانيا فاستشهد الامير واصحابه فی بالاكوٹ بايدی الكفار فی ۲۷ ذیقعدہ سنة ۱۲۴۶ھ (۶ مایو سنة ۱۸۳۱م)

الاختلاف وقع فی اتباعهم الاختلاف فی شهادة الامير فاتباع الصدر الحميد الشيخ محمد اسحاق اسسوا حزبا يعتقد شهادة الامير ويدعون الی الجهاد

جملہ معترضہ | "بدور بازغہ" میں امام ولی اللہ نے اجتماع انسانی کی تمدنی ضروریات کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ قضا۔ شہریاریت۔ جہاد۔ نقابت۔ انذار و تبشیر۔ ہر ایک کی تکمیل کے لئے ایک ایسے کامل کی ضرورت ہے جو اس ضرورت کو پورا کرنے میں خصوصی مہارت رکھتا ہو۔ ان پانچ رہنماؤں کے ساتھ ایک ایسا امیر بھی ضروری ہے۔ جو ان تمام کاموں میں مہارت کاملہ رکھتا ہو۔ وہی حقیقی طور پر امام بننے کا مستحق ہے:" والرجل الواحد المتکفل بها جمیعًا هو الامام الحق"۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۸) ولنسمہ الحزب الدهلوی ۔ وادعی الشیخ ولایت علی الصادقپوری ان الامام الامیر هو المهدی الموعود وانه لم یستشهد فی المعرکة بل اختفی عن اعین الناس وهو موجود فی هذا العالم الی الآن حتی افرط بعضهم فقال انا لقیناه بمکة حول المطاف ثم غاب بعد ذلک ۔ وانه سیعود حتی جعلوه جزء العقیدة ویجادلون من ینکره۔

وهولاء هم الذین احتاجوا ان یخرجوا من الحنفیة الرحیمیة الولی اللهیة العزیزیة الاسمعیلیة الاسحٰقیة وما دخلوا فی محاربة دهلی ونسمیه الحزب الصادقپوری ۔ ه ۔ محمد نورالحق۔

ہیئت[1] اجتماعیہ کے مدارج | ایک شخص اپنے طبعی جذبات، اور علوم کے متعلق ضروریات اور جسمانی حاجتیں تنہا کبھی پوری نہیں کر سکتا جب جماعت میں یہ صلاحیت ہو کہ اس کا ہر فرد اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کر سکے اس کو ہیئت اجتماعیہ کہا جاتا

بقیہ صفحہ ۱۴۹: ہے۔ یہ انسانی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس ہیئت اجتماعیہ کو قائم رکھنے کے لئے یہی لوگ اپنی حکومت بنا لیتے ہیں۔ حکومت بن جانے کے بعد افراد کی بغاوت ہیئت اجتماعیہ کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ اچھی حکومت پیدا کر لینا ہیئت اجتماعیہ کے بعد انسانیت کی ترقی کا دوسرا قدم ہے۔ جس جگہ یہ دونوں چیزیں مجتمع ہوں وہ مدینہ تامہ ہے۔ جہاں فقط ہیئت اجتماعیہ ہو۔ اور منظم حکومت نہ ہو۔ حکمران افراد سے تو کوئی ہیئت اجتماعیہ خالی نہیں ہوتی۔ مگر ان افراد کا ایک ایسا نظام جس کی وجہ سے اُن میں ایک وحدت پیدا ہو۔ اور اُسے حکومت کہا جائے۔ یہ ہر ہیئت اجتماعیہ کے لئے لازم نہیں ہے۔ اس کو مدینہ ناقصہ کہتے ہیں۔ اور آجکل کی اصطلاح میں سوسائٹی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انارکسٹ سوسائٹی کو مانتے ہیں۔ اور اسی پر انسانی ترقی کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہ سوسائٹی ہی اپنے اوپر خود حکومت کرتی ہے۔ مدن ناقصہ میں جو شاہ صاحب نے لکھا ہے۔

...... یہ مذکورہ بالا ہیئت اجتماعیہ کا ایک عنوان ہے۔ چھوٹے گاؤں میں تو ہیئت اجتماعیہ ہی حاکم ہوتی ہے۔ جیسے ایک بڑے گھر میں ہیئت اجتماعیہ حاکم ہے۔ اسی طرح بعض بڑے گاؤں ہوتے ہیں جن میں کئی کئی آدمی نمبردار اور چوہدری ہیں۔ اصلی طریقے کے مطابق وہاں ایک چھوٹی سی حکومت ہونی چاہیئے۔ مگر بعض اوقات حکومت کے بغیر بھی وہ لوگ اپنے توافق سے کام چلا لیتے ہیں۔ پرانے راجپوتوں اور آج کے افغانوں میں پنچایت اور جرگے کی رسم اسی توافق کی مثالیں ہیں۔

بعض بڑے شہر ہیں۔ حکومت وہاں موجود ہے۔ حکومت کے بغیر اُن کا کام چل ہی نہیں سکتا۔ تو اُن کے عقلمند اور نمایاں شخصیتیں سب ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں۔ عموماً اس اجتماع کا محل کوئی مقدس مقام ہوتا ہے۔ بحث کرنے کے بعد وہ ایک رائے قائم کر کے اٹھتے ہیں۔ یہ پارلیمنٹ ہے اور ہماری زبان میں اس کا نام اہل حل و عقد ہے۔ ہمارے متاخرین بادشاہوں نے اہل حل و عقد کی قوت کو برباد کر کے اپنی شخصیت کو نمایاں کیا۔ اور خود برباد ہو گئے۔ جب تک صالح بادشاہ رہے۔ جن میں بادشاہی چلانے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ اہل حل و عقد کے مشورں

اس کے بعد فرماتے ہیں۔ قلما یوجد ذلك۔ والاکثر وقوعًا هو ان یکون القائم بامرین او ثلثۃ رجلا واحدًا او بالباقی رجل (ب) والمدن الناقصۃ قد یوجد هناك بحسب کل حاجۃ مسنۃ مصطلحۃ علیها ورئیس کل اهل صناعۃ یصدرون برایۂ (ج) او اجتماع من عقلاء القوم ومبرزیهم ۔ (ص ۷۲ تا ۷۳ ۔ نور الحق)

ہم آج کی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ ایک حقیقی امام کا جو ڈکٹیٹر بن سکے۔ پیدا ہونا آسان نہیں۔ اُس کے نہ ملنے پر حاکم بنانے کے لئے اُن تین صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ (۱) ایک بورڈ بنا دیا جائے (۲) اگر محدود سوسائٹی ہو تو اس کا ہر ایک حصّہ اپنے مُسلّم قانون پر اپنے مُسلّم

(بقیہ صفحہ ۱۵۰) کے پابند رہتے تھے ہمارے خیال میں یورپ نے پارلیمنٹی نظام کوئی نئی چیز پیدا نہیں کی۔ مگر اس نظام کا طریقہ منضبط کر دیا۔ ہمارے ہاں یہ چیز منضبط نہیں ہے۔

دو آدمی مساوی درجے کے مل کر حکومت کرتے ہیں۔ جب وُہ کسی مشورے میں مل بیٹھتے ہیں۔ تو جیسے سفر کے رفیق ایک شخص کو وقتی طور پر امیر بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح اس اجلاس میں ایک وقتی امیر بنا لیا جاتا ہے۔ اور اتفاق سے کام چلتا رہتا ہے۔ اس کی مثالیں ہمیشہ بڑے شہروں اور ملکوں میں ملتی رہتی ہیں۔ یہ انسانیت کے طبعی تقاضوں میں سے ایک شق ہے۔ یعنی کبھی وہ ایسا بھی کر لیتے ہیں۔ جمعیتہ مرکزیہ میں عموماً بورڈ کی روح کام کرتی ہے۔ کیونکہ وہاں سب یکساں ہوتے ہیں۔ کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا۔ [illegible]

رئیس کی اطاعت میں قومی قانون کی پابندی کرے گا یعنی سوسائٹی کو حکومت بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ اُن میں اس قسم کے اختلاف پیدا ہی نہیں ہوتے جو امام بنانے کے لئے مجبور کردیں۔ (۳) یا عقلمندوں یا عوام کے مقبول لوگوں کا اجتماع ہوگا یعنی پارلیمنٹ بن جائے گی۔

امامت کے مسئلہ میں اس قدر تفصیل جس میں ڈکٹیٹر، بورڈ، سوسائٹی، پارلیمنٹ سے بحث کی جائے۔ ہم نے امام ولی اللہ کے سوا کسی اور محقق کی کتاب میں نہیں دیکھی

(جملہ معترضہ پورا ہوا)

امام عبدالعزیزؒ کے آخری عہد میں ہندوستان کی سیاست میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے بعد کام کرنے کے لئے اپنے لوگوں میں سے کسی میں امامت کی صلاحیت نہیں دیکھی۔ تاکہ کسی کو ڈکٹیٹر بناتے۔ اسلئے دو بورڈ بنا دیئے۔

(الف) عسکری امور کے لئے سید احمد شہید امیر، اور مولینا عبدالحئی اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید مشیر مقرر ہوئے۔ امام عبدالعزیز نے اپنی تمام جماعت کو حکم دیا۔ کہ جبہ

---

۵ یہاں غلطی یہ ہوئی کہ شاہ صاحب کے فیصلے یعنی بورڈ کی سمت کو نہ سمجھ کر سید صاحب کو امیر مطلق یعنی امام کے درجے پر مان لیا گیا۔ اور یہ اُن لوگوں کی مداخلت سے ہوا۔ جو امام عبدالعزیزؒ کے تربیت یافتہ نہ تھے۔ اس شکست میں اس اصولی تبدیلی کو بہت بڑا دخل ہے۔ ۵۔ مولانا عم فیضہم ۱۲ نور الحق۔ بعد مغرب ۶۔ نومبر ۱۹۴۱ء۔

معاملے پر سید احمد (شہید)، مولانا عبدالحی، مولانا محمد اسمٰعیل (شہید)، تینوں جمع ہو جائیں۔ اس کو (امام) عبدالعزیز کا حکم سمجھنا چاہیئے۔

(ب) تنظیمی امور کے لئے مولانا محمد اسحاق امیر، اور مولانا محمد یعقوب دہلوی (برادر مولانا محمد اسحاق) مشیر۔ مولانا محمد اسحاق کو ہر معاملے میں اپنے ساتھ شریک[لے] رکھ کر شاہ عبدالعزیز نے لوگوں کو سمجھا دیا۔ کہ اُن کا حکم میرا حکم ہے۔ امام عبدالعزیز کا یہ فیصلہ فقط امام ولی اللہ کے اصول پر ٹھیک اترتا ہے۔

امام عبدالعزیز نے سید احمد شہید کے بورڈ کو پہلی دفعہ سنہ ۱۲۳۱ھ میں بیعت طریقت لینے کے لئے اور دوسری دفعہ سنہ ۱۲۳۶ میں بیعت جہاد لینے کیلئے دورہ پر بھیجا۔ اس کے بعد سارے قافلہ سمیت حج پر جانے کا حکم دیا۔ تاکہ اُن کی تنظیمی قوت کا تجربہ ہو جائے۔ جب قافلہ حج سے سنہ ۱۲۳۹ میں واپس آیا۔ تو امام عبدالعزیز فوت ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے آخری وقت میں مولانا محمد اسحٰق کو مدرسہ سپرد کر کے اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ رضی اللہ عنہم وعنا معہم اجمعین۔

[لے] بادشاہوں کا اپنے ولی عہد کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ وہ متمدن لوگ اس کو آسانی سے سمجھتے اور جانتے ہیں۔ امام عبدالعزیز نے مولانا محمد اسحاق سے وہی معاملہ کیا

بقیہ صفحہ ۱۵۳) جو بادشاہ اپنے ولی عہد سے کرتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو شاہ اسحاق کی امامت قبول کرنے میں کوئی عذر پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ سوانح احمدیہ کا مصنف شاہ اسحاق کی حیثیت بالکل کم کرنا چاہتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ دنیائے اسلام میں ایک عالم بھی ایسا نہیں ملتا جو اپنا سلسلۂ اسناد شاہ عبدالعزیز تک پہنچائے اور شاہ اسحاق درمیان میں واسطہ نہ ہوں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الصدر الحمید امام محمد اسحاق

سنہ ۱۲۳۹ھ تا سنہ ۱۲۶۲ھ

۱۔ جب سنہ ۱۲۳۹ھ میں امام عبدالعزیز فوت ہوئے تو آپ نے اپنا مدرسہ مولانا محمد اسحاق کے سپرد کیا۔ جو حزب ولی اللہ کی امامت کا عرفی دستور تھا۔ سید احمد شہید کا قافلہ جب حج سے واپس آیا۔ تو انہوں نے امام عبدالعزیز کے بعد اس امامت کو تسلیم کر لیا۔ اس زمانہ میں اگر جمعیۃ کا اجلاس مدرسہ میں ہوتا۔ تو مولانا محمد اسحاق صدارت کرتے! ور سید احمد شہید حلقے میں بیٹھتے۔ اور جب مدرسہ سے باہر[1] مجلس منعقد ہوتی تو سید احمد شہید صدر ہوتے۔ اور مولانا محمد اسحاق حلقہ میں شریک ہوتے۔

---

[1] اس روایت کی اصل امیر الروایات کا بیان ہے۔ امیر الروایات۔ اوراق ثلثہ

اس طرح حزب ولی اللہ کی اساسی مصلحت کی حفاظت اور رجال و اموال جمع کرنے کے لئے دُعاۃ کا سلسلہ امام عبدالعزیز کے مدرسے سے متعلق رہا۔ اور عسکری اور سیاسی سرداری سید احمد شہید کی جماعت سے وابستہ رہی۔

۲۔ سنہ ۱۲۴۱ھ میں ہجرت شروع ہوئی۔ اور ۱۲ جمادی الاخری سنہ ۱۲۴۲ھ ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۲۷ء کو افغانی قبائل نے بھی "ہند" میں سید احمد شہید کو اپنا امیر مان لیا۔ اس کے بعد ایک سال تک مولانا عبدالحی زندہ رہے۔ اُن کی موجودگی میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا

(بقیہ صفحہ ۱۵۵) کی تصنیف کا تعلق امیر شاہ خاں صاحب سے ہے۔ جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے خاص خادم ہیں۔ یہ کتابیں اُن کی بیان فرمودہ حکایات کا مجموعہ ہیں۔ خان صاحب کا کمال یہ تھا۔ کہ جملہ واقعات ان کو سند اور حوالہ سے لفظ بلفظ یاد تھے۔ خورجہ کے متوطن، اور میندُو ضلع علی گڑھ میں رہتے تھے۔ بہت سے فضلا و اکابر کے صحبت یافتہ تھے۔ جن کا التزام کرتے ہوئے حدیث کی طرح خاندانِ ولی اللہی کے بزرگوں اور اکابر سلسلہ دیوبند کے حالات و واقعات سناتے آپ کا کوئی جلسہ مشکل اس تذکرے سے خالی ہوتا۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے مولوی حبیب احمد کیرانوی کے ذریعہ اُن کی زبانی روایات کو قلمبند کرالیا اور اس مجموعہ کو امیر الروایات کے نام سے شائع کرایا۔ بعد میں مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے جمع کردہ حالات مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا تھانوی کے ملفوظات اور بعض دوسرے اضافات کے ساتھ یہ مجموعہ ارواح ثلٰثہ کے نام شائع ہوا۔ اس میں سید صاحب۔ شاہ اسمٰعیل صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب کے متعلق نہایت کارآمد معلومات کا ذخیرہ ہے۔ سیرت سید احمد شہید و ش۔ م ص ۳۸۹۔

امیر الروایات کی مذکورہ بالا حکایت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ اجتماع ایک مرکز

سید احمد شہید اُن کے سامنے اپنی ذاتی رائے پر عمل[1] نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ اجتماعی فیصلہ حکومت کر رہا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۶) رکھتا ہے۔ تو وُہ شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ ہے۔ اور شاہ اسحاق۔ رئیس۔ امیر شہید۔ چونکہ عسکری نظام کے سرتاج ہیں۔ اور وُہ زمانہ لشکر جمع کرنے کا ہے۔ اس لئے بیرونی مدرسہ انہیں کو مدارت حاصل تھی۔ ۱۲ محمد نور الحق۔

حاشیہ "ہُنڈ" ص ۱۵۱ ط کا تعلق ہماری سیاسی تاریخ سے نہایت ہی قوی ہے۔ یہ ہنڈ وہی مقام ہے جہاں ۱۲ رجمادی الاخرہ ۱۲۴۲ھ فرقہ ولی اللہیہ" کے "مقدمۃ الجیوش" نے (جسے امام عبدالعزیز دہلوی نے تیار کیا تھا۔ اپنی حکومت موقتہ قائم کی۔ اُس کے رئیس امیر شہید دہلوی تھے جمہور مسلمین نے بیعت کی اور انہیں امیر مان لیا گیا۔ اتفاق سے یہ تاریخ ۱۰ر جنوری ۱۸۲۷ء کے مواقف تھی۔ اسلئے ہمارا شمسی قومی نوروز اس واقعہ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ۱۰ر جنوری کو منایا جائے گا۔ جس قدر ہندوستانی مسلمان کی قومی روح پیدا ہوگی اُسی انداز سے وُہ ہماری تجویز کی تائید کریں گے۔

سرجان ایلیٹ نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ ہنڈ دریائے سندھ کے کنارے پر مشہور و معروف ہے اٹک سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ لاہور اور پشاور کے قدیم شارع اعظم پر پشاور سے تیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وُہ مشرقی قندھار کا دار السلطنت تھا۔ ابوالفداء۔ البیرونی۔ بیہقی نے سکندر اعظم کو اس کا بانی قرار دیا ہے پہلے اس کو بھٹنڈہ سے یاد کیا گیا ہے۔ اب اس کو ہنڈ کہتے ہیں کتاب التمہید وقفت ثانی ۱۲ محمد نور الحق۔ سحر۔ ۷ر نومبر ۱۹۴۱ء

۲ ۸ر شعبان ۱۲۴۳ھ بروز یکشنبہ بمقام خار مولانا عبدالحی نے بعارضہ بواسیر انتقال کیا۔ جو اس جماعت کے لئے ناقابل تلافی نقصان تھا۔ ص یش۔ م۔ ص ۴۴۱

۱ سید احمد شہید ایک روز صبح کی نماز میں دوسری رکعت میں آکر شریک ہوئے۔ نماز سے فارغ ہوکر مولانا عبدالحی نے "ما بال اقوام الخ" کے طور پر فرمایا۔ کہ ایسے لوگ جو سنت کے احیاء

۱۳۔ اُن کی وفات کے بعد تحریک میں ایک اساسی تغیر پیدا ہوا۔ ہندوستانی انقلاب کی جو خصوصیت اس تحریک کے ذاتیات میں داخل تھی۔ وُہ تقلید کمزور[۱]

(بقیہ صفحہ ۱۵۷) کے مدعی ہیں۔ وہ جماعت میں بھی صحیح طور پر حاضر نہیں ہو سکتے۔ سید صاحب نے فرمایا مولانا! آپ کا یہ ارشاد حق ہے۔ اور ہم سے پھر ایسی کوتاہی نہیں ہوگی۔ اور یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ اسطرح ٹوکیں۔ مولانا عبدالحی نے کہا کہ یہ عذر صحیح نہیں ہے۔ آپ کو صحیح طور پر کام کرنا چاہئے۔ ہر روز کون ٹوک سکتا ہے، امام بنتے ہو تو آگے بڑھ کر کام کرو۔

جب مولانا عبدالحی کا آخری وقت تھا۔ تو سید صاحب نے اُن سے فرمایا۔ کہ مولانا آپ کی اگر کوئی خواہش ہو تو میں اُس کو پورا کر دوں۔ آپ نے کہا۔ آپ اپنا قدم بڑھا کر میرے سینے پر رکھیں یہی ایک خواہش باقی ہے۔ سید صاحب نے اس کی تعمیل کر دی۔ الغرض ادب بھی انتہا درجہ کا ملحوظ ہے۔ اور اُن کو حق حدے کے اندر پابند رکھنے کی قوت بھی ہے۔

یہ ہر دو واقعے ہمیں مولانا حافظ محمد احمد صاحب مرحوم نے سنائے۔ غالباً انہوں نے مولانا محمد قاسم یا مولانا رشید احمدؒ صاحب سے سنے ہوں گے۔

[۱] یعنی ہندوستانی مجاہد اس لئے نکلے تھے۔ کہ شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک فیصلہ پورا کریں جیسے امام ولی اللہؒ نے مرہٹوں کے خلاف افغانوں کو بلایا۔ اسی طرح امام عبدالعزیزؒ سکھوں کے خلاف افغانوں کو بلانا چاہتے تھے۔ پنجاب کی باغی حکومت کو ختم کر کے، کابل اور دلی کا اتصال پیدا کرنا مستقبل کی ترقی کے لئے ایک ضروری اساس تھا۔ اسی پر یہ ساری تحریک چل رہی تھی۔ اس کو دہلی اور ہندوستان سے خصوصی تعلق تھا۔ لہذا سید صاحب اور ان کے مجاہدین کو دلی کے مرکز کے تابع ہو کر کام کرنا چاہئے [illegible] کو۔ وہ یہ اور آدمی دہلی سے بھیجے جاتے ہیں۔ یعنی سارا مقصد دلی کی آزادی کو مستحکم بنانا [illegible] سید صاحب خلیفہ کہلانے لگے۔ اور ساری دنیا کے ایک بڑے امیر بن گئے یعنی اگر افغان [illegible] کے لئے اُن کی اطاعت مذہبی فرض ہے۔ تو بخارا، ترکی دوسرے ممالک بھی

ہوتی گئی۔ یعنی ماوراء السند کا مرکز مستقل بنکر دہلی سے سرکشی اور بغاوت کر رہا ہے جس کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ حزب ولی اللہ کی حکومت کا طریقہ بورڈ کی حکومت سے شخصی امامت (ڈکٹیٹرشپ) میں تبدیل ہوگیا۔ اس طرح امیر شہید امیرالمؤمنین اور دنیائے اسلام کے مصلح خلیفہ ماننے گئے۔

اب حزب ولی اللہ کی خصوصیات پر زور نہیں دیا جاتا۔ بلکہ نجدی اور یمنی طریقوں پر کام کرنے والے ہندوستانی حنفی فقہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے۔ جس سے افغانوں کو ان مجاہدین سے مذہبی عداوت پیدا ہوگئی۔

امیر شہید نے بارہا کوشش کر کے علماء افاغنہ اور عوام کو یقین دلایا۔ کہ امیر اور اُن کا خاندان ہمیشہ محققین حنفیہ کے طریقہ کا پابند رہا ہے۔ مگر حزب ولی اللہ کی امتیازی خصوصیات تسلیم نہ کرنے والے لوگ اس پابندی کو قبول نہ کرتے اور معاملہ روز بروز بگڑتا گیا۔

جملۂ معترضہ | امام ولی اللہ اگرچہ اپنے والد کی طرح حنفی مذہب کے[1]

(بقیہ صفحہ ۱۵۸)۔ اُن کی اطاعت سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ سب کے لئے اُن کا تسلیم کرنا مذہبی فریضہ ہے۔ امیر شہید کو اس طرح امام مہدی کے درجے کے قریب لانے کی کوشش کی گئی۔ اس سے مرکز یعنے دہلی کی حکومت جاتی رہی۔ ہمارے خیال میں اس تمام تر تغیر میں کمپنی بہادر نے ڈیوائڈ اینڈ رول کو بڑا دخل ہے۔

[1] امام ولی اللہ انفاس العارفین منشہ میں لکھتے ہیں۔ مخفی نماند کہ حضرت ایشاں در اکثر امور

بقیہ صفحہ ۱۵۹: موافق مذہب حنفی عمل مے کردند۔ الا بعض چیزہا، کہ بحسب حدیث یا وجدان، بمذہب دیگر ترجیح مے یافتند۔ ازاں جملہ آنست کہ در اقتدا سورۂ فاتحہ مے خواندند۔ و در جنازہ نیز۔ ھ

قال الامام فی فیوض الحرمین۔ وتاملتہ صلے اللہ علیہ وسلم الی ای مذہب من مذاہب الفقہ یمیل لاتبعہ واتمسک بہ فاذا المذاہب کلہا عندہ علی السواء۔ لیس علم الفروع فی حالتہ ہذہ من دیدن روحہ الکریمۃ۔ ھ ص۳

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ ایقۃ ھے اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ وذلک ان یوخذ من اقوال الثلثۃ قول اقربہم بہا فی المسئلۃ۔ ثم بعد ذلک یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث۔ فرب شئ سکت عنہ الثلثۃ فی الاصول وما تعرضوا النفیہ ودلت الاحادیث علیہ۔ فلیس بد من اثباتہ۔ والکل مذہب حنفی۔ ھ ص۴۸

ونفخ فی نفخۃ اخری۔ فبین ان مراد الحق فیک ان یجمع شملاً من شمل الامۃ المرحومۃ بک۔ فایاک ان تخالف القوم فی الفروع فانہ مناقضۃ لمراد الحق۔ ثم کشف لی انموذجا ظہر لی منہ کیفیۃ تطبیق السنۃ بفقہ الحنفیۃ من الاخذ بقول الثلثۃ وتخصیص عموماتہم والوقوف علی مقاصدہم والاقتصار علی ما یفہم من لفظ السنۃ ولیس فیہ تاویل بعید۔ ولا ضرب بعض الاحادیث ببعض ولا رفض لحدیث صحیح بقول احد من الامۃ وہذہ الطریقۃ ان اتمہا اللہ واکملہا فہی الکبریت الاحمر والاکثیر الاکسیر الاعظم۔ ھ۔ ص۶۲۔ ص۶۳۔ ص۶۴۔

تفصیلات کے لئے۔ رسالہ "امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف" اور تذکرہ شاہ ولی اللہ۔ طبع الفرقان، بریلی ملاحظہ ہو۔

پابند تھے۔ مگر حنفی اور شافعی دونوں مذہبوں کی کتابیں محققین کی طرح پڑھاتے تھے انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے اصول حکمت کے موافق حدیث کی شرح لکھی ہے اس میں بعض اوقات وہ شافعی مذہب کو ــــ اگر وُہ حدیث اور حکمت کے زیادہ موافق ہو۔ راجح قرار دیتے ہیں۔

جب مولانا محمد اسمٰعیل شہید نے حجۃ اللہ امام عبد العزیز سے پڑھی۔ تو اپنے جد امجد کے طریقہ پر عمل شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنی ایک خاص جماعت بھی تیار کی۔ جو حجۃ اللہ البالغہ پر عمل کرے! اور وُہ شافعیہ کی طرح رفع یدین۔ اور آمین بالجہر وغیرہ سنن پر عمل کرتے تھے۔ اس سے دہلی کے عوام میں شورش پھیلتی رہی۔ مگر حزب ولی اللہ کا کوئی عالم اُن پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

جب افغانی علاقے میں ہجرت کا فیصلہ ہؤا۔ تو امیر شہید نے مولانا اسمٰعیل شہید سے دریافت کیا۔ کہ مولانا! آپ رفع یدین کیوں کرتے ہیں؟ مولانا نے کہا یسعنا الٰہی[1]

---

[1] مولانا محمد فاخر الہ آبادی ایک دفعہ دہلی تشریف لائے۔ شاہ ولی اللہ صاحب سے ملاقات کرنا مقصد تھا۔ اتفاقاً ایک مسجد میں نماز پڑھی اور رفع یدین کر بیٹھے۔ عوام اُن کے سر ہو گئے۔ نزاع نے نازک صورت اختیار کر لی۔ ہجوم اُن کو شاہ صاحب کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے برافروختہ ہجوم سے نہایت نرمی سے فرمایا۔ کہ احادیث صحیحہ میں اس طرح بھی وارد ہے۔ اسپر وہ خاموش ہو کر چلے گئے۔ بعد ازاں شاہ صاحب نے مولانا سے فرمایا۔ کہ حکیم وُہ نہیں جو عوام کو خواہ مخواہ اپنے خلاف کر لے۔ م

حاصل کرنے کے لئے امیر شہید نے کہا کہ مولانا! اب رضا الٰہی کے لئے رفع یدین کرنا چھوڑ دیجئے۔ اس کے بعد مولانا شہید کی خاص جماعت نے بھی اُن کی اطاعت میں اعمال چھوڑ دئیے۔[1]

مگر وہ لوگ جو نجدی اور یمنی علماء کے شاگرد تھے۔ باز نہ آئے۔ اور انہیں لوگوں کے بیجا اصرار نے مشکلات پیدا کر دیں۔ امیر شہید نے اُن کے رہنما کو، جو محمد اسمٰعیل اُو امام شوکانی دونوں کا شاگرد اور زیدی شیعہ تھا۔ اپنی جماعت سے نکلوا دیا۔ مگر فساد کی آگ پھر بھی بھڑکتی رہی (جملہ معترضہ ختم ہوا)

جملہ معترضہ | اس کے ساتھ ایک دوسرا جملہ معترضہ بھی لکھنا ضروری ہے۔ تاکہ آج کی اصطلاح کے مطابق یہ نزاع سمجھنا آسان ہو جائے۔ آج کل نیشنل، اور انٹرنیشنل جماعتوں کے اختلافات یورپ کی ریاست میں مرکزی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ ایک ملک میں ایک نیشنل پارٹی ہے۔ جو انٹرنیشنل رجحان رکھتی ہے دوسری پارٹی انٹرنیشنل نظریے کو اساس اولیں بناتی ہے۔ عام لوگوں کی نگاہیں ان میں فرق نہیں کرتیں۔ مگر وُہ آپس میں مل کر کام کر نہیں سکتیں۔ بلکہ غالب پارٹی مغلوب جماعت کو قتل[2] کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے:۔

---

[1] یہ روایت امیر شاہ خاں مرحوم کی زبانی ہم تک پہنچی۔ ھ

[2] مثلاً روس میں ٹروٹسکی کی جماعت انٹرنیشنل نظریہ رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ ٹروٹسکی

اسی طرح حزب ولی اللہ کو ایک نیشنل پارٹی سمجھنا چاہیئے۔ جو انٹرنیشنل رجحان رکھتی ہے۔ اور اُن ہندوستانیوں کو جو نجدی، یمنی، ذہنیت رکھتے ہیں ایسی پارٹی سمجھنا چاہیئے۔ جو انٹرنیشنل نقطۂ نظر کو اساس قرار دیتی ہے۔ افغانی قومیں چونکہ خالص نیشنل پروگرام مانتی ہیں۔ وُہ حزب ولی اللہ کے معتدل حصّے سے متحد ہو سکتی ہیں۔ مگر انٹرنیشنل اصول کو اساس اول بنانے والے لوگوں کے ساتھ مل نہیں سکتیں

(دوسرا جملہ معترضہ بھی ختم ہُوا)

شرفاء افاغنہ دوسری مسلم قوموں کے شرفاء سے رشتہ ناطہ کرنا معیوب[1] نہیں سمجھتے۔ مہاجرین اپنے ساتھ اہل وعیال تو لے نہیں گئے تھے۔ جب افغانی علاقے

(بقیہ صفحہ ١٦٢) یہودی النسل ہے۔ اس کے مقابلہ میں سٹالین۔ جو خالصتاً روسی ہے۔ کی جماعت انٹرنیشنل میلان رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سٹالین نے ٹروٹسکی کی ساری جماعت کو جو عموماً یہودی تھے۔ قتل کرا دیا۔ اسی طرح اسلام ایک انٹرنیشنل تحریک ہے۔ اور عربی۔ ترکی۔ ایرانی۔ ہندی نیشنل تحریکیں ہیں۔ ایک عرب جو اسلامی میلان رکھتا ہے۔ یا ایک ہندی جو اتحاد اسلام کی فکر رکھتا ہے۔ یہ تو مثال ہو گی سٹالین کی اور ایک ایسا آدمی جو سوائے اتحادِ اسلام کے اور کوئی چیز نہیں مانتا۔ جیسے یمنی نجدی تحریکوں سے متاثر ہندوستانی۔ یہ مثال ہے ٹروٹسکی کی۔ کیونکہ وُہ بجز اسلام کے سب چیزوں کو نہیں مانتے۔ ہندوستانیت عربیت، وغیرہ اُن کے ہاں کوئی چیز نہیں ہے۔

لہٰذا ان ہر دو جماعتوں میں (یعنے امام عبدالعزیز کی تربیت یافتہ جماعت، اور یمنی نجدی طریقے پر چلنے والے ہندوستانی) اختلافات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ م

[1] ١٢٤٣ھ کے عہد میں سید شہید نے ایک خاتون سے نکاح کیا جس کو سلیمان بادشاہ شاہ کاشغر

میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ تو اُن کی شادی بیاہ افغانوں میں ہوتا رہا۔ مگر امیر شہید کے دعوائے خلافت کی اشاعت کرنے والے ہندوستانی اپنی حاکمانہ قوت دکھا کر، بجبر افغان لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے۔ اس بارے میں بھی زیادہ مجرم وہی لوگ ہیں۔ جو حزب ولی اللہ کے تربیت یافتہ سپاہی نہیں تھے۔ اور اپنے مذہبی جوش میں اپنے فکر کے مقابلے میں امیر کی اطاعت بھی نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ "لاطاعۃ لمخلوقٍ فی معصیۃ الخالق" کا اصول غلط استعمال کرتے ہیں۔ اُن کی مثال یورپ کے انارکسٹوں کی سی تھی۔ جو اس انقلابی جماعت کے ساتھ شریک ہو گئے تھے! اور اُن انقلابیوں کو سخت نقصان پہنچا کر رہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) نے سید صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اُن کے بطن سے ایک صاحبزادی ہاجرہ پیدا ہوئی۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد یہ خاتون ٹونک چلی آئیں۔ ۱۳۰۲ھ میں ٹونک میں وفات پائی۔ صد۔ ش۔ م۔ ص۴۴۱

[۲] حقیقت یہ ہے کہ وُہ اپنے مذاق کے مخالف کوئی حکم بھی ہو۔ اس کو نہیں مانتے۔ خواہ وُہ حکم امیر ہی کیوں نہ ہے۔ صد افغان لڑکیوں سے بجبر نکاح کرنے کا واقعہ سیرت احمدیہ میں ان گول مول الفاظ سے مذکور ہے۔ ہندوستان کے عام خاندانوں کی طرح افغانستان اور سرحد میں عام رواج تھا۔ کہ بیواؤں کا نکاح ثانی ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود نکاح میں اس قسم کی پابندیاں عائد تھیں۔ کہ کنواری لڑکیاں بیٹھے بیٹھے عمر گزار دیتی تھیں۔ سید صاحب نے نکاح بیوگان۔ اور دوسری بُری رسم کے قلع قمع کے لئے حکم دیا۔ اس سے بہت سے خاندان اور امرا ناراض ہوئے۔ اُن کی مخالفت کے اسباب میں سے ایک یہ بھی بڑا سبب تھا۔ صد ۱۸۹۔

۵. جس دن سے امیر شہیدؒ افغانوں کے امیر بنے۔ اُسی وقت سے بغاوت کی چنگاری اس اجتماع میں چمکتی رہی ہے۔ اگر معاملہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا تو ہم افغانوں کا امیر افغان بناتے۔ اور اُسے امیر شہید کے بورڈ کا ایک ممبر بنا دیتے۔ اس طرح دونوں قومیں مل کر جہاد کرتی رہتیں ؛

سیدؒ احمد الامیر الشہید کو زہر دیا گیا

جب افغانی علاقے میں ایک آزاد پناہ حاصل ہوگئی۔ تو ضرورت تھی۔ کہ نظم و نسق اور شرعی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک امام مطلق (امیر المومنین۔ امیر عسکر سے بہت بڑا۔ نور) منتخب کیا جائے۔ تاکہ مال غنیمت کی تقسیم میں بے قاعدگی نہ ہو۔ بالاتفاق امیر شہید کو امامت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اور ۱۲۔ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو آپ کے ہاتھ پر امامت اور خلافت کی بیعت ہوئی۔ اور خطبہ آپ کے نام کا جاری ہوا۔ عید الاضحی ۱۲۴۲ھ کو آپ نے پنجتار کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ ھ۔ ش۔ م ص۲۳۰۔ ص۲۴۳ بغاوت کی چنگاری الخ اعلان امامت کے بعد چند روز سرداران پشاور لشکر اور توپ خانے کر نوشہرہ کے قریب سرائی مقام پر سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے سید صاحب کا زیر قیادت حاضر ہوئے۔ ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس وقت سرداران پشاور، سرداران سمہ اور مجاہدین ہند کی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔ جو امیر شہید کے حکم سے ہر قربانی کو تیار تھے سرداران پشاور گو بظاہر سید صاحب کے ہمراہ تھے۔ مگر وہ اُن کی امامت کو اپنی سرداری کے لئے پیام مرگ یقین کرتے تھے اس بنا پر وہ سکھوں سے بھی ساز باز رکھتے تھے۔ تاکہ سرداری بہر حال باقی رہ سکے۔ عین اُسی وقت جبکہ میدان کارزار گرم ہونے والا ہے۔ صفیں آراستہ ہیں۔ مولانا اسمٰعیل سید صاحب کو لینے کے لئے خیمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ سید صاحب بیہوش پڑے ہیں قے جاری ہے۔ بظاہر یہ زہر کا اثر ہے جو قے کے ساتھ خارج ہو رہا ہے۔ ادھر جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو سرداران پشاور کے جو دستے

ہم نے اپنے فکر کا عملی تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے۔ کہ اس سے وہ تمام فسادات رُک جاتے ہیں جو امیر شہید کی جماعت کے لئے سوہان روح بنے رہے۔ باوجود ان فتنوں کے سکھوں سے لڑائیاں بھی ہوتی رہیں! اور افغانوں سے بھی لڑتے رہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۸) پہاڑیوں سے سکھوں پر بندوقوں اور توپوں سے فائر کر رہے تھے۔ افسوس کہ ان میں خالی بارود بھری جاتی تھی۔ سید صاحب گو میدانِ جنگ میں گئے۔ مگر اس سے آپ پر آٹھ روز تک بیہوشی طاری رہی۔ سازش کے متعلق جب تفتیش شروع ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ زہر کھلانے والے ولی محمد اور نذر محمد کشمیری شیعہ تھے۔ جو یار محمد خاں سردار پشاور کے نوکر تھے۔ کھانا پکانے کے لئے یار محمد نے اُن کو امیر شہید کے پاس بھیجا۔ انہوں نے کھچڑی اور گنڈیریوں میں زہر ملا کر عین جنگ کے وقت کھلا دیا۔ مگر امیر شہید نے گرفتاری کے بعد ہر دو مجرموں کو معاف کر دیا۔ سرداران پشاور کی غداری کے بعد آپ نے تبلیغ و تالیف کا سلسلہ وسیع کر دیا۔ تاکہ قلوب کو زیادہ مائل کیا جا سکے۔ چنانچہ آپ نے مع فوج علاقہ نبیر سوات وغیرہ کا دورہ کیا۔ ہ۔ ش۔ م ص ۴۳۲۔

۵ کابل میں جب ہم افغانی حکومت کے اندر رہ کر کام کرتے تھے۔ تو ہمارے دست و بازو ہندوستانی، افغانی تعلیمیافتہ نوجوان ہر دو تھے۔ ہم نے اس میں اسی طرح کے اختلافات پیدا ہوتے دیکھے۔ جیسے امیر شہید کے لشکر میں پیدا ہو چکے تھے۔ تو ہم نے اُن کے انسداد کے لئے سعی کی۔ ہم نے بجز افغانوں کے۔ اُن کا سردار کسی اور کو بننے نہیں دیا۔ اور ان کی تمام ضرورتوں میں ہم اُن کے ویسے ہی معاون رہے۔ حکومت ہم نے اُن پر نہیں کی۔ اور امداد کرتے رہے اِس سے ہمارے سارے معاملات درست رہے۔

(فائدہ) جب ہم ہندوستان سے نکلے تھے۔ تو اتحاد اسلام کے حامی تھے یعنی انٹرنیشنل پروگرام رکھتے تھے۔ مگر جب ہم واپس آئے۔ تو اس وقت خالص نیشنلسٹ ہیں۔ یہ سبق ہمیں کابل کی زندگی نے سکھایا ہے۔

سید احمد الامیر الشہید کی افغانوں سے لڑائیاں

(ڈنگہ کا شبخون) مولانا شہید کی قیادت میں ہری سنگھ نلوہ کی فوج پر مارا گیا۔ اور تین سو سکھ اور سات مجاہد کام آئے۔ بعد ازاں جنگ شنکاری واقع ہوئی۔ مجاہدین پکھلی جب روانہ ہو چکے۔ تو ابھی باقی ماندہ حضرات کھانے پینے میں معروف تھے کہ سکھوں کے بڑے لشکر نے حملہ کر دیا۔ حضرت شہید نے بارہ آدمیوں سے اُن پر حملہ کیا۔ جس سے تقریباً سو سکھ مارے گئے۔ اور یہ بارہ آدمی سلامت رہے۔ البتہ مولانا شہید کی انگلی پر گولی لگی۔ صہ ۱۴۲۔ ش۔م

(افغانوں سے جنگ اتمان زئی کی لڑائی) سرداران پشاور کا جذبہ عناد بڑھتا گیا۔ چار ہزار فوج اور دو توپیں لے کر دریائے لنڈا سے عبور کر کے بمقام اتمان زئی آپہنچے۔ امیر شہید بمقام ہنڈ قیام فرما تھے۔ سید صاحب نے ارباب بہرام خاں۔ ارباب جمعہ خاں وغیرہ خوانین۔ اور سمہ و سوزات کے سرداروں سے مشورہ کر کے دو جانب سے سرداران پشاور کے لشکر پر شبخون مارا۔ اور غنیم کو شکست ہوئی۔ اس کے علاوہ خادی خاں (والی ہنڈ) کی بغاوت۔ انشور افرانسیسی کی جنگ۔ جسے سکھوں نے فوج کی کمان دے کر بھیجا۔ اور اس نے شکست کھائی اور شبخون ہنڈ جس میں خادی خاں گولی کا نشانہ بنا۔ یہ واقعات تفصیل سے ش۔م ص ۱۴۴ میں موجود ہیں۔ وہاں ملاحظہ ہوں۔

خادی خاں کے قتل کے بعد اس کے بھائی امیر خاں نے اندرونی طور پر سرداران پشاور (یار محمد خاں وغیرہ) سے ساز باز شروع کر دی۔ مگر بظاہر سید صاحب کی خدمت میں رہتا تھا۔ یار محمد خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر امیر خاں کی ریاست میں اپنے لشکر جمع کرنے شروع کر دئے۔ بعدہ ایک لشکر لئے کچھ عدد توپ۔ اور کچھ ہاتھی اور اونٹ لے کر نہایت کروفر سے خود بھی میدان میں آپہنچا۔ اور اعلان جنگ کر دیا۔ (جنگ زیدہ) ۱۵ ربیع الاول ۱۲۴۵ھ کو بروز دوشنبہ یار محمد خاں کا لشکر زیدہ پہنچا۔ مولانا محمد اسمٰعیل نے جانبازوں کا لشکر لے کر یکایک حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے اُن کی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ اور توپچیوں کی مشکیں کس لیں۔ یار محمد خاں اس اثناء میں عالم بے خبری میں تو گرفتار حسینوں کے ساتھ عیش و طرب میں مشغول تھا۔ کہ زخمی ہوا۔ اور موضع دو ڈھیر میں پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو گیا۔ پشاور نہ جا سکا۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۷) یار محمد خاں کی وفات کے بعد اس کا بھائی سلطان محمد خاں جوشِ انتقام سے اندھا ہو گیا
اور قلعہ ہنڈ پر قبضہ کر لیا۔ سید صاحب باوجودیکہ سکھوں سے تربیلا کے مقام نبرد آزما تھے۔ آپ سنتے
ہی ہنڈ کی طرف متوجہ ہوئے۔ سلطان محمد خاں سید صاحب کی آمد سنتے ہی بھاگا۔ مگر سکھوں نے امیر خاں
برادر خادی خاں کی انگیخت پر ہنڈ پر قبضہ کر لیا (جنگ میار ہوتی مردان کا خان جسمی احمد خان نکاح
بیوگان اور دوسرے غیر شرعی رسوم پر جو نکاح کے متعلق افغانوں میں رائج تھیں، سید صاحب سے
ناخوش تھا۔ وہ سرداران پشاور کے پاس پہنچا۔ اور اُن کو بھڑکا کر جنگ کے لئے تیار کیا۔ افغانوں کا یہ لشکر
بڑھتے بڑھتے میار پہنچا ادھر سید صاحب مولانا اسمٰعیل وغیرہ کے ساتھ خود فوج لے کر میدان میں آئے۔
چند گھنٹے کی جنگ کے بعد پشاوری سرداروں کو شکست ہوئی۔ وہ لوگ مردوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ
گئے۔ (جنگ پشاور) میار کی فتح کے بعد ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ پشاور کو تسخیر کر لیا جائے۔ جو ان کا مرکز تھا۔
پشاوری سلطان محمد خاں وغیرہ کی عیاشی سے متنفر تھے۔ سب نے سید صاحب کو سر آنکھوں پر رکھا۔ سابقہ
جنگوں میں شکست اور عوام کی بڑھتی ہوئی عقیدت نے سلطان محمد خاں کی ہمت پست کر دی۔ اس نے
ارباب فیض اللہ خاں ہمشد کے ذریعہ توبہ کی درخواست کی۔ جماعت کی مرضی کے خلاف آپ نے یہ درخواست
بعد از دیر منظور کر لی۔ اب حاکم پشاور کے انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا۔ اس موقعے پر ارباب بہرام خاں وغیرہ نے
خود اپنے لئے درخواست کی۔ مگر سید صاحب نے پشاور کی حکومت اور ولایت کا پروانہ اس کو عطا کر کے پشاور کا
حاکم بنا دیا۔ سید صاحب نے مولانا سید مظہر علی کو شہر کا قاضی مقرر کیا۔ اور مولانا قمر الدین کو مع چند اور حضرات کے
ان کی امداد کے لئے پشاور چھوڑا۔ اب سید صاحب اور مجاہدین کی حدود حکومت سرحد کے بڑے علاقہ پر
محیط ہو گئی اس کے بعد سلطان محمد خاں نے غداری کر کے سب سے پہلے قاضی صاحب مذکور کو مع ارباب
فیض اللہ خاں کے قتل کرا دیا۔ یہ فیض اللہ خاں وہی ہے جس نے سلطان محمد خاں کی توبہ منظور کرائی تھی۔
(قتل عام) ایک رات مجاہدین نے دیکھا کہ پہاڑیوں پر اور قریہ بقریہ اونچے مکانات پر آگ جلائی جا رہی
ہے۔ اور عوام خوشیاں منا رہے ہیں۔ مجاہدین نے اس کا سبب دریافت کیا تو بتایا گیا۔ کہ یہ سب مالیہ
سرکار کی ادائیگی کی تیاری ہے تاکہ فصل صاف کر کے کل عشر ادا کیا جائے۔ لیکن ایک ہی رات میں

۶۔ پشاور کے افغان سرداروں نے امیر شہید سے لڑ کر شکست کھائی۔ اس سے حزب ولی اللہ کا ایک صوبے کی حکومت پر قبضہ ہو گیا۔ امام عبدالعزیز کے تربیت یافتہ علماء حکومت کے مناصب پر مقرر ہوئے۔ چند دنوں میں حزب ولی اللہ نے ایسے نمونے کی حکومت قائم کر دی جس کی نظیر دیکھنے کو نہیں ملتی۔ یہ حکومت بآسانی سندھ تک وسیع ہو کر ماوراء السند کو انقلاب کا مستقل مرکز بنا دیتی۔

۷۔ شکست خوردہ افغان خاندان امیر شہید کے پاس تائب ہو کر آیا۔ اور معافی مانگ کر اس نے ملک واپس لینا چاہا۔ اس پر امیر شہید راضی ہو گئے۔ اس موقع پر جماعت مجاہدین کے خواص و عوام سب کے سب متفق الکلمہ تھے۔ کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ مولانا اسمٰعیل ہندوستانی اور افغانی اہل الرائے نے پورا زور صرف کیا۔ کہ امیر شہید یہ غلطی نہ کریں۔ مگر انہوں نے کسی کی نہ مانی[1]۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۸) کہیں عشا کی نماز کے وقت۔ کہیں نصف شب کے وقت۔ کہیں صبح کی نماز کے وقت تمام مجاہدین۔ تحصیلداروں وغیرہ حکام کو ذبح کر دیا گیا۔ ص۔ ش۔ م ص ۱۵۔

[1] سوانح احمدیہ کا مصنف امیر شہید کا خاص دلدادہ ہے۔ مگر یہاں پہنچ کر اس نے واقعات نہیں چھپائے۔ امیر شہید پر جماعت نے جس قدر زور دیا۔ سب کو اس نے مفصل لکھ دیا ہے۔ بہرام خاں افغان ممند تھا۔ اس نے امیر شہید سے کہا کہ اگر آپ حکومت نہیں چلا سکتے تو مجھے امیر بنا دیجئے میں اپنی قوم کے زور سے اس خاندان سے لڑونگا۔ اور مجاہدین کے کام کے لئے آپ جس قدر امداد میرے ذمہ لگائیں گے۔ میں اس کو پورا کروں گا۔ بہرام خاں نہایت مخلص شخص ہے۔ اور اپنی قومی طاقت

۸۔ اس خاندان نے حکومت واپس لیتے ہی افغانوں کے قومی جذبات کو ابھار کر ایسی سازش کا انتظام کر لیا۔ کہ ہر ہر قریہ کے لوگوں نے ایک ہی رات میں، انقلابی[له] حکومت کے تمام سرداروں اور سپاہیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ کابل میں قیام کے زمانے میں ہم نے اس فتنہ کے متعلق کافی معلومات حاصل کر لی ہیں اس کی ابتدا خویشگی کے اس خان سے ہوئی جس کی لڑکی کا جبرًا نکاح ہوا تھا۔ اس میں زیادہ رہنمائی کرنے والا خٹک کا خان تھا جس سے خویشگی خان نے صلح کر لی تھی۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۹) رکھتا ہے۔ مولانا شہید کا خاص رفیق اور دلی دوست ہے۔ بقول مؤلف سوانح احمدیؒ امیر شہید نے اس کی بھی نہ سنی۔ اول تو افغانوں سے لڑنا ہرگز نہیں چاہیئے تھا۔ اور جب لشکر مرکز فتح کر لیا تھا۔ تو واپس دینا بہر صورت غلط تھا۔ یہ ایسی غلطی ہے کہ کوئی اہل الرائے اس کو معاف نہیں کر سکتا۔ؔ

[له] ان ہر دو خوانین کی باہمی پشتی عداوت تھی جب خویشگی کے خان کی لڑکی کا ایک ہندوستانی سے جبرًا نکاح کیا گیا۔ تو اس نے خانِ خٹک سے کہا کہ میں نے اب اپنا دعویٰ چھوڑ دیا ہے۔ اب سوال ننگ افغانی کا ہے۔ ہماری باہمی صلح ہے۔ تم میری امداد کرو۔ خانِ خٹک کی نوجوان لڑکی تھی۔ خانِ خٹک نے پیغام پہنچتے ہی اسی مجلس میں اپنی دوشیزہ لڑکی کو بلایا۔ اور سر دربار اُس کے سر سے کپڑا اتار دیا۔ اور کہا کہ آج سے تیری کوئی عزت باقی نہیں رہی۔ جب تک اس افغان لڑکی کا انتقام نہیں لیا جاتا تیری عزت ہیچ محض ہے۔ اس کے بعد خان خٹک کی یہ لڑکی اس فتنہ کے خاتمہ تک ہموار ننگے سر رہی ہے رات کو ایک جماعت اس کے ساتھ جاتی اور ایک گاؤں میں عورتوں مردوں کو جمع کر کے پشتو میں ننگ افغان کے متعلق لوگوں کو بھڑکاتی۔ دوسری رات دوسرے گاؤں میں جاتی۔ اس طرح اُس نے تمام افغانی علاقہ میں شورش منظم کر دی۔ اسپر ایک معیّن رات میں سب سرداروں کو قتل کر دیا گیا۔ اور حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ھ

۹۔ امیر شہیدؒ اس واقعہ سے (کہ قاضی۔ مفتی۔ حاکم۔ سپاہی۔ غرض ساری جماعت قتل کردی گئی) بہت متاثر ہوئے۔ اور اپنا فوجی مرکز کشمیر میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ بالاکوٹ راستے کی ایک منزل تھی سکھوں کے ولی عہد شیر سنگھ نے حملہ کردیا فوج ایسے میدان میں گھر چکی تھی۔ کہ نہ کوئی سردار باقی رہا تھا۔ نہ سپاہی تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امیر شہیدؒ کا سر کاٹ کر رنجیت سنگھ کو دکھانے کے لئے لاہور لایا گیا۔ بغیر سر کے امیر کا جنازہ مولانا محمد اسمٰعیل شہید کے جنازے کے ساتھ بالاکوٹ میں دفن ہوا ہے۔

امیر شہیدؒ کی شہادت

اس خونین واقعہ کے بعد سید صاحب نے ارادہ کرلیا۔ کہ اس بدنصیب سرزمین سے ہجرت کرلی جائے۔ جس قدر مجاہدین موجود تھے۔ اُن کے روبرو آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں اب اس سرزمین کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ نہیں بتا سکتا کہ کہاں جاؤں گا۔ میں آپ کو رخصت دیتا ہوں۔ آپ مجھے رخصت دیں۔ مجاہدین نے کہا کہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ اس پر آپ نے کشمیر کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۱۲۴۶ھ کا ہے۔ پنجتار اور سمہ کے مخلص عقیدت مند کئی منزل تک آپ کے ساتھ گئے۔ سید صاحبؒ تو کاغان میں پہنچے۔ وہاں سے آپ نے چار سو مجاہدین کا لشکر زیر قیادت مولانا شہیدؒ اور مولانا خیرالدین شیر کوٹی درۂ بھوگرمنگ روانہ کیا۔ یہاں شیر سنگھ بیس ہزار فوج کے ساتھ مالگزاری وصول کرنے کے لئے پڑا ہوا تھا مجاہدین کا شبخون کامیاب رہا۔ اور وہاں کے لوگوں نے مالیہ سکھوں کی بجائے مجاہدین کو ادا کیا۔ جو ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ درہ مذکور سے بڑھ کر مولانا شہیدؒ نے بالاکوٹ پر قبضہ کرلیا۔ ان ایام میں شیر سنگھ سلطان نجف خاں رئیس مظفر آباد کے ساتھ پشاور گیا ہوا تھا۔ مظفر آباد سکھوں کا فوجی ہیڈکوارٹر تھا

یہ واقعہ ۶ رمئی ۱۸۳۱ء کو پیش آیا جب امام ولی اللہ کی تحریک پر پورا سو برس گذر چکا تھا۔ امام ولی اللہ نے ۵ رمئی ۱۷۳۱ء کو کام شروع کیا تھا۔ اور صدی کے آخر میں، اُس کے بے نظیر پوتے، اور اُس کے رفقا نے شہید ہو کر تحریک کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۱۰۔ ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر

(بقیہ صفحہ ۱۷۱) مولانا شہید نے خیر الدین، ملا قطب الدین اور منصور خاں قندہاری کو فوج دے کو مظفر آباد روانہ کیا۔ خونریز جنگ کے بعد مظفر آباد فتح ہؤا۔ شیر سنگھ کو جب اس کی اطلاع پہنچی۔ تو وہ گڑھی حبیب اللہ آیا۔ جو مظفر آباد اور بالاکوٹ کے درمیان ہے۔ بالاکوٹ گویا ایک قدرتی قلعہ ہے جس کو چاروں طرف سے بلند پہاڑوں کی دیواروں نے گھیر رکھا ہے۔ ایک بدبخت مسلمان کی رہنمائی سے شیر سنگھ دشوار گذار دروں سے چھپا نکلتا ہؤا ایسے مقام پر پہنچا۔ جہاں صرف ستر مجاہد پہرہ دے رہے تھے۔ ان سب کو شہید کر کے شیر سنگھ کی بیس ہزار ایک محصور مقام پر ہزار بارہ سو کی جماعت سے نبرد آزما ہوتی ہے نشیبی علاقہ میں مجاہدین تھے۔ اور بلندیوں پر سکھ دست بدست لڑائی کے علاوہ سکھوں کی بھاری جمعیت پہاڑوں سے گولیوں کی بارش برسا رہی تھی۔ سید صاحب مولانا شہید ارباب بہرام اور دوسرے جان نثار مجاہدین سکھوں کی فوج میں گھس گئے۔ اور سب نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ ۲۴ رذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کا ہے بروز جمعہ وقت نماز جمعہ۔ شہادت کے وقت سید صاحب کی عمر (۴۶) سال کی تھی۔ اور مولانا شہید کی عمر (۴۵) سال۔ م۔ ش۔ م ص ۱۷۴۔

رہی تھی۔ مگر اُس نے ابتک تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا۔ واقعہ بالاکوٹ[1] سے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں یک لخت تجارت کا لبادہ اتار کر، وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ انّ فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الالباب۔

اس تحریک کے متعلق ہم نے المسوّی کے مقدمہ میں ایک حاشیہ لکھا تھا۔ اُسے یہاں نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ یہ نسخہ مکہ معظمہ میں طبع ہو چکا ہے۔

النھضۃ التی قام بھا[2] الامام عبدالعزیز الدھلوی ارتقت من سنۃ ۱۲۱۳ الی الحکومۃ الموقتۃ الھندیۃ فی جبال الافغانیین

---

[1] دو سال تک یہ لوگ دیکھتے رہے کہ آیا یہ تحریک پھر اٹھتی ہے یا نہ؟ جب دیکھا کہ تحریک قطعاً ختم ہو چکی ہے تو انہوں نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔

[2] **الامیر الشہید کی تحریک کے حقیقی بانی** یعنی سید صاحب کو بڑی کشف و کرامت کا مالک بنا کر اس ساری جماعت کا امام منوایا گیا ہے۔ یہ چیز حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔ یہاں کشف و کرامت کا مذکور ہی کیا ہے! اصل امام عبدالعزیز ہے۔ وہ امام عبدالعزیز کی جماعت کے سپاہی تھے۔ وہ فوجی جرنیل کے فرائض اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں۔ ان سے غلطی ہوئی۔ خدا تعالیٰ انہیں معاف کرے۔ غرض ہم مدت سے اصل شاہ عبدالعزیز کو مانتے ہیں۔ یہی غرض اس قطعہ کے نقل کرنے سے ہے۔ سید صاحب کی زندگی میں مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسمٰعیل کا اشتراک ہے۔ کیا اُن کو سید صاحب نے تیار کیا تھا؟ ہرگز نہیں یہ لوگ امام عبدالعزیز کے تربیت یافتہ تھے۔ سید صاحب کو رہبر شاہ اسحاق صاحب بھیجتے ہیں۔ کیا ان کو سید صاحب نے تیار کیا تھا؟ یہ سارا کام امام عبدالعزیز کا تھا۔ انہوں نے آدمی تیار کئے۔ پروگرام بنایا۔ انہوں نے

من حدود الهند۔ ورئیس تلك الحكومة الشرعیّة كان

امیر المومنین السید احمد الدهلوی (الامیر الشهید) و

صدارة وزرائها تستند الی مولانا عبد الحی الدهلوی (الصدر

السعید)، والامور الحربیة والسیاسیة كانت موكولةً

الی مولانا محمد اسمٰعیل الدهلوی (الصدر الشهید)، واما الامور

التی تشبه الداخلیة من جمع الاموال وحشد الرجال

بقیہ صفحہ ۱۷۳) کام شروع کیا۔ پھر غلطیاں اس قدر ہوئیں۔ کہ ان کا لازمی نتیجہ شکست تھا۔ پہلے زمانے
میں ہم یہاں پہنچکر رو لیتے۔ اور زمانے کی شکایتیں کرتے کہ لوگ اسلام سے بہت دور ہو گئے ہیں مگر
یورپ کی انقلابی تحریکوں کی تاریخ پڑھنے سے ہماری تمام خدشات رفع ہو گئے ہیں۔ اس طرح کی
انقلابی تحریکیں بار بار شکست کھاتی ہیں۔ تب جاکر کہیں برگ و بار لاتی ہیں۔ اور اپنا مقام حاصل کرتی ہیں
ہم اس سلسلے کو زندہ مانتے ہیں۔ مولانا شیخ الہند کی صحبت کا یہی خصوصی فیض ہے۔ جو ہماری
سیاسی حاجت کو پورا کر گیا۔ مولانا شیخ الہند کی صحبت میں رہ کر ہم اس تحریک کے خفیہ کاموں سے
کافی واقفیت رکھتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تحریک اپنے آپ کو دوبارہ تیار کر رہی ہے
ہمیں مولانا شیخ الہند نے کابل بھیجا۔ تو ان کی پچاس سالہ محنت کا نتیجہ کامیابی سے ہم نے دیکھ لیا۔
امیر امان اللہ خاں کا بروئے کار آنا۔ مولانا شیخ الہند کی جماعت کے کام کی ایک برکت ہے۔
وہ پھر شکست کھا جاتا ہے۔ مگر ہم نہیں گھبرائے۔ اس کی شکست کا نتیجہ ہمارا وہ مستقل پروگرام ہے
جسے ہم انڈین نیشنل کانگریس میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس کے اخفا کی کوئی ضرورت
نہیں ہے۔

وغيرهما فكان وكيلها في الدهلي مولانا محمد اسحاق (الصدر الحميد) وفي السابع والعشرين من ذي القعدة سنة ١٢٤٦ (يوافق [١] ١٠ مايو سنة ١٨٣١ء) استشهد الاميرُ واصحابه في بالاكوٹ قرية على حدود كشمير. كتبه عبيد الله بن الاسلام السندهي الديوبندي. وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين ٭

یہ ایک حقیقت ہے کہ واقعہ بالاکوٹ پر امام ولی اللہ اور امام عبد العزیز کی اجتماعی تحریک کا لیکر دَور ختم ہو گیا۔ لیکن چالاک تاریخ نویس اس واقعہ کو خود تحریک کا خاتمہ قرار دینا چاہتا ہے۔ وہ پہلے امیر شہید کی عظمت پر زور دے کر اُن کو ساری تحریک کا ماں باپ ثابت کرتا ہے۔ اُس کے خیال میں اس تحریک کی اس قدر کامیابی میں نہ امام عبد العزیز کا دخل تھا۔ اور نہ امام ولی اللہ کا۔ اور نہ پشاور کی حکومت موقتہ کو دہلی میں مولانا محمد اسحاق کی امامت یا صدارت سے (جو روپیہ اور مجاہدین پہنچانے کی ذمہ دار تھی) کوئی تعلق تھا۔ اس کے بعد وُہ آسانی سے امیر کی شہادت سے تحریک کے ختم ہونے کا نتیجہ نکال لیتے ہیں ٭

---

[١] ١٠ ہجری مہینہ کی تاریخ محفوظ ہے اسے انگریزی جنتری میں تطبیق دی جائے۔ تو پہلے ہم ١٠ مئی مقرر کرتے رہے، مگر دوسری جنتریوں کی وجہ سے وُہ ٨ مئی متعین ہوتی ہے۔

عبید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ولی اللہ کی تحریک کا دوسرا دور

(جو الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلوی نے سنہ ۱۲۴۶ھ میں شروع کیا اور سنہ ۱۳۳۹ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہٗ کی وفات پر ختم ہوا)

الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلوی نے بالاکوٹ کے واقعہ کے بعد گیارہ سال[1] کے غور و فکر سے امام ولی اللہ کی اجتماعی تحریک کا نیا پروگرام مکمل کر لیا۔

---

[1] امیر شہید اور مولانا شہید کی شہادت سے تقریباً گیارہ سال بعد سنہ ۱۲۶۰ھ میں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب (اُن کے بھائی) نے اپنے متبعین اور متوسلین سمیت ہندوستان سے ہجرت کر کے حرم محترم کو اپنا نشیمن بنا لیا۔

مولانا شاہ عبد الغنی بن ابی سعید عمری کو ابھی ہندوستان ہی چھوڑا گیا۔ آپ کی عمر ہنوز پچیس سال کی تھی۔ تقریباً سنہ ۱۲۶۵ھ۔ سنہ ۱۸۵۲ء میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندی اور شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہی نے بسلسلہ احادیث نبویہ، شاہ عبد الغنی سے فیوض و کمالات کا اکتساب کیا۔

اُن کے پروگرام کے دو اصول زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

(الف) حنفی مذہب کی پابندی۔

(ب) اور ترکی سلطنت سے اتصال۔

(۱ الف) الصدر الحمید کا قطعی فیصلہ تھا۔ کہ سب سے پہلے تحریک کو اس عنصر سے پاک کر دیا جائے، جو امام ولی اللہ و امام عبدالعزیز کے اصول اور طریقۂ کار کو کاملاً تسلیم نہیں کرتا۔ اس طرح حزب ولی اللہ کا نظام، عرب کی یمنی نجدی تحریکوں سے علیحدہ ہو کر ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے اندر جذب کر سکتا ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے اہم عنصر پشتونوں کو بھی مطمئن رکھ سکتا ہے۔

مدرسۂ دیوبند پہلی درس گاہ ہے جس نے مدرسہ دہلی کے بعد اس اصول پر کام شروع کیا۔ دیوبندی نظام نے پچاس سال میں جس طرح کامیابی حاصل کی ہے

(بقیہ صفحہ ۱۷۷) اور خدمت میں رہ کر وہ تمام برکتیں حاصل کیں، جو ایک مقدس استاذ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ شاہ عبدالغنی اور شاہ احمد سعید دہلی میں مولانا محمد اسحاق کی نمائندگی کرتے رہے۔ اس اثنا میں سنہ ۱۸۵۸ء کا ہنگامہ پیش آیا، اسی ہنگامہ میں آپ نے ہندوستان سے ہجرت فرمائی۔ اور ۶، محرم سنہ ۱۲۹۵ھ بعمر ساٹھ سال مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ ھ۔ ش۔ م ص ۵۶۲ و ص ۶۶۹۔ شاہ عبدالغنی کا ترجمہ ابجد العلوم ص ۹۲۹ میں ملاحظہ ہو۔

مدرسۂ دیوبند کی تاسیس

ائمۃ الحزب الدهلوی اجتمعوا فی الحجاز و اجمعوا علی تاسیس مدرسۃ دینیۃ جامعۃ فی الهند علی

(بقیہ صفحہ ۱۷۸) تشأل المدرسة الدهلوية. التی اسست فی زمان الامام عبد العزيز وكان المدرسون بها الصدر السعيد مولانا عبد الحی الدهلوی ثم شيخ مشائخنا الشيخ رشيد الدين الدهلوی (له ترجمة فی ابجد العلوم وقد مر بعض منه - نور) ثم استاذ الاساتذة مولانا مملوك العلی الدهلوی. وسدت بعد المحاربة - فی ١٢٧٤ه.

فما قدروا علی ذلك الا فی ديوبند قريبًا من دهلی. فاشتغلوا بتاسيس المدرسة وتكميله من ١٥ محرم ١٢٨٣ه (٢٩ مئی ١٨٦٦ هندی) ومن تلك الايام سميت الطائفة بالديوبندية وقبل ذلك لا يعرفون الا بالدهلوية.

وامراء الطائفة كانوا مجتمعين بالحجاز. منهم الامير امداد التانوی و منهم الامام عبد الغنی الدهلوی. وكانوا يريدون تثبيت المركز الاسلامی فی الحجاز وتجديد النهضة الهندية فی جبال الافاغنة. وكان وكيل الامير امداد الله فی الهند شيخ شيخنا شيخ الاسلام محمد قاسم النانوتوی. توفی ١٢٩٧ه. ذكره فی "الكمالات الامدادية" حضرت حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا. کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایک لسان عطا فرماتے ہیں. چنانچہ شمس تبریزی کے واسطے مولانا رومی کو لسان بنایا. اور مجھ کو مولانا محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں. جو میرے قلب میں آتا ہے مولانا اس کو بیان کر دیتے ہیں. اھ. فقام مقامه شيخ الاسلام شيخنا رشيد احمد الكنكوهی. رئيس الجامعة القاسمية. وكان شيخنا شيخ الهند نائب رئيس الجامعة. ولما توفی شيخ الاسلام رشيد احمد فی ١٣٢٣ه صار شيخنا شيخ الهند رئيس الجامعة القاسمية. قلت ذكر الشيخ حسين احمد الديوبندی عن الامير امداد الله التانوی انه قال. مولوی محمود الحسن کو کم نہ سمجھو. وہ اپنے زمانے کا شیخ ہوگا. اھ. كتاب التمهيد فی ائمة التجديد مولانا عم فيضهم محمد نور الحق.

وہ اس تجدید کی صداقت کے لئے شاہد عدل ہے۔

(ب) اس نظام کو پختہ بنانے کے لئے عوام کو بتلایا گیا۔ کہ جس قدر رہنما فقہ حنفی اور ہندوستانی تصوف چھوڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ حقیقت میں شیعہ پارٹی کا کام کرتے ہیں۔ اس زمانے میں حزب ولی اللہ کا متوسط طبقہ ہر ایسے انسان کو جو فقہ اور تصوف کا انکار کرتا۔ چھوٹا رافضی[1] کہتا رہا ہے۔

(ج) اس نظام کو اور زیادہ مستحکم بنانے کے لئے الصدر الحمید نے ترکی خلافت سے اشتراک پیدا کرنا ضروری سمجھا۔ اور وہ اپنا مرکز مکہ معظمہ لے گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ کہ مینی۔ نجدی تحریکیں دوبارہ معاملہ بگاڑ نہیں سکیں گی۔

۲۔ الصدر الحمید مکہ معظمہ میں اپنے بھائی مولانا محمد یعقوب دہلوی کو اپنے

---

[1] چھوٹا رافضی۔ شاہ اسحاق کے متبعین جس کو اس قسم کا پاتے عوام سے کہتے۔ کہ یہ چھوٹا رافضی ہے۔ یہ جملہ دراصل امیر شہید کا بنایا ہوا ہے۔ مگر کثرت سے استعمال اس کا شاہ اسحاق کے متبعین نے کیا ہے
۱۰ نومبر ۱۹۴۱ء۔

[2] قول جلی شیخ محمد عاشق سے ہم امام ولی اللہ کا ایک الہام شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب کے بارے میں نقل کر چکے ہیں۔ یہاں اس پر ہم اتنا اضافہ کرتے ہیں۔ کہ امام ولی اللہ کی سیاسی تحریک جو ان کی اولاد ذکور کے ہاتھ میں تھی۔ اس کا سلسلہ مولانا شہید کی شہادت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کو الہام ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ پھر ان کی اولاد اناث سے شروع ہوگا جیسے امام ولی اللہ نے کام حجاز سے شروع کیا۔ اور ہند واپس آکر اس کی تکمیل میں لگ گئے۔ یہ نیا سلسلہ بھی اسی طرح کام کرنے کے لئے حجاز ہی سے اقدام کریگا۔

اپنے ساتھ لے گئے۔ اور دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت سے مولینا قطب الدین دہلوی، مولینا مظفر حسین کاندھلوی۔ مولینا عبدالغنی دہلوی کو ملا کر ایک بورڈ بنادیا۔ جو اس نئے پروگرام کی اشاعت کر کے از سرِ نو اجتماعی نظام پیدا کرے گا۔ یہی جماعت آگے چل کر دیوبندی نظام چلاتی ہے۔

مولانا مملوک علی

مولانا مملوک علی الشیخ محمد ھاشم الذی ینتھی نسبہ الی قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق۔ خطّ لہ السلطان شاھجہان خططاً بکورۃ "نانوتہ" فاستوطنہا ونبغ من اولادہ جماعۃ وھم کانوا عمدۃ الحزب الدھلوی بعد ھجرۃ الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق الی الحجاز۔

منہم الشیخ العلامۃ مولانا استاذ العصر مملوک العلی۔ بن احمد بن علی۔ بن غلام شرف بن عبد اللہ بن فتح بن محمد مفتی بن عبد السمیع بن الشیخ محمد ھاشم۔ النانوتوی الدھلوی۔ اخذ عن الشیخ رشید الدین۔ تقدم فی العربیۃ والفقہ وفنون التحصیل علی علماء عصرہ۔ ونصب مدرسا فی "دھلی کالج" بعد شیخہ مولانا رشید الدین۔ اخذ عنہ مولانا محمد مظہر النانوتوی والشیخ عبد الرحمان الغانی فتی۔ والشیخ احمد علی السہارنفوری وشیخ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی وشیخ الاسلام مولانا رشید احمد الکنکوھی، والشیخ محمد یعقوب ابن مملوک علی وجماعۃ۔ واخذ عنہ السید احمد الدھلوی موسس الجامعۃ الاسلامیۃ فی علی گڈھ۔ والشیخ نذیر احمد الدھلوی مترجم القرآن والاستاذ ذکاء اللہ۔ وغیرھم من نوابغ العصر۔ فی آثار الصنادید۔ جناب مولوی مملوک علی شاگرد مولوی رشید الدین خاں۔ علم معقول ومنقول میں استعداد کامل۔ اور کتب درسیہ کا ایسا استحضار ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۸۱) کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینۂ عالم خالی ہو جائے۔ تو اُن کے لوح حافظہ سے پھر اُن کی نقل ممکن ہے۔ چودہ پندرہ سال سے مدرسہ شاہ جہان آباد میں عہدۂ مدرسی رکھتے تھے۔ لیکن اب کئی سال سے سرکردۂ مدرسین ہیں۔ھ توفی الشیخ ۱۲۷۲ھ۔ ودفن فی مقبرۃ الامام ولی اللہ الدھلوی

قلت وولدہ الشیخ محمد یعقوب صار رئیس المدرسین بالمدرسۃ الدیوبندیۃ۔ وعنہ اخذ شیخنا شیخ الھند۔ھ تمھید۔

مولانا مملوک علی سرکاری مدرسہ کے ملازم تھے۔ ان کی نگرانی میں یہ کام شبہات سے بالا رہ کر چل سکتا تھا۔ ورنہ ریزیڈنٹ کی نظر نہایت تیز تھی۔ مگر مولانا مملوک علی کو آزاد کام کرنے والے ساتھی چاہئیں امیر امداد اللہ شاہ اسحاق کے مدرسہ کے پرانے طالب علم اور ان کے داماد مولوی نصیر الدین کے شاگرد ہیں۔ ان کی طبیعت عالمانہ رنگ کی نہ تھی۔ امیر شہید سے ملتی جلتی طبیعت رکھتے تھے۔ اس لئے وہ سید صاحب کا نمونہ تھے۔ مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد اُن کے ساتھ اس طرح کام کرتے رہے۔ جیسے امیر شہید کے ساتھ مولانا عبدالحی اور مولانا شہید تھے۔ھ

الشیخ مظفر حسین الکاندھلوی ۱۵

شیخ قطب الدین وہی نواب قطب الدین خاں ہیں۔ وقد مر ترجمتہ۔ توفی ۱۲۸۳ھ

بالمدینۃ المنورۃ۔ واما الشیخ مظفر حسین الکاندھلوی فکان ورعًا تقیًا امارًا بالمعروف وناھیًا عن المنکر اخذ عن عمہ المفتی الٰہی بخش وعن الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق واسترشد عن مولانا محمد یعقوب الدھلوی۔ وکان نائبہ فی الھند۔ وھو الذی اجلس شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم الدیوبندی علی منبر الوعظ۔ توفی ۱۰ محرم ۱۲۸۳ ودفن بالبقیع ھ کتاب تمھید۔ دیکھے مولانا عبدالغنی ان کا ترجمہ گزر چکا ہے۔ مزید حالات کے لئے دیکھو یا نمبر جنی ۵۵ قلت اخذ عنہ المحدث من مشائخنا الدیوبندیۃ۔ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم وشیخ الاسلام مولانا رشید احمد وشیخ الھند وکان ماموری مولانا رفیع الدین مدیرًا للامور العامۃ فی دار العلوم الدیوبندیۃ ھ۔ تمھید ۱۲ محمد نور الحق۔ ۹ نومبر ۱۹۲۱ء

دیوبندی نظام | دیوبندی جماعت اور اس کی سیاسی مصلحت سمجھنے کے لئے اس حقیقت کو مستحضر کر لینا چاہیئے۔ کہ جس دیوبندی جماعت کا تعارف ہم کرنا چاہتے ہیں وہ اس دہلوی جماعت کا دوسرا نام ہے جو مولانا محمد اسحٰق کی ہجرت کے بعد اُن کے متبعین نے اُن کی مالی اعانت اور اُن کے افکار کی اشاعت کے لئے بنائی تھی۔ اس جماعت کی صدارت سب سے پہلے استاذ اساتذۃ الہند مولانا مملوک علی صدر مدرس دہلی کالج کے لئے مخصوص رہی اُن کے بعد مولانا اسحٰق نے مولینا امداد اللہ کو اس کام کے لئے مقرر کیا۔

مولانا امداد اللہ | هو العارف بالله والجامع بين الشريعة والطريقة المجتهد فی اعلاء کلمة الله۔ الشيخ الامام امداد الله الفاروقی۔ ولد سنة ۱۲۳۳ھ فی نانوتہ اخذ عن الشيخ محمد قلندر۔ والشيخ المحی بخش الکاندهلوی واخذ عن الشيخ نصير الدين الدهلوی الامير بعد شهادة الامير الشهيد لما استشهد الامير واکابر اصحابه فی بالاکوٹ۔ اجتمع من بقی منهم علی امارة الامير نصير الدين وهو الذی بايعه الامير امداد الله اولاً (حاشيه تمهيد) واخذ عن الشيخ نور محمد الجنجانوی، عن الامير الشهيد توفی الشيخ نور محمد سنة ۱۲۵۹ھ وجاء الامير امداد الله الی الحرمين فی سنة ۱۲۶۱ھ ولقی الشيخ محمد اسحٰق واخذ عنه طريق الدعوة۔ ثم عاد الی الهند فی سنة ۱۲۶۲ھ وکان اسم الشيخ امداد حسين۔ فغيره الشيخ محمد اسحٰق وسماه امداد الله (حاشيه تمهيد) وقصده الناس من اطراف البلاد واجتمع عليه الاکابر من اهل العلم

مولانا محمد اسحاق نے اوّلاً مکہ معظمہ پہنچکر پوری آزادی سے اپنی ہندوستانی تحریک کی رہنمائی کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس پر دولت عثمانیہ کی وزارت خارجیہ کو اُن کے اخراج پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس بیرونی دباؤ کے مخمصہ[ف] سے نجات حاصل کرنے کے لئے مولانا محمد اسحاق نے شیخ الحرم کو واسطہ بنایا اور

(بقیہ صفحہ ۱۸۶) مثل مولانا محمد قاسم و مولانا رشید احمد۔ والشیخ فیض الحسن السہارنفوری۔ وجمیع کبیر من علماء الهند۔ وفی ایام محاربة دهلی کان امیرًا فی غزوة شاملی۔ ثم خرج مختضیًا مهاجرًا فوصل الی الحرمین فی سنة ۱۲۷۶ھ واقام بمکة وکان امیر الطائفة الدیوبندیة۔ توفی سنة ۱۳۱۷ھ کتاب تمہید۔

[ف] حضرت سید صاحب اور مولانا شہید نے سنہ ۱۲۳۸ھ و سنہ ۱۲۳۹ھ مطابق سنہ ۱۸۲۶ء و سنہ ۱۸۲۷ء یعنی ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک حجاز میں قیام فرمایا۔ اس سے پہلے حجاز پر ترکوں کا سنہ ۱۸۱۸ء میں کامل تسلط ہو چکا تھا۔ مولانا شہید نے نجدیوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا تھا۔ مگر وہ چونکہ حجاز میں نہیں آسکتے تھے انہوں نے نامہ بر کو واپس کر دیا کہ ہم اس وقت دعا کے سوا اور کوئی اعانت نہیں کر سکتے۔ یہ واقعہ مکہ معظمہ میں نجد کے ثقہ عالموں سے معلوم ہوا۔

دہلوی تحریک کو جس قدر مؤرخ نجدی تحریک سے ملاتے ہیں۔ اُن میں سے موافقین تو ناواقفی کا شکار ہوئے! ور مخالفین نے اپنی سیاسی شرارت کے لئے اُسے وسیلہ بنایا۔

بالاکوٹ کے بعد علاوہ علمی اختلافات کے سیاسی اصول پر بھی دونوں تحریکیں نہیں مل سکتیں نجدی اور یمنی عرب ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوست ہیں۔ اور ترکوں کے مخالف تھے۔ السلطان عبدالحمید نے دولت عثمانیہ سے تعلق پیدا کرکے عربی تحریکوں سے قطعاً علیحدہ رہنا ضروری سمجھا۔ م

ایک پناہ گیر کے طور پر حجاز میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس اجازت کے شروط میں یہ ضروری فیصلہ بھی داخل تھا۔ کہ مولینا محمد اسحاق دولت عثمانیہ کی سیاسی رہنمائی پر کاملاً اعتماد کرتے ہیں۔ اس طرح اُن کے اتباع میں اُن کی معاون دہلی جماعت نے بھی اس فیصلہ کو قبول کر لیا۔ تاکہ انہیں اپنے کام سے ربط رکھنے میں آسانی ہو۔

یہ دہلوی جماعت اس وقت تک اپنے گھر ہی میں کام کرتی رہی۔ جب تک دہلی کا شاہی اقتدار بحال رہا۔ لیکن ۱۸۵۸ء میں جب اس پرانی انقلابی تحریک کو جو تعلیمی لباس میں کام کرتی رہی تھی۔ اپنے موطن میں اپنا وجود سنبھالنا ممکن نہ رہا۔ تو اس کا مرکز ایسے شہر میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جو انگریزی حکومت کے قانونی احاطہ میں واقع ہو۔

اس جماعت کی مرکزی قوت ایک اختلاف کی بنا پر (جو ایام محاربہ میں سلطان کی طرفداری اور غیر جانبداری سے پیدا ہوا تھا۔) دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور دہلی کے عوض۔ دیوبند اور علی گڑھ۔ دو مرکز بن گئے جس طرح مولینا محمد قاسم دہلی کالج کے عربی حصہ کو دیوبند لے گئے اسی طرح سر سید احمد خاںؒ نے دہلی کالج کے انگریزی حصہ کو علی گڈھ پہنچا دیا۔

کانگریس پارٹی انگریزی حکومت کے ساتھ پورے اشتراک کے بغیر اپنا کام شروع ہی نہیں کرسکتی تھی۔ اس لئے اُس نے برٹش گورنمنٹ کی وفاداری کو اپنی سیاسی مصلحت کا جزبنا لیا۔

مگر دیوبندی جماعت (جو مولینا محمد اسحٰق کے زمانہ سے دولت عثمانیہ کو اپنی سیاسی رہنما مان چکی تھی) اضطراری حالات کے سوا حکومت کی کامل وفاداری کا اعلان نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے معتدل حالات میں برطانوی سیاسی مصالح سے غیر جانب داری کو اپنا مسلک بنا یا۔ لیکن یہ غیر جانبداری بھی اس وقت قطعاً ختم کردی جائے گی جب دولت عثمانیہ۔ اور دولت برطانیہ میں لڑائی کا فیصلہ ہوجائے گا۔

ہم مولانا شیخ الہند کو اپنے مشائخ اربعہ مولانا امداد اللہ۔ مولینا محمد قاسم

(حاشیہ صفحہ ۱۸۵) لہ اخذ عن استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی۔ اخذ عن الشیخ رشید الدین۔ اخذ عن الامام عبد العزیز طریقۃ التحریر و برع فیہ و اخذ عن الامام عبد القادر۔ و اتصل بالسعید عبد الحی۔ لکنہ لازم الامام رفیع الدین۔ فالسید احمد الدہلوی موسس الجامعۃ فے علی گڈھ ولی اللھی ۵۔ کتاب التمہید۔

مولانا محمد قاسم | ھو الشیخ ابو الہاشم محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ

مولانا محمد یعقوب دیوبندی اور مولانا رشید احمدؒ کا جانشین مانتے ہیں۔ ہم اٹھارہ سال تک اُن کی صحبتِ خاصہ میں رہ کر اُن کے سیاسی مسلک کو سمجھتے اور پھر اُس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جس قدر ہم اس دیوبندی مسلک کو سمجھ سکے ہیں اس کا خلاصہ ہم نے اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ واللہ المستعان

(بقیہ صفحہ ۱۸۶) بن محمد بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبد السمیع بن محمد هاشم النانوتوی۔ تولد ۱۲۴۸ھ۔ واخذ عن عمہ مولانا مملوک علی و الشیخ عبد الغنی والشیخ احمد علی والامیر امداد اللہ وجماعۃ۔ اسس دار العلوم الدیوبندیہ فی ۱۲۸۳ھ وشرع وافی تاسیس مدرسۃ العلوم بعلی گڈھ من ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء موافق ۱۲۹۲ھ) وکان من المجددین علی راس المائۃ الرابعۃ عشر وهو الذی وفق لتقمیص العلوم الولی اللهیۃ بالقمص الجدیدۃ الهندیۃ۔ واخذ عنہ جمع۔ منهم شیخنا شیخ الهند وکان امام الحرکۃ الملیۃ فی درجتها الثالثۃ۔ التی تیخلص فیها عن اختلاط الامراء۔ فان الاعتماد فی دعوۃ مولانا محمد قاسم ما کان علی الامراء و اصحب الثروۃ بل علی اللہ وعلی الضعفاء۔ توفی ۱۲۹۷ھ وکان شبیها بالصدر الشهید۔

مولانا رشید احمدؒ گنگوهی

واما شیخ الاسلام الگنگوهی فهو ابو مسعود۔ رشید احمد بن هدایت اللہ الانصاری۔ ولد ۱۲۴۴ھ۔ واخذ عن مولانا مملوک علی و الشیخ عبد الغنی والشیخ احمد سعید والامیر امداد اللہ۔ وجماعۃ۔ الی

دبقية سنو ٢ ،١١١ اخذت عنه قطعة كبيرة من سنن ابي داود. تفقهًا. ونفعني الله
بها. ولصحبة الشيخ اثر في نفسي. يمنعني عن التحول عن مسلكه وتجلى لي
الطريقة الولى اللهية فعرفت مواضع الفقه والسلوك. ومواضع العربية
والاصول والمعقول من الكتاب والسنة. ورايت بعيني راسي امامًا متقنًا
مجتهدًا في مذهب الامام ابي حنيفة. وكان شيخنا جبل الاستقامة على طريقة
شيخه الامام عبد الغني الدهلوى وكان لي الهيا شبيهًا بالصدر الحميد مولانا محمد اسحق
الدهلوى. اخذت معنى السنة والبدعة عن كتابه "البراهين القاطعة" (صنفه
ذبًا عن ايضاح الحق للصدر الشهيد.) كان امير الطائفة الديوبندية بعد
- الامير امداد الله. واما محمد يعقوب الامام محمد قاسم اخذ عنه اكثر من ثلث مائة
مشائخ. علوم الدين. توفى سنه ١٣٢٣ه.

مولانا محمود الحسن

واما شيخ الهند فهو استاذي وفي العلوم عليه اعتمادي مولانا محمود الحسن بن
ذي الفقار على الاموى الديوبندي. ولد سنه ١٢٦٨ه سنه ١٨٥١ء اخذ عن ابيه وعمه
مبادى الكتب. ولما اسس المعهد العلمى بديوبند سنه ١٢٨٣ه ١٨٦٦ء اخذ عن مولانا
محمد يعقوب بن مملوك العلى. ومولانا محمود الديوبندي. ولازم شيخ
الاسلام محمد قاسم وبه تخرج واستجاز من مولانا احمد على والشيخ محمد مظهر
النانوتوى. والشيخ عبد الرحمن الپانيپتى اساطين الطائفة الديوبندية.
فاجازوه. وكذلك استجاز له شيخ الاسلام محمد قاسم عن الشيخ عبد الغني لما حضر
عنده في المدينة المنورة فاجازه. وكذلك اخذ عن الامير امداد الله تبعًا لامر شيخه
الذين تخرجوا على مولانا محمد قاسم فاق عليهم ثلثة منهم. وكان شيخنا شيخ
الهند اسن الثلاثة حبًا الشيخه. واكثرهم معرفة به واتباعًا له. وانا قرأت عليه

جملہ معترضہ | واقعہ بالاکوٹ کے بعد امام عبدالعزیز کی جمعیۃ
مرکزیہ کا کوئی رکن، بجز الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلوی کے باقی نہیں
رہا تھا۔ انہوں نے حقیقت حال سے واقف ہو کر اپنے رفقا کے ساتھ مشورہ
کیا، اور ابقاء تحریک کے لئے راستہ بنایا۔ اور اپنی عقل اور ہمت کے موافق
اس کو چلایا۔ خدا نے اسے قبول فرما کر اس میں برکت دی۔ اُن کے اتباع
جیسے حالات پیش آتے گئے۔ اپنے قدم آگے بڑھاتے گئے۔ اس سوسائٹی نے
تقریباً سو سال تک اس راستہ پر چلنے کی محنت برداشت کی ہے۔ تب اُن کی
نوّے سالہ مشقتوں کا نتیجہ دیوبندی نظام نکلا ہے۔

لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ کہ دہلی سے باہر جس قدر جماعتیں حزب ولی اللہ
سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُن تمام جماعتوں نے الصدر الحمید کی رہنمائی پر اتفاق کر

(بقیہ صفحہ ۱۸۸) حجۃ الاسلام الشیخ الاسلام محمد قاسم۔ فرأیت فی بعض الاحیان ان العلم
والایمان ینزل فی قلبی والذی اعتقد فی حق شیخ الهند انه کان ذکی الفطرۃ
من المفهمین فی اصطلاح الامام ولی الله۔ وکان الغالب علیه اتباعاً للشیخ نسبۃ
التواضع والانکسار التی سیمیها الامام ولی الله نسبۃ اهل البیت" توفی شیخ
الهند فی ۱۸ ربیع الاول سنۃ ۱۳۳۹ھ، ۳۰ نومبر سنۃ ۱۹۲۰ء بعد مائۃ سنۃ من وفات الامام
عبد العزیز الدهلوی ره۔ کتاب التمهید ص ۲۲۵۔

کیا تھا۔ بلکہ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ کہ بالاکوٹ کی مصیبت عظمیٰ اپنے پیچھے اپنی مستقل یادگار چھوڑ گئی ہے۔ وہ ہے انشقاق الجماعۃ یعنی اس کے بعد حزب ولی اللہ دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گیا جس تفصیل کے ساتھ ہم دہلوی (دیوبندی)، پارٹی کے حالات جانتے ہیں اس قدر (صادقپور، پٹنہ کی تحریک سے آشنا نہیں۔ تتمیم مبحث کے لئے ہم اس دوسری پارٹی کے مجمل حالات بیان کرتے ہیں۔

مولانا ولایت علی رئیس حزب صادقپوری

بعد تلک الواقعۃ الھائلۃ دای

شھادۃ الامیر، بایع من بقی منھم فی بالاکوٹ علی امارۃ الامیر نصیر الدین الدھلوی ختن مولانا محمد اسحاق۔ وحدث فی جماعۃ الامیر نصیر الدین الانشقاق الفکری بسبب عدم وجدان جنازۃ الامیر الشھید فی القتلی فانقسموا الی طائفتین اھل الحل والعقد منھم استیقنوا بالشھادۃ وشرذمۃ قلیلۃ اصروا علی الانکار وثبوا الدعایۃ لانتظار رجعتہ۔ وھذا الذی حدث فی المعرکۃ تاثر منہ الانصار فی الھند۔ فالصدر محمد اسحق واصحابہ فی دھلی کانوا قائلین بالشھادۃ۔ والامیر ولایت علی العظیم آبادی۔ صادقپوری کان یعتقد بغیبوبۃ الامام۔ ومولانا ولایت علی کان من عظماء خواص اصحاب الصدر الشھید وکان الامیر الشھید یرسلہ داعیًا الی الجھاد فی الھند۔ وما کان حاضرًا فی بالاکوٹ فما استیقن بالشھادۃ۔ فعظم الافتراق۔ والمخالفون من

(بقيه صفحه ١٩١) المسلمين كانوا يفحكون عليهم. والكفار يتغلبون على البلاد يوماً فيوماً. والصدر مولانا محمد اسحق واصحابه. داوموا على اعمالهم الى سنة ١٢٥٥هـ لكن ما قدروا على رفع الشقاق فهاجر الشيخ الى الحجاز فتوفى فى مكه سنة ١٢٦٢هـ وبعد ما توفى ظهر فى المنتسبين الى الطريقة الولى اللهية الطائفتان -
الحزب الدهلوى. والحزب الصادقپورى-

والامير ولايت على انضم اليه عامة الشرقيين من البهار والبنغالة و قام الى تجديد بيعة الجهاد بمحل اقامته صادقپور فى سنة ١٢٤٢ ودعا الى نفسه لانه خليفة الامير الغائب وانضم اليه الشيخ عبد الحق بن فضل الله البنارسى الذى ينتسب الى الصدر الشهيد. واخذ عن الامام الشوكانى. فاشتغلوا فى تنظيم الحزب الصادقپورى. لكن بسبب احترام الصدر محمد اسحاق ما كانوا يجاهرون بالدعوة فى دهلى واطرافه والامير ولايت على جاء الى الحجاز سنة ١٢٥٠ وسار الى اليمن واخذ عن الشوكانى.

وبعد ما هاجر الصدر مولانا محمد اسحق اوفد الامير ولايت على اخاه عنايت على فى سنة ١٢٥٨هـ الى البونير مركز المنتظرين لرجعة الامير. وبعد ما توفى الصدر محمد اسحق. ذهب الامير ولايت على بنفسه الى البونير فى سنة ١٢٦٢هـ فاستقام له الامر. وتوفى الامير ولايت على فى سنة ١٢٦٩هـ. ثم قام مقامه على الامر عنايت على لكن ما حصل الاتفاق على الجهاد والقتال بل جلسوا منتظرين فتوفى سنة ١٢٧٣هـ.

وكان الاصل السياسى للصادقپوريين اعتقاد غيبوبة الامير الشهيد ومن لوازم هذا الاصل عدم الاشتراك مع امراء المسلمين، وسلاطينهم اذا اقاموا المحاربة الكفار قبل ظهور الامام لكن حدث فى اصحاب الامير عنايت على جم من المجاهدين ما وافقوهم على هذا الاصل بل مالوا الى الدهلويين.

واقعہ بالاکوٹ میں بقیۃ السیف مجاہدین کو امیر شہید کا جنازہ نہیں ملا۔ اس کا اصلی سبب یہ تھا۔ کہ سکھوں نے امیر شہید کا سر کاٹنے کے بعد مقامی ملانوں کی معرفت فوجی اعزاز[1] کے ساتھ اُسے دفن کرا دیا تھا۔ اس طرح شکست فاش کا تصور مجاہدین کے فکر سے کوسوں دور تھا۔ اس اضطراب میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہو نہو، امیر کہیں غائب[1] ہو گئے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۱) من اکابر الطائفۃ الصادقپوریۃ وائمتہم شیخ الاسلام السید نذیر حسین الدهلوی البهاری۔ ولد ۱۲۲۰ھ واستمر علی اخذ العلوم من ۱۲۳۶ھ فی صادقپور۔ ثم جاء الی دهلی فی ۱۲۴۳ھ فاخذ عن اصحاب مولانا محمد اسحٰق ثم استفاد الکثر الطیب من الصدر نفسہ۔ وکان من اذکیاء عصرہ۔ جامعًا بین العلوم النقلیۃ العقلیۃ والادبیۃ۔ وکان یفتی علی طریقۃ شیخہ متقیدًا بالمذهب الحنفی وکان الفتاوی العالمگیریۃ بین عینیہ کانہ یحفظها۔ ولا یمیل الی الصادقپوریین الا قلیلا۔ لکن بعد ۱۲۷۴ھ استقل بالاجتهاد۔ وانتسب الی الصدر الشهید فی اکثر الامور۔

ومنہم الامیر القنوجی نقی الامیر ولایت علی۔ واخذ عن الشیخ عبد الحق البنارسی واخذ عن علماء الیمن وکان مشغوفًا بحب الشوکانی وکتاب التمهید[۱۲۰۹]

[1] چنانچہ سکھوں کا رسالہ جنازہ کے ساتھ تھا۔ شیر سنگھ نے اپنا خاص دوشالہ جنازہ پر ڈالنے کے لئے بھیجا۔ اور مقامی ملاؤں سے جنازے کی نماز پڑھوائی۔ اور فوجی اعزاز سے دفن کرایا۔ لیکن مجاہدین اسوقت سخت پریشان، اور آشفتہ دماغی کا شکار ہو رہے تھے بلیرہ اپنے معتمدین کے فوت ہو چکے ہیں۔ اسلئے اگر اُن کو یا اعزاز اور دفن کا واقعہ معلوم نہ ہو۔ تو چنداں بعید نہیں۔

بعض اتفاقی واقعات اس کے موید بن گئے۔ امیر شہید بالاکوٹ کے واقعہ سے چند روز پیشتر اپنے اصحاب کو وصیت کرتے رہے ہیں۔ کہ اگر بالفرض کسی ضرورت کیلئے ہم چند روز غائب ہو جائیں۔ تو آپ لوگ مایوس نہ ہونگے بلکہ اپنے کام پر مستقل طور پر قائم رہیں۔ درحقیقت وہ اس اشارے اور کنایے سے پیش آنے والے واقعات کے لئے ذہنیتوں کو تیار کرتے تھے۔ مگر پریشان دماغی اس قدر سوچنے کا موقعہ کب دیتی ہے؟ اس طرح یہ روایت پیدا ہوئی۔ اور مخالفوں نے سارے ہندوستان میں پھیلا دی۔ تاکہ تحریک اپنے عمل کے اعتبار سے ختم ہو جائے۔

پٹنہ کے مولانا ولایت علی[۱] مرحوم معرکۂ بالاکوٹ میں حاضر نہیں تھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۲)، [۲] قال النواب القنوجی فی "حجج الکرامۃ"۔ جمعی از عظیم آباد و بنگالہ درباره سید احمد بریلوی مرحوم نیز ایں گماں کرده اند یعنی منصب مہدویت، تا آنکہ بعض از مریدانِ ایشاں چہل حدیث دریں باب جمع نموده وایشاں را مہدی وسط قرار داده۔ قائل بغیبوبت ایشاں درجبال مغربیۂ ہند شده، منتظر عود بوده اند۔ وایں زلت عظیم است۔ وکیف کہ سید مرحوم ایں دعویٰ نکرده۔ وایجابہ عود نہ نموده۔ واگر سے کرد ہیچکس تصدیق نمے نمود۔ ھ۔ از کتاب تمہید ص ۲۱۱ [۱] مولانا شہید نے حجۃ اللہ پڑھنے کے بعد فقط حجۃ اللہ پر عمل کرنے والی ایک جماعت بنائی جو رفع یدین اور آمین بالجہر کیا کرتی تھی۔ مگر امیر شہید کے سمجھانے سے مصلحت عامہ کیلئے وہ جماعت ختم کردی گئی۔ مولانا ولایت علی اس جماعت کے ممبر تھے۔ اب وہ علیحدہ ہو کر دراصل اس جماعت کا احیا مقصد بتاتے ہیں۔ ھ

وُہ مولانا اسمٰعیل شہید کی اس جماعت کے خاص رکن تھے۔ جو مولانا شہید نے دہلی میں امام ولی اللہ کے اتباع کے لئے بنائی تھی۔ اور ہجرت کے موقعہ پر مصلحت عامہ کی رعایت میں ختم کردی گئی تھی +

مولانا ولایت علی نے مولانا محمد اسحاق صدر حمید کا اصلاحی فکر قبول نہیں کیا۔ اور اس روایت غلبویت کی آڑ میں اپنی مستقل جماعت بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے حجاز کا سفر کیا۔ اور یمن و نجد کی عربی تحریکوں کا مطالعہ کرنے کے لئے اُن ممالک کی سیاحت کرتے رہے۔ اُن کے فکر میں ترکوں سے اتصال کے عوض عربی تحریک سے اتصال زیادہ محبوب تھا جس وقت الصدر الحمید دہلی سے حجاز پہنچ گئے۔ اس کے بعد مولٰینا ولایت علی نے پٹنہ میں اپنی مستقل پارٹی کا اعلان کر دیا۔ بخلاف اس کے الصدر الحمید نے دہلی میں جو انتظام کیا تھا۔ اُسے کمپنی کے کارندوں سے مخفی رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنا مرکز مولٰینا مملوک علی کو بنایا تھا۔ جو ایک سرکاری ملازم تھے۔ اور اپنے خاص اصحاب کی جماعت اُن کے تابع کر دی۔ اس طرح مولٰنا

لہ۔ اصلاحی فکر یعنی حنفی مذہب کی پابندی اور ترکوں سے اتصال۔ وُہ حنفی مذہب کی پابندی کو حجۃ اللہ کے خلاف اور ترکوں سے اتصال کو یمنیوں اور نجدیوں کے خلاف جانتے تھے۔

ولایت علی کی پارٹی زیادہ نمایاں[1] ہوگئی جب ہندوستانی عالم کو جو مذہبا زیدی شیعہ تھا، امیر شہید نے اپنی جماعت سے نکلوا دیا تھا۔ وُہ بھی مولینا ولایت علی کے ساتھ شامل ہوگیا۔ نواب صدیق حسن خاں اُسی استاد کے توسط سے امام شوکانی کے شاگرد ہیں۔ مولینا نذیر حسین دہلوی اور مولینا عبداللہ غزنوی بھی مولانا ولایت علی کی پارٹی سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔

اِس پارٹی کا مرکزی فکر یہی بتایا جاتا ہے۔ کہ امیر شہید غیر معین عرصے کے لئے غائب ہوگئے ہیں۔ اُن کے انتظار میں جہاد کی تیاری کرتے رہنا چاہیئے۔ وُہ ضرور آئیں گے۔ اور انہی کی امامت میں کام کرنے سے ہمیں نجات مل سکتی ہے۔

بظاہر یہ فکر نہایت غیر معقول ہے۔ مگر بڑے بڑے عالموں اور صوفیوں کا۔ جو حزب ولی اللہ سے اختصاص رکھتے ہیں۔ اس تحریک کی شمولیت میں اُن کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تاویل یہی ہوسکتی ہے۔ کہ عوام و خواص، کو تحریک کے ساتھ وابستہ رکھنے کیلئے یہ ایک سیاسی چال تھی۔

---

[1] کیونکہ بظاہر مولانا اسحاق ہندوستانی کام چھوڑ گئے تھے۔ اور ان کے بجائے مولانا ولایت علی نے کام سنبھال لیا تھا۔ مگر درحقیقت مولانا اسحاق نے وہاں پہنچکر بھی وہی کام کیا۔ جو یہاں کیا کرتے تھے۔

مولانا ولایت علی نے ہندوستان کے مشرقی حصہ پر اپنا اثر قائم کرلیا اور افغانی پہاڑوں میں اپنا مستقل مرکز بنایا۔ اُن کی اولاد اَب تک اس علاقے میں اپنی امارت اور اپنا مرکز رکھتی ہے۔ مخالفوں کو بھی ماننا پڑتا ہے۔ کہ وہ ایک چھوٹے پیمانے پر امیر شہید کی حکومتِ موقتہ کی یادگار ہے ۔

ہمارا اپنا خیال مولینا ولایت علی کی تحریک کے متعلق یہ ہے۔ کہ وہ مولینا شہید کی اس خاص جماعت کو زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے مولانا نذیر حسین۔ اور نواب صدیق حسن خاں جیسے عالم بھی اُن کا ساتھ دیتے ہیں ۔

(۱) مولانا نذیر حسین۔ مولینا ولایت علی کے مدرسہ (صادقپور، پٹنہ) کے ابتدائی طالب علم ہیں۔ بہار سے جب دہلی پہنچے۔ تو الصدر الحمید اور اُن کے اصحاب کی صحبت میں ہی علمی تکمیل سے فارغ ہوئے۔ غزوۂ دہلی تک مولانا محمد اسحاق کے مسلک کے پابند رہے۔ اُس کے بعد اگرچہ بضرورت نجدی تحریک اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف میلان ظاہر کرتے رہے۔ مگر فتاویٰ عالمگیریہ کا مشغلہ اور ہدایہ کی تدریس اور وحدۃ الوجود کا فلسفہ اُن کی پرانی ذہنیت کا عنوان آخر تک قائم رہا ۔

اگر عوارض سے قطع نظر کرلی جائے۔ تو وُہ مولانا شہید کی اُس مذکورہ

سوسائٹی کے احیاء کے سوا اور کوئی مقصد نہیں رکھتے تھے۔

حکومت کے اثرات کا ایک نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ مولانا احمد علی[1] سہارنپوری کلکتہ میں۔ اور مولانا نذیر حسین دہلی کے مرکز میں بیٹھتے ہیں۔ تا کہ ہر ایک اپنے اپنے مرکز میں کام نہ کر سکے۔

(۲) نواب صدیق حسن خاں کے والد ماجد[2] مولانا رفیع الدین کے خواص

---

[1] ہو مولانا احمد علی بن لطف اللہ الانصاری۔ اخذ عن مولانا مملوک علی وعن وحید الدین السہارنپوری۔ وعن الصدر الحمید۔ مولانا محمد اسحاق الدہلوی ثم بعد الفراغ اشتغل بالتدریس برھۃ من الزمان۔ ثم انشاء المطبعۃ الاحمدیۃ فی دھلی وطبع فیہا القرآن العظیم وکتب الحدیث بالتصحیح التام۔ فکان حافظا للحدیث علی تجدد الحالات فی ذلک العصر وکتب تعلیقا علی الصحیح للامام البخاری۔ واشترک فیہ شیخ الاسلام محمد قاسم الدیوبندی وکتب الشیخ ذیولا علی اکثر کتب الحدیث واستفاض بہ علم الحدیث فی اطراف الھند۔ واخذ عنہ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم وشیخنا شیخ الھند۔ توفی سنہ ۱۲۹۷ھ۔ تمہید ص ۲۲۶۔

[2] ہو حسن بن علی بن لطف اللہ الحسینی ذکرت لہ ترجمۃ حافلۃ فی اتحاف النبلاء۔ سافر الی دھلی فی سنہ ۱۲۳۳ھ وتلمذ علی الشیخ عبد العزیز والشیخ رفیع الدین وصحب السعید الکبیر العارف السید احمد البریلوی وجاھد معہ فی سبیل اللہ۔ توفی سنہ ۱۲۵۳ھ

[3] ابجد العلوم

اصحاب میں سے ہیں۔ نواب صاحب نے مولانا صدر الدین دہلوی سے تحصیلی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور مولانا محمد یعقوب دہلوی سے سند حدیث حاصل کی الحطۃ کی تصنیف تک حزب ولی اللہ کے معارف کی ترجمانی کرتے رہے۔ لیکن اس کے بعد اُن کی سیاسی مصلحت نے ان کو امام شوکانی کے اِتباع پر مجبور کر دیا ٭

آخر میں اس پارٹی کے مرکزی فکر کے متعلق مولانا شمس الحق عظیم آبادی (تلمیذ خاص سید نذیر حسین) کی عون المعبودؒ سے چند جملے نقل کر کے ہم اس جملۂ معترضہ کو ختم کرتے ہیں ٭

زعم اکثر العوام وبعض الخواص[۱] فی حق الغازی الشہید الامام الامجد السید احمد البریلوی رضی اللہ عنہ انہ المہدی المحمود، وانہ لم یستشہد فی معرکۃ الغزو۔ بل انہ

---

[۱] قلت مرادہ من بعض الخواص الشیخ الجلیل الامیر ولایت علی المذکور دعا الی ہذہ العقیدۃ دعوۃ حثیثۃ وتبعہ علیٰ ذلک جماعۃ کبیرۃ اضمحلت بالتدریج۔ وہؤلاء ہم الذین احتاجوا الی ان یخرجوا من الحنفیۃ الرحیمیۃ الولی اللہیۃ العزیزیۃ الاسمٰعیلیۃ الاسحاقیۃ، وما دخلوا فی محاربۃ دہلی ونسمیہم الحزب الصادق پوری واللہ الہادی۔ھ

کتاب التمہید

اختفیٰ عن اعین الناس وھو حی موجود فی ھٰذا العالم الیٰ الاٰن حتی افرط بعضھم فقال انا لقیناہ فی مکۃ المعظمۃ حول المطاف ثم غاب بعد ذٰلک، ویزعمون انہ سیعود، وھٰذا غلط وباطل۔ والحق الصحیح ان السید الامام استشھد ولم یختف عن اعین الناس قط والحکایات المرویۃ فی ذالک کلھا مکذوبۃ مخترعۃ۔ وما صح منھا فھو محمول علی محمل حسن۔ وقد طال النزاع فی الامیر السعید الشھید من حیاتہ واختفائہ حتی جعلوہ جزء العقیدۃ ویجادلون من ینکرہ۔ والی اللہ المشتکی من ضیع ھٰؤلاء ونعوذ باللہ من ھٰذہ العقیدۃ المنکرۃ الواھیۃ۔ ھ

(۳) الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق دہلوی کی نئی تنظیم پر پورے تیس برس بھی نہیں گذرے تھے۔ کہ دہلی کے آخری بادشاہ کی انگریزی کمپنی سے لڑائی ہو گئی۔

(الف) سلطان دہلی اگرچہ بظاہر ایک وظیفہ خوار رئیس کی صورت میں نظر آتا تھا۔ مگر عام لوگوں کی نظروں میں وہ اب تک سارے

ہندوستان کا موروثی سلطان مانا جاتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی چونکہ اسی کے نام سے عوام پر حکومت کرتی تھی۔ چنانچہ ڈھنڈورے میں کہا جاتا تھا "خلق خدا کی۔ ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا"۔ اس لئے عوام الناس کی رائے اُسے ملک کا حقیقی مالک ماننے میں تامل نہیں کرتی تھی۔

سقوط دہلی کا یہ واقعہ جو ۱۸۵۷ء میں وقوع پذیر ہوا۔ اسلامی دنیا کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مگر ہماری رائے میں ہندوستانی وہی ہے۔ جو اس ہندوستانی سلطنت کے زوال کو اپنی قومی مصیبت سمجھتا ہو۔

(ب) اس داہیۂ کبریٰ میں مولانا محمد اسحاق کی نئی جماعت بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ الصدر الحمید نے جس طائفہ کو نئی تنظیم میں مرکزی اختیارات دئے تھے۔ وُہ طائفہ تو سلطان دہلی کا طرفدار ہوگیا۔ اور سلطانی تحریک کی شکست کے بعد مولٰینا محمد اسحاق کی طرح حجاز میں پہنچ گیا۔ چنانچہ امیر امداد اللہ اور مولانا عبد الغنی، مولانا محمد یعقوب دہلوی کے ساتھ حجاز میں بیٹھ کر اپنی ہندوستانی تنظیمات کی رہنمائی کرتے رہے۔

(ج) اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کہ مولٰینا محمد اسحاق کے متبعین کی پہلی صف میں سے علماء اور صوفیہ کا کثیر حصہ سلطان دہلی کی

لڑائی میں غیر جانب دار بن گیا۔ اس کا حاصل یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ الصدر الحمید کی تنظیم کے بالمقابل اگر پٹنہ میں پارٹی قائم ہو چکی تھی۔ تو اب خود الصدر الحمید کے اپنے فرقہ میں سے۔ ایک مخالف جماعت دہلی میں بھی پیدا ہو گئی۔ مولینا سید نذیر حسین دہلوی، اور مولانا شیخ محمدؒ تھانوی اس دوسری جماعت کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں ۔

مولانا شیخ محمدؒ تھانوی

تھانہ بھون کے یہ بزرگ مولانا شیخ محمد تھانوی محدث کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی رائے اس تحریک حریت کے خلاف تھی۔ مولانا حسین احمد صاحب صدر دیوبند نے ایک مرتبہ سہارن پور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ امیر امداد اللہ اور شیخ الاسلام محمد قاسم اور حضرت مولانا گنگوہی وغیرہ حضرات نے ایک مرتبہ مولانا شیخ محمد کی مسجد میں جا کر جہاد حریت کے متعلق تبادلہ خیالات کیا۔ مولانا شیخ محمد نے اہل ہند کی بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد کی مخالفت کی۔ مولانا محمد قاسم نے فرمایا۔ کہ کیا ہم اصحاب بدر سے بھی زیادہ کمزور ہیں؟ امیر امداد اللہ نے طرفین کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا۔ کہ الحمد للہ انشراح ہو گیا۔ اور واپس آکر جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ امیر امداد اللہ نے امامت قبول کی۔ اور شیخ الاسلام نانوتوی سپہ سالار قرار پائے۔ اور شیخ الاسلام گنگوہی قاضی مقرر ہوئے۔ اسطرح قصبہ تھانہ بھون ایک دارالاسلام بنالیا گیا۔ پھر پیش قدمی کر کے قصبہ شاملی ضلع مظفر نگر بھی فتح کر لیا۔ ـ حدیث۔ م ص ۶۷

شیخ محمد تھانوی وہ بزرگ ہیں جن کے مسلک پر مولانا اشرفعلی صاحب کاربند ہیں۔ اور شیخ الہند کی جماعت کی سیاست کو غلط مانتے ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب کے سوانح حیات جو شائع ہو چکے ہیں ان میں تصریح ہے۔ کہ آپ مولانا شیخ محمد صاحب کے مسلک کے پیرو ہیں۔ مولانا شیخ محمد اور امیر امداد اللہ ایک

جملہ معترضہ عجیب بات ہے کہ امام عبدالعزیز کے حزب میں انشقاق کا جو بیج، بالاکوٹ کی ہزیمت کے نتیجہ میں بویا گیا تھا۔ اس کے تلخ ثمرات کا تسلسل کسی طبقہ میں نہیں ٹوٹتا۔ جیسے مولانا محمد اسحاق کی جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ اسی طرح پر امیر امداد اللہ کی جماعت میں، اور پھر اُن کے بعد مولانا شیخ الہند کی جماعت میں مخالف پارٹی کے افراد اور گروہ مخلوط چلے آتے ہیں۔

امام عبدالعزیز کی حزب کو اس قسم کے مخالف عناصر سے قطعی طور پر پاک کرنے پر جب تک دانشمند نوجوان کمر ہمت نہیں باندھیں گے۔ تحریک کبھی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔

(بقیہ صفحہ ۲۰۱) ہی مرشد کے خلیفہ ہیں۔ اور اسی مسئلہ جہاد پر آپس میں مخالف ہوگئے۔ اور جماعتیں دو حصوں میں منقسم ہوگئیں۔ تو اب امیر امداد اللہ کی جانشینی کا استحقاق مولانا اشرف علی صاحب کو کس طرح پہنچ سکتا ہے؟ یہ ایک نہایت ہی خطرناک استادی ہے۔ جو مولانا شیخ الہند اور ان کے اساتذہ کے خصوصی کاموں کو بیکار بنا دینا چاہتی ہے

لہ ہم یہ حکم اسلئے لگاتے ہیں۔ کہ ہم یورپ کی سیاسیات کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ اُن کے ہاں پارٹی کے نظام کو مخالف عنصر سے پاک رکھنا سب سے اول درجہ کا فرض ہے۔ اور وہ اس بارے میں کشت و خون سے ذرہ برابر نہیں گھبراتے۔ اسی میں ان کی فلاح اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔

(۴) الصدر الحمید کی بنائی ہوئی جمعیتہ مرکزیہ حجاز میں بیٹھ کر پروگرام کی تکمیل میں رہنمائی کرتی رہی ہے ؛

(الف) مولانا محمد اسحٰق، اور اُن کے بعد امیر امداد اللہ کو مکہ معظمہ میں بیٹھ کر اپنی تحریک جاری رکھنے میں جسقدر مشکلات پیش آئی ہیں۔ اُن پر غالب آنا اُن کے حزم اور حلم کی روشن دلیل ہے۔ اور ہم اُسے امام عبدالعزیز کی تربیت مسلسلہ کی برکات میں شمار کرتے ہیں۔ اگر یہ حضرات امام عبدالعزیز کے تربیت یافتہ نہ ہوتے۔ تو کبھی اپنا کام جاری نہ رکھ سکتے ؛

ہم اگر مکہ معظمہ[1] میں اس قسم کی زندگی کا خود تجربہ نہ کرتے۔ اور حضرت

---

[1] مکہ معظمہ میں کوئی خفیہ تحریک پیدا نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ چلائی جا سکتی ہے۔ ہر کام کرنے والے کے سر پر اس قدر غیر منظم عوام کا ہجوم مسلط رہتا ہے۔ کہ اُسے سر کھجلانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ مگر جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے لئے وقت نکال لیتے ہیں۔ میں حیران رہ گیا جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ مولانا اشرف علی صاحب جو مولانا شیخ محمد کے مسلک کے متبع ہیں وہ امیر امداد اللہ کے مخصوص اصحاب میں رہ چکے ہیں۔ اس کے بعد مولانا شیخ الہند کے اسی طرح قریبی دوست حجاز کے سفر میں ہر وقت اُن کے ساتھ رہتے تھے۔ تاکہ وہ کوئی خفیہ کام نہ کر سکیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس قسم کے کام کرتے رہے۔ اور انہوں نے اپنے لئے اوقات فرصت نکال لئے۔ تو اس سے مجھے قیاس کرنے میں آسانی ہوئی۔ کہ اسی طرح امیر امداد اللہ بھی اپنے لئے وقت نکال لیتے ہونگے میں خود بھی اسی طرح کی مصیبت میں مبتلا رہا ہوں۔ اگرچہ میرا ہندوستان سے کوئی تعلق باقی نہیں

مولانا شیخ الہند کے واقعات ہمارے سامنے نہ ہوتے تو ہم ان اکابر کی محنت کی قدر نہ کر سکتے۔

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

(۵۱) سقوطِ دہلی کے نو برس بعد ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء میں مدرسہ دیوبند[۵] کی تاسیس ہوئی۔

(الف) امیر امداد اللہ نے مکہ معظمہ میں ۱۲۷۶ھ سے فیصلہ کیا۔ کہ اطرافِ دہلی میں امام عبدالعزیز کے مدرسہ کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے۔

(ب) مولانا محمد قاسم سات سال مسلسل کوشش کرتے رہے، تب کہیں ایک جماعت کو دیوبند میں مدرسہ بنانے پر آمادہ کر سکے۔ اس کے بعد اُن کی

(بقیہ صفحہ ۲۰۳) رہا تھا۔ مگر یورپ میں میرے دوست کافی موجود تھے۔ اور کابل کے لوگ بھی مجھ سے ملتے رہے۔ تو مجھے اس میں نہایت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا میں ان اپنی تکالیف اور مولانا شیخ الہند کی مجبوریوں کو سامنے رکھ کر حاجی امداد اللہ صاحب کے کام کی جسقدر میں اہمیت سمجھتا ہوں۔ دوسرا شخص اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ھ

[۵] اب تک امیر امداد اللہ کی رہنمائی تھی۔ جو مکہ معظمہ میں بیٹھ کر کام کرتے رہے۔ تو اس جماعت نے مدرسہ دیوبند کو مرکز بنا لیا۔ اور اس کی تمام چیزیں امیر امداد اللہ کی مصلحت پر چلتی رہیں۔ دیوبند کی روح دراصل امیر امداد اللہ کی مصلحت پر چلنا ہے۔

دوڑ دھوپ سے اسی طرز پر ایک مدرسہ سہارنپور[1] میں، اور ایک مراد آباد میں بن گیا۔ جو مدرسہ دیوبند کی شاخیں ہیں ✦

(ج) مدرسہ دیوبند کے لئے ہفت سالہ نصاب تعلیم، اور مستقل نظام عمل اور اساسی قواعد مولانا محمد قاسم نے بنائے انہوں نے اپنی سکیم میں امام عبدالعزیز کے مدرسہ اور حزب ولی اللہ کے مقاصد کو محفوظ کر دیا ہے ✦

جملہ معترضہ | اس کے بعد دوبارہ اس نصاب پر نظر ثانی ہوئی ہے۔ پہلی دفعہ مولانا محمد یعقوب دیوبندی کے زمانہ میں ہشت سالہ نصاب کی صورت میں دوسری بار مولانا شیخ الہند کی جمعیۃ الانصار کی تحریک پر۔ الحمد للہ کہ دونوں دفعہ حزب ولی اللہ کی تعلیمات کی روح محفوظ رہی ✦

---

[1] دار العلوم دیوبند اسس فی ۱۲۸۳ھ فاقتدی الناس فی تاسیس الفروع۔ فاول فرع تأسس بعد ستۃ اشہر فی سہارنپور۔ حتی وصلت الیٰ اربعین فرعاً۔ لکن نظامہا علی اللامرکزیۃ وکنت فی اول زمان تنظیم جمعیۃ الانصار احب ان اغیر نظام الفروع المذکورۃ الی المرکزیۃ۔ ولکن شیخنا شیخ الہند ما کان یلتفت الی ذٰلک الا قلیلاً۔ و بعد ثلٰث سنین تبینت لی حکمۃ اللامرکزیۃ بالتجارب۔ فان الحکومۃ لا تسہل لہا ان تتحکم وتغلب علیٰ ذٰلک النظام۔ وحفظ الحریۃ مقدم علی تحسین الصورۃ۔ ھ۔ کتاب التمہید ص ۱۵۵

اس کے بعد جب کبھی ترمیم نصاب کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو میں اس پہلے ہفت سالہ نصاب کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں۔ کہ مصر و شام کی تقلید میں قطع و برید کرنے سے اس نصاب کی وہ استعداد ختم نہ کر دی جائے جس کے سبب سے اب تک وہ امام ولی اللہ کی حکمت کے مطالعہ کے لئے مقدمہ بنتا رہا ہے۔

(۶) مدرسہ دیوبند کے لئے مرکزی فکر اور سیاسی مصلحت کے اصول امیر امداد اللہ اور اُن کے رفقاء مولینا محمد قاسم۔ مولانا رشید احمد۔ مولانا محمد یعقوب دیوبندی کے اجتماع نے معین کئے ہیں۔ اس لئے دیوبندی پارٹی کی مرکزی جماعت میں وہ شخص شامل نہیں ہو سکتا جو یہ اصول کاملاً تسلیم نہ کرتا ہو۔

(الف) مدرسہ دیوبند کا اساسی اصول یہ ہے۔ کہ حزب ولی اللہ نے اپنے پہلے دور میں جسقدر علوم و معارف کی اشاعت ضروری سمجھی۔ حنفی فقہ کی پابندی سے ان علوم و معارف کو تدریس و تصنیف کے وسائل سے زندہ رکھا جائے۔

(ب) اس مدرسہ کی باقاعدہ تعلیم سے جسقدر علماء تیار ہوں گے (۶)

(۶) مولانا اشرف علی صاحب کے اتباع کا مرکز پر قبضہ کرنے طے شدہ اصول کے بالکل خلاف ہے۔

مساجد اور مدارس میں کام کرنے کے لئے پوری استعداد رکھتے ہیں ۔

(ج) اس تعلیم کے بعد جسقدر علما امام ولی اللہ کے جادہ قومیہ اور حکمت کی حفاظت کرنا چاہیں یا حکومت کے مناصب عالیہ کی اہلیت پیدا کریں تو اُن کے لئے کوئی خاص نصاب معین نہیں ۔ بلکہ درسی کتابوں سے فارغ ہو کر اساتذہ کی صحبت میں رہیں ۔ مثلاً مولینا محمد قاسم کی صحبت میں امام ولی اللہ کی حکمت سے آشنا ہو سکتے ہیں ۔ مولانا رشید احمد کی خدمت میں فقہ اور تصوف کی تکمیل کر سکتے ہیں ۔ مولانا محمد یعقوب دیوبندی کی رفاقت میں سیاسی اصول سمجھ میں آسکتے ہیں ۔ اور امیر امداد اللہ کی بیعت سے پارٹی میں منسلک ہو جاتے ہیں ۔

(۷) مدرسہ دیوبند کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کابل میں اپنا وقار ثابت کرتا رہے ۔ اس لئے ماوراء السند کے لئے جس قدر طلبہ دیوبندی نظام میں تعلیم پائیں ۔ انہیں ہدایت دی جائے گی ۔ کہ اپنی اقوام کے نظام اور اپنی حکومت کے نظام کو برہم نہ کریں[1] ۔

(الف) جس طرح ہند میں دیوبندی جماعت مسلمانوں کی دوسری

---

[1] یعنی وہاں جا کر اہل بدعت اور اہل حدیث کے روکے جھگڑے پیدا نہ کریں ۔

جماعتوں کے ساتھ بالاضطرار منازعت میں مبتلا ہوگئی ہے۔ ان جھگڑوں کو ماوراءالسند میں پھیلنے سے روکا جائے۔

(ب) مدرسۂ دیوبند کے لئے ضروری ہے۔ کہ مکہ معظمہ کے مرکز کے توسط سے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ اپنا ربط زیادہ مستحکم کرتا رہے۔

(ج) مدرسۂ دیوبند کے لئے ضروری ہے۔ کہ اضطراری حالات کا استثناء قائم رکھ کر حکومت انگریزی کے مصالح سے غیر جانب داری اختیار کرتا رہے۔

(۸) مدرسہ دیوبند کی تاریخ کا پہلا دَور، مولانا رشید احمد کی وفات پر ۱۳۲۳ھ میں ختم ہوتا ہے۔ اس چہل سالہ دَور کا سب سے بڑا کارنامہ علمی تحریک کی توسیع اور مرکزی فکر کی حفاظت ہے۔

(الف) علمی تحریک اطراف ہند سے نکل کر افغانستان و ترکستان تک۔ اور حجاز و قازان تک پہنچ گئی۔

(ب) دیوبند کے مرکزی فکر پر جس قدر حملے ہوئے۔ وہ نصاریٰ اور ہنود کی طرف سے ہوں یا شیعہ و مبتدعین کی طرف سے۔ یا نجدی و یمنی ذوق رکھنے والے ہندوستانیوں کی طرف سے یا یورپین ذہنیت رکھنے والے نوجوانوں

کی طرف سے اُن میں سے اکثر اعتراضات کے جوابات محققانہ اور مجادلانہ تیار ہو گئے ۔

(۹) ۱۳۲۳ھ سے حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی شیخ الہند کی صدارت میں مدرسہ دیوبند کا دُوسرا دَور شروع ہوا۔ جو ۱۳۳۹ھ میں شیخ الہند کی وفات پر ختم ہوا۔ اگر امام عبدالعزیز کی وفات پر ۱۲۳۹ھ میں حزب ولی اللہ کا پہلا دَور ختم کر دیا جائے۔ اور امام ولی اللہ کے کام کو ۱۱۴۴ھ سے پانچ سال پہلے سے (جب انہوں نے ترجمہ قرآن لکھنا شروع کیا) شروع مان لیں۔ تو پہلا دَور بھی سو سال ہجری کا بن جاتا ہے۔ اور دوسرا دَور بھی پورے سو سال کا قرار پاتا ہے ۔

(الف) سب سے پہلے مولانا شیخ الہند نے مدرسہ دیوبند کے پرانے فارغ شدہ عالموں کو "جمعیۃ الانصار" میں جمع کرنا شروع کیا۔ اِسطرح دیوبندی نظام کی تعلیمیافتہ جماعتوں کی ساری اجتماعی طاقت منظم ہو گئی۔ اِس نظام میں جسطرح ہندوستانی ممالک کے علماء داخل ہوئے۔ اسی طرح افغانی اور ترکستانی علماء بھی شامل ہو گئے ۔

(ب) درجۂ تکمیل جواب تک غیر منظم صورت میں تھوڑے سے

افراد پر مشتمل تھا۔ اس کے قواعد و ضوابط منضبط ہو گئے۔ مولانا شیخ الہندؒ نے امام ولی اللہ اور مولانا محمد قاسمؒ کی کتابوں کو اس درجہ کی تعلیم کا لازمی عنصر قرار دیا گیا۔

(ج) مدرسہ دیوبند کو دار العلوم کے درجے تک پہنچایا۔ دار الحدیث کو اس کی مرکزی درسگاہ (کالج) قرار دیا۔

(۱۰) ۱۹۱۴ء کی حرب عمومی میں ٹرکی کے شامل ہونے کے بعد جمعیۃ الانصار کے توسط سے اپنی پارٹی کی پوری طاقت کو دولت عثمانیہ کی تائید میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ عثمانی سلطان خلافت اسلامیہ کا حامل تھا۔

(الف) مولانا شیخ الہند کی تحریک (باوجودیکہ ایک مذہبی اساس پر مبنی تھی) دنیا کی انقلابی تاریخ کا اہم واقعہ ہے۔ جس طرح انقلاب فرانس بھی ایک مذہبی عالم کی تحریک سے شروع ہوا تھا۔ اور اس سے اس کی انقلابی طاقت کی توہین نہیں ہو سکتی۔ اس وقت مولانا شیخ الہند کی تحریک کی تفاصیل ان صفحات پر نہیں لکھنا چاہیے۔ ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ آنے والے دور کے بہترین مورخ اسے نہایت صفائی سے لکھیں گے۔ ہندوستان، انگلستان

لہ پہلے ہمارا خیال تھا۔ کہ مولانا شیخ الہند کے ان واقعات کے متعلق اجمالی اشارے حاشیے میں لکھوا

افغانستان، ترکستان کی تاریخ تو اس واقعہ کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے ساتھ یورپ کی انقلابی طاقتیں بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔

(ب) الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق نے ۱۲۳۹ھ کے بعد دوسرے دور کو دولت عثمانیہ کے اتصال سے شروع کیا تھا۔ اور مولانا شیخ الہند کے مشائخ

دیں گے۔ جس سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ لیکن بعد میں ہماری رائے بدل گئی۔ کیوں کہ اس بڑے معاملہ میں اشاروں سے کام نہیں نکلے گا۔ اب ہمارا فیصلہ ہے کہ اس موضوع پر مستقل رسالہ انگریزی میں لکھوائیں گے۔ جس میں پہلے تو مولانا شیخ الہند کا اس تحریک میں اصلی مقام کیا تھا۔ اسے معین کریں گے۔ مولانا محمد قاسم حکیم الہند امام ولی اللہ کی حکمت اور انقلاب کے مجدد تھے اور مولانا شیخ الہند اپنے استاذ مولانا محمد قاسم کے علم و عمل کے آرگنائزر۔

اس کے بعد سر پرسی کاکس اور مسٹر مانٹیگ وغیرہ برطانوی مدبرین کے بیانات نمایاں کر دئے جائیں گے۔

مولانا شیخ الہند جب مالٹا میں اسیر ہوئے۔ تو وہاں دول یوروپ کے مختلف نمائندوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ حیران تھے۔ کہ ایک ہندوستانی جو برطانوی سبجکٹ ہے گورنمنٹ سے لڑائی کا اعلان کرتا ہے وہ کس طرح سزائے موت سے بچ گیا۔ اور پھر اُسے جنگی قیدی کا اعزاز کیوں دیا گیا۔

مولانا شیخ الہند کے خدام جو یوروپ میں کام کر رہے تھے۔ اُن حکومتوں کے لوگ جب اُن سے ملے تو انہیں اس تحریک کی تحقیق کا موقعہ ملا۔ ہم سے بھی جب کبھی یہ لوگ کابل میں یا یورپ میں ملے تو انہی مسائل کے متعلق بحث کرتے رہے۔ اس رسالہ میں ان مباحث کا خلاصہ بھی دے دیا جائے گا۔ مضمون کی نوعیت کا تقاضا ہے۔ کہ یہ کتاب انگریزی میں شائع کی جائے۔

عبید اللہ سندھی

نے اسے تکمیل تک پہنچایا۔ مگر دولت عثمانیہ گزشتہ حرب عمومی میں ساقط ہو گئی۔ اس لئے دولت عثمانیہ کی شکست پر حزب ولی اللہ کا دوسرا دور ختم ہو[1] مولانا شیخ الہند نے دولت عثمانیہ کی تائید کے لئے جو تحریک شروع کی تھی۔ اس کی مرکزیت چونکہ دہلی میں تھی۔ اس سے ضمنی طور پر ہندوستانی انقلاب کی تائید میں ایک غیر متوقع صورت پیدا ہو گئی۔ دولت عثمانیہ کی شکست کے بعد مولینا شیخ الہند نے اس ہندوستانی تحریک کو اپنا مستقل موضوع بنا لیا۔ اس سے ہم حزب ولی اللہ کا تیسرا دور شروع کرتے ہیں۔

(۱) مولانا شیخ الہند نے (۱) امام ولی اللہ کی حکمت پڑھانا ضروری قرار دیا ہے۔ اس سے ہم ایک خاص نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہم امام ولی اللہ کی فلاسفی کو اپنی مستقل پارٹی کا اساسی اصول بناتے ہیں۔ یہ فلاسفی غیر مسلم ہندوستانی کو اپنے ساتھ لا سکتی ہے۔ یہ فلاسفی یورپین ازم کی لادینیت کو فنا کر سکتی ہے۔ یہ فلاسفی اپنی اقتصادی مصلحت سے دنیا پر تفوق حاصل کر سکتی ہے۔

(۲) مولانا شیخ الہند نے کالج پارٹی کے انقلابی عنصر کو اپنی تحریک

---

[1] کیونکہ اس دور کی ابتدا ترکی اتصال سے شروع ہوئی۔ جب ترکی حکومت ختم ہو گئی۔ تو وہ پرانا پروگرام بیکار ہو گیا۔

میں شامل کر لیا تھا۔ اُن کے پارٹی پروگرام کو چلانے والے مولانا کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد کے ساتھ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا محمد علی مساوی درجے پر شریک تھے۔ اس سے ہم ایک خاص نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ ہم یورپین ازم کو اپنی مستقل پارٹی کے پروگرام میں داخل کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ کالج پارٹی کا انقلابی عنصر ترقی کر کے کمالی پروگرام منظور کرے گا۔ البتہ ٹرکی کی طرح ہم لادینیت پر سکوت نہیں کرتے۔ بلکہ امام ولی اللہ کی فلاسفی سے اس کا علاج کر لیتے ہیں۔

(۳) مولانا شیخ الہند نے انڈین نیشنل کانگریس کی شرکت منظور کرلی اس سے ہم ایک خاص نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ ہم عدم تشدد کی پالیسی سے ڈومینین اسٹیٹس حاصل کرنے کو اپنی مستقل پارٹی کے پروگرام میں داخل کرتے ہیں۔ ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ عدم تشدد کا پابند ڈومینین اسٹیٹس ہی حاصل کر سکتا ہے۔

ہمارے تیسرے دَور کے پروگرام کا خلاصہ یہی تین اصول ہیں۔

(۱۲) جس طرح پہلے دَور کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور اُن کے رفقا کے کارناموں سے تحریک کو زندگی بخشی۔ اسی طرح

ہم امید کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دوسرے دَور کے خاتمہ پر مولانا شیخ الہند اور اُن کے مشائخ کی خدمات قبول فرمائے گا۔ اور اُن کے عزائم میں اس قدر برکت نازل کرے گا۔ کہ امام ولی اللہ کی تحریک اپنے تیسرے دَور میں ہند کی اصلاح کے توسّط سے دنیا کی رہنمائی کا ذریعہ بن جائے۔ واللہ الموفق۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

جمنا، نربدا، سندھ ساگر پارٹی کا مختصر

اساسی پروگرام

(۱) دار الرشاد کے پرانے کارکن جو وطنی خدمت کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔ انڈین نیشنل کانگرس کے اندر ایک مستقل پارٹی تشکیل کرتے ہیں۔ جسے شمال مغربی ہند کے محدود رقبہ جات سے تعلق ہوگا۔

(الف) اس پارٹی کا نام "جمنا نربدا، سندھ ساگر پارٹی" ہوگا۔

(ب) اس پارٹی کا میدان عمل چار حصوں پر منقسم ہے۔ (۱) آج کا صوبہ سندھ جس کا مرکز کراچی ہے۔ (۲) دریائے سندھ اور اس کے معاونین کی زمین جس کا مرکز لاہور ہے (۳) دوآبہ گنگا جمنا اور اس کا زیر اثر اجمیری۔ بنارسی علاقہ جس کا مرکز دہلی ہے (۴) ہند کا ایسا حصہ جو اپنے فیصلے سے پارٹی میں شامل ہو۔

۲۔ اس پارٹی کے نظری اصول یہ ہیں۔

(الف) عدم تشدد کی پابندی سے کامل آزادی حاصل کرنا (ب) کاشتکار اور دستکار محنت کش کی معاشی حالت درست کرنا۔ اور اسے ترقی شدہ یورپ کے محنت کش کے برابر بنانا (ج) ہند کو ایک ملک نہیں۔ بلکہ یورپ کی طرح مجموعۂ ممالک ماننا۔ زبان اور معاشرت کو ملکی تقسیم کا اساس بنانا (د) ہر ایک وستانی ملک میں مستقل سکونت رکھنے والے ہر مرد و عورت کا مساوی حق ماننا۔ اور جمہوری نظام پر قومیت دینا۔ نسل، مذہب، قدامت کو تفوق کا ذریعہ نہ بنانا (ہ) ہر ایک ہندوستانی ملک کی عام آبادی کی مادری زبان میں تعلیم دے کر ووٹ کی قیمت سمجھانا (و) ترقی یافتہ یورپ کے صنائع کو اپنے ملک اکرنے کے لئے اور وطن کی خدمت و حفاظت میں ہر مرد و عورت کو جوانمردی سکھانے کے لئے یورپین معاشرت اختیار کرانا (ز) فکر اور اخلاق اور سیاست میں یکسانی پیدا کرنے کے لئے امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت اور فلسفے کو پارٹی کا عقلی اساس ماننا۔ اور اس راستے سے انسانیت کی خدمت کے لئے تیار کرنا۔
(ح) ہندوستان کی وحدت کو فیڈریشن میں منحصر سمجھنا (ط) فیڈریشن کی تکمیل کے لئے ایک کافی لمبی مدت تک برٹش کامن ویلتھ میں رہنے کا فیصلہ کرنا (ی) فیڈریشن کی زبان ترقی یافتہ ہندوستانی (اردو) اور انگریزی کو ماننا۔

۳۔ پارٹی کے عملی اساسی اصول یہ ہیں:۔
(الف) پارٹی اپنے نظریات کو پھیلانے کے لئے خاص تعلیم گاہوں میں خدامِ خلق تیار کرے گی۔ فقط
وہی لوگ پارٹی کے ممبر بن سکیں گے۔ جو انسانیت کی خدمت کو اپنا فرض قرار دیں گے۔ اور عوام تشدد کی
سے اس فرض کی تعمیل میں ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کا عہد کریں گے۔ کہ وہ تکلیف دینے والوں پر کسی
صورت میں ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ (ب) پارٹی کے جس قدر ممبر حکومت میں شریک ہوں گے۔ وہ اپنی کرسی
پر بیٹھ کر ملک کے ہر ایک فرد کے ساتھ یکساں معاملہ کریں گے۔ اور رشوت لینا بند کرائیں گے (ج) پارٹی
تجارت پیشہ ممبر ماپ اور تول میں کمی بیشی نہیں کریں گے۔ حساب لکھنے میں خیانت نہیں کریں گے۔ اور ربا
کرائیں گے (د) پارٹی کے زمیندار ممبر کاشتکار سے جو معاہدہ کریں گے اس کے پابند رہیں گے۔ کاشتکار
کے خاندان کی بڑھتی ہوئی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے میں پوری مدد دیں گے (ہ) پارٹی کے کاشتکار ممبر
حکومت کا مقررہ خراج اور زمیندار کا حصہ معاہدے کی پابندی سے پورا ادا کریں گے (و) پارٹی کے
دستکار ممبر جس سے معاملہ کریں گے۔ امانت کو اپنا شعار بنائیں گے (ز) پارٹی کے جس قدر ممبر علمی یا اخلاقی
خدمت کرنے کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ اپنے ملک کی جہالت دور کرنے میں انتہائی جدوجہد کریں گے۔ وہ
ادنیٰ ضروریاتِ زندگی پر اکتفا کریں گے (ح) پارٹی کے ہر علمی ممبر کا فرض ہوگا۔ کہ وہ ہر ایک مرد و عورت
کو لکھنا پڑھنا سکھائے (۱) اپنی ملکی زبان میں (۲) اپنی بین الاقوامی زبان میں (۳) ہر ایک پابند مذہب کو
اس کی مذہبی زبان میں (ط) پارٹی کے ہر اس ممبر کا جو اخلاقی استاد یا مرشد مانا جاتا ہے۔ فرض ہوگا کہ وہ اپنے
ملکی بھائیوں کو حقوق کا احترام سکھائے۔ یہاں تک کہ اس کے ملک کا ہر ایک شخص کسی انسان کی جان، مال، عزت
کو نقصان پہنچانا اخلاقاً حرام سمجھے (ی) پارٹی کا ہر ایک ممبر اپنی ضروریاتِ زندگی خود کما کر حاصل کرے گا۔
اس کا فرض ہوگا۔ کہ ملک سے بیکاری کی زندگی کو ختم کر دے۔ ہر امیر و غریب کو کسی نہ کسی طریقے سے
محنت کش بنایا جائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

عبید اللہ سندھی
مؤسس۔ ج۔ ن۔ سندھ ساگر پارٹی